سوال وجواب

کتاب و سنت کی روشنی میں

بین الاقوامی اردو روزنامہ 'اردو نیوز' جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا اہتمام، زبان سہل و عام فہم، عوام و خواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف

صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب

مقیم جدہ۔ سعودی عرب

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 2631861

سوال وجواب

کتاب وسنّت کی روشنی میں

جلد سوم

بین الاقوامی اردو روزنامہ "اردو نیوز" جدہ (سعودی عرب) میں اسلام کے مختلف
پہلوؤں سے متعلق قارئین کے متنوع سوالات کے جوابات، مختصر لیکن جامع، حوالہ جات کا
اہتمام، زبان سہل وعام فہم، عوام وخواص کیلئے یکساں مفید اور زندگی کیلئے بہترین رہنما

تالیف
صاحبزادہ مولانا قاری عبدالباسط صاحب
مقیم جدہ۔ سعودی عرب

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : اگست ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : 312 صفحات

﴿...........ملنے کے پتے...........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿جدّہ میں ملنے کا پتہ﴾

مرکز عبداللہ بن مسعود لتحفیظ القرآن الکریم۔ العزیزیۃ، جدّۃ
فون نمبر: 009662 2871522

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel : 020 8911 9797, Fax 020 8911 8999
Email sales@azharacademy.com,
Website www.azharacademy.com

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

فہرست مضامین

تقریظ مولانا محمد سالم صاحب مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

پہلا باب قرآن ومتعلقات قرآن

دوسرا باب حدیث ومتعلقات حدیث

تیسرا باب بدعات اور رسوم ورواج

چوتھا باب نذر اور قسم

پانچواں باب قربانی۔ احکام و مسائل

چھٹا باب — مساجد اور اس کے احکام

ساتواں باب — حلال و حرام

آٹھواں باب — میراث ۔ احکام و مسائل

نواں باب — متفرق سوال وجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعۃ الاسلامیۃ دار العلوم دیوبند وقف الهند

AL-JAMIATUL-ISLAMIA

DARUL-ULOOM, DEOBAND (WAQF) - 247554 (U.P.) INDIA

التاریخ ________ الرقم ________

سوال و جواب

کتاب وسنت کی روشنی میں

ایک رہنما تاریخ ساز تصنیف

اللہ رب العزۃ کی بیشمار مخلوقات میں وہ بھی ہیں کہ جو اشیاء کائنات میں سے نہایت محدود اشیاء کی ضرورت مند ہیں، بقیہ دیگر معمولی اور غیر معمولی خصوصیات و آثار رکھنے والی اشیاء کی چونکہ وہ ضرورتمند ہی نہیں ہیں، اس لیے نہ ان میں تجسس و تدبر ہے، اور نہ ان کے خواص و آثار سے وہ استفادہ کے محتاج۔

لیکن "انسان" کائنات کی وہ عظیم اور کامل و مکمل مخلوق ہیں کہ آسمانوں اور زمینوں پر، ہر متحرک و جامد، ہر جاندار و بے جان، اور ہر باشعور و بے شعور مخلوقات، انسان کے لئے کارآمد ہیں اور انسان کو ان کا ضرورتمند بنا کر پیدا فرمایا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر تمام مخلوقات خداوندی کا انسان ضرورتمند ہے لیکن کوئی مخلوق انسان کی ضرورت مند نہیں، انسانی وجود سے قبل زمین، آسمان، چاند، ستارے، سورج، ہوا، پانی، آگ وغیرہ ہر عالم رنگ و بو میں موجود تھے۔ اور ان کا وجود، انسان کی عدم موجودگی سے کسی نقص ناتمامی سے دوچار نہیں تھا، گویا یہ سب مخلوقات انسان کے لیے کارآمد ہیں۔ لیکن انسان ان کے لیے کارآمد نہیں۔

یہاں آ کر شعور انسانی بجا طور پر اس کا تجسس و متلاشی ہوتا ہے کہ انسان پھر کس کے لیے کارآمد ہے؟ کتاب اللہ نے اس سوال کا ناقابل رد حتمی جواب ارشاد فرمایا کہ "انسان مخلوقات کے لیے نہیں بلکہ صرف اسی انسانیت کاملہ کے حصول کے لیے صرف خالق مخلوقات ہی کا حق عبدیت و بندگی ادا کرنے کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے۔" "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

اور یہ تکمیل اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اصول و قواعد کے مطابق، اپنی طبعی اور فطری ضروریات، باہمی رہن سہن، جذباتی تقاضوں، تمام دیگر شریک معاشرت افراد کے لیے اطمینان بخش تعامل، اور شعور بندگی کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت و اطاعت ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ اور یہی انسان کی وہ تکمیلی ضروریات ہیں جن کے لیے انسان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول اور جامع ترین کلام سے، مقصد شرعی کو پورے طور پر ملحوظ رکھ کر ہر پیش آمدہ ضرورت و مقصد کے لیے مدلل احکام کے استنباط کا حکم دیا گیا ہے، جس کے لیے اس دین فطرت اسلام نے نہ صرف حکم ہی دیا ہے بلکہ ہر دور میں ضروریات کے تنوع کی وجہ سے اور بے صلاحیت استنباط کرنے والے افراد و طبقات کا بالاستقلال کا تیار کرتے رہنا، فرائض ملت میں شامل کرتے ہوئے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منهم طائفۃ لیتفقهوا فی الدین	سو کیوں نہ نکلے ہر طبقے میں سے ایک گروہ جو دین میں تفقہ پیدا کرے،
ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون	اور پھر اپنے لوگوں کے پاس جب پہنچیں تو انہیں خبر دیں تا کہ وہ بچیں۔

DIAL: +91-1336-222452 - 222552 - EMAIL sufyanqasmi @ yahoo com

الجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم دیوبند (وقف) الہند

AL-JAMIATUL-ISLAMIA

DARUL - ULOOM, DEOBAND (WAQF) - 247554 (U.P.) INDIA

الرقم ____________ التاریخ ____________

اس حتمی اور قطعی اور انتہائی ضرور امر کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کلی مربوطیت کی صورت میں "علم فقہ" ایک ایسی دینی ضرورت بن جائیں کہ جس کے بغیر دین پر عمل مطلقاً ممکن رہ ہی نہیں سکتا، اس ضرورت لازمہ کے بعد بھی اگر علم فقہ کی ضرورت لازمہ کو نہ مانے تو اس کے بارے میں بریں عقل و دانش بباید گریست۔ کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے۔

بہرحال یہ فضل خداوندی ہے کہ امت اسلامیہ نے تمام علوم اسلام کی عملی یا اعتقادی ضروریات کے تحت جس طرح بے مثال حفاظت کا حق ادا کیا ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ بحمد اللہ وہ علم فقہ کہ جس کے بغیر زندگی میں پیش آنے والی ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ نئی سے نئی ضروریات کی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق عملی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کی بہتر سے بہتر صلاحیت رکھنے والے افراد کی تیاری اور ان کی مدلل و مکمل ہدایت و رہنمائی میں عمل در آمد کے ذریعے رضائے خداوندی ہمیشہ حاصل کرتی رہی ہے۔ اور ہمیشہ کرتی رہے گی۔

محترم گرامی مرتبت مولانا قاری عبدالباسط صاحب زید مجدہ نے عوام وخواص کی عام طور پر پیش آمدہ دینی ضروریات کو ملحوظ فرما کر بڑے اچھوتے اور دلچسپ انداز میں اپنی دو جلدوں پر مشتمل، بنام "سوال و جواب کتاب و سنت کی روشنی میں" میں جمع فرما کر ایک ایسی امت خدمت انجام دی ہے کہ جسے امت نہ کبھی بھلا سکے گی، اور نہ کبھی اس کے استفادے سے مستغنی ہوسکے گی۔ حق تعالیٰ مصنف محترم کے حق میں اس ذخیرہ علم کتاب کو قبولیت عامہ کے ساتھ ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)

۳ر دسمبر ۲۰۰۷ء ۸ر شوال ۱۴۲۸ھ دیوبند

DIAL: +91-1336-222452 - 222552 - EMAIL sufyanqasmi@yahoo.com

سوال وجواب

حصہ : سوم

پہلا باب

قرآن ومتعلقات قرآن

بسم الله الرحمن الرحیم
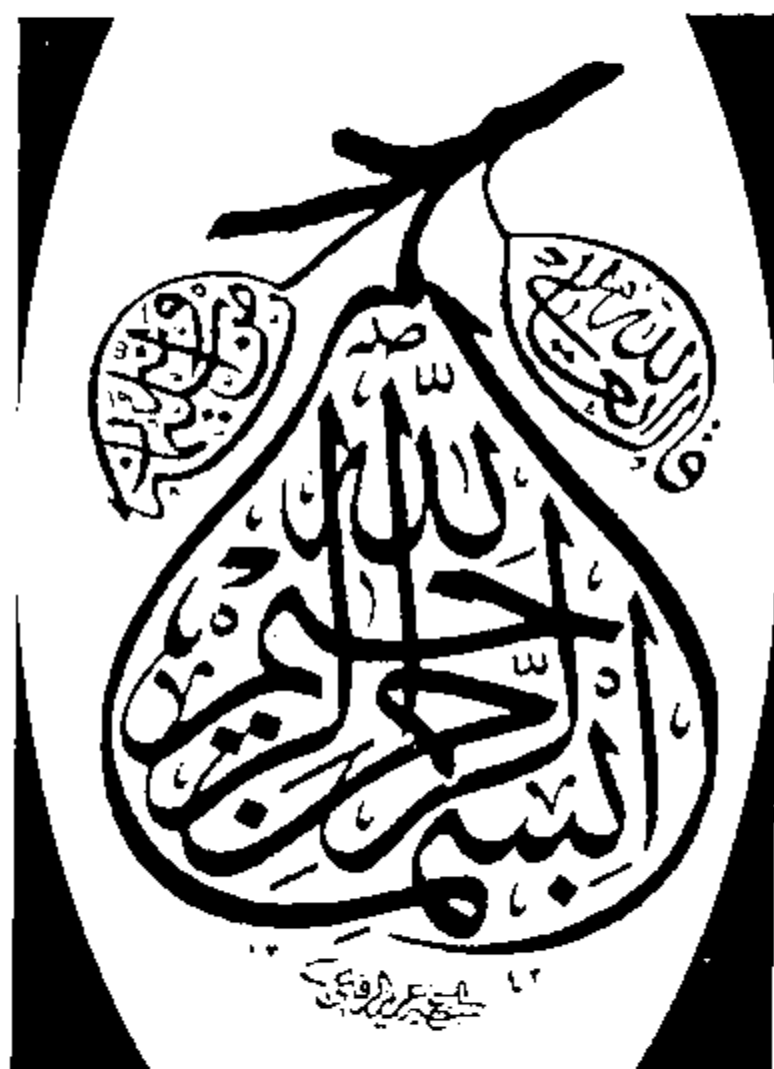
بے وضو قرآن چھونا

سوال : میں یہاں چار سال سے سیلز مین کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں، ایک دن میرے کفیل نے مجھ سے سامنے میز پر رکھا ہوا قرآن شریف لانے کے لیے کہا، اس وقت میں وضو سے نہیں تھا، مگر الحمد للہ پاک صاف یعنی طہارت سے تھا، باوضو نہ ہونے کی بناء پر میں نے قرآن شریف کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا، کیوں کہ قرآن شریف پر غلاف بھی چڑھا ہوا نہیں تھا، اس پر میرے کفیل نے مجھے سمجھایا کہ قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کے لیے انسان کا وضو سے ہونا ضروری نہیں ہے، اگر آدمی طہارت سے ہو تو بھی قرآن شریف کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ شرعی طور پر میری رہنمائی فرمائیں۔

(محمد غوث۔ طائف)

جواب : قرآن کریم کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے سورہ الواقعہ آیت ۸۰،۷۷ میں یہ ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ یہ قرآن کریم (محترم قرآن) ہے محفوظ کتاب (لوحِ محفوظ) میں، اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں، یہ سارے جہاں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے" یہاں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ "لوح محفوظ" کے قرآن کی بات چیت بیان کی جا رہی ہے اور اسے صرف پاک فرشتے ہی چھو سکتے ہیں، چنانچہ بعض

مفسرین سے اس کے یہی معنی منقول ہیں، جبکہ بعض نے یہ مطلب بھی بیان کیا کہ اس سے وہی مصحف مراد ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، تاہم یہاں جو بھی مراد ہو جمہور فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ناپاک شخص قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ امام مالکؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عمرو بن حزم کے نام جو مکتوبِ گرامی روانہ فرمایا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ "قرآن کو کوئی نہ چھوئے مگر پاک شخص ہی۔" (۱) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم قرآن کو نہ چھوؤ مگر اس وقت جب کہ تم پاک ہو۔" البتہ اگر کوئی شخص حدثِ اکبر (بڑی ناپاکی) سے تو پاک ہو یعنی وہ جنبی نہ ہو اور اسے غسل کی حاجت نہ ہو لیکن وہ بے وضو ہو تو ایسے شخص کے بارے میں بھی جمہور علماء کا مسلک ہے کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے (البتہ اسے کسی کپڑے یا غلاف کے ساتھ چھو سکتا ہے۔) یہی احتیاط وادب اور قرآن کے احترام کا بھی تقاضہ ہے۔ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

" و كذا المحدث لايمس المصحف إلا بغلافه . " (۲)

"اسی طرح بے وضو آدمی بغیر غلاف کے قرآن نہیں چھو سکتا۔"

بے وضو قرآن پاک کی تلاوت کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے، جب کہ جنبی (ناپاک) شخص کے لیے تلاوتِ قرآن بھی جائز نہیں۔ (۳)

شیخ احمد مصطفیٰ المراغیؒ نے اپنی تفسیر (تفسیر المراغی) میں اس آیت کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: "اس قرآن کو وہی چھوتے ہیں جو حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہوتے ہیں۔" یہاں مراد نہی ہے، یعنی قرآن پاک کے بارے میں خبر بیان کی گئی ہے لیکن اس خبر کی صورت میں مقصود دوسروں کو روکنا ہے) کہ قرآن وہی شخص چھوئے جو پاک ہو (حدثِ اصغر سے بھی اور حدثِ اکبر سے بھی (۴) پھر حاکم ابن المنذر اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے روایت کیا کہ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں کہ: ہم لوگ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، وہ قضاء حاجت کے لیے ہم سے

---

(۱) مراسيل ابی داؤد عن ابی بكر بن محمد مقبيل باب ما جاء في الصوم (۲) هدايه باب الحيض والاستخاضة ۲۱۱/۱، مطبوعه پاکستان (۳) قرطبی: ۲۲۶/۱۷ (٤) درّمنثور ۲٦/۸

دور چلے گئے، پھر جب وہ تشریف لائے تو ہم نے کہا: اگر آپ وضو کرلیں تو ہم آپ سے قرآن کے بارے میں کچھ پوچھیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھ سے سوال کرو، کیوں کہ میں قرآن کو چھو نہیں رہا ہوں، اس کو پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔''(۱) یہی بات سیدنا علیؓ، ابن مسعودؓ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہے۔

قرآن کا احترام اور رشتہ

سوال: ہمارے چچا کی لڑکی کے لیے ایک رشتہ آیا تھا اور رشتہ مانگنے والا ساتھ میں قرآن پاک بھی لایا، مگر چچا کو یہ رشتہ منظور نہ تھا، اس لیے انہوں نے انکار کیا اور قرآن کا احترام کرتے ہوئے اس آدمی کو قرآن کے ساتھ کچھ روپے دیکر واپس کیا، بعد میں اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ ہوگئی، اس شادی کو تقریباً بارہ سال ہو چکے ہیں، لیکن اب تک اس کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا لڑکی کے والد کو قرآن کا احترام کرتے ہوئے پہلے رشتہ کو منظور کرلینا چاہیے تھا، اس کے انکار کی وجہ سے لڑکی کو یہ سزا بھگتنی پڑ رہی ہے یا اس کی اور کوئی وجہ ہے؟ نیز کیا لڑکی پر کوئی کفارہ واجب ہے؟ (ایک سائل، حائل)

جواب: اولاد کا نہ ہونا پہلے رشتہ کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اولاد کا دینا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے اولاد عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولاد کی نعمت سے محروم رکھتا ہے، پھر کسی کو وہ صرف لڑکے، کسی کو صرف لڑکیوں اور کسی کو ان دونوں سے نوازتا ہے جیسا کہ سورہ الشوریٰ آیت ۵۰-۴۹ میں ارشاد باری ہے: ''جس طرح اولاد، والدین کے لیے آزمائش ہے اسی طرح کبھی اولاد کا نہ ہونا بھی امتحان و آزمائش ہوا کرتا ہے۔ اولاد کا نہ ہونا اگر کسی مرض کی وجہ سے ہو تو اس کا علاج کیا جاسکتا ہے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا بھی اس سلسلے میں مفید ہوگی جیسا کہ بعض

---

(۱) در منثور: ۸/۲۷

انبیائے کرام بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے باوجود اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرما کر انہیں اولاد سے نوازا۔

یہ نہایت غلط اور جاہلانہ تصور ہے کہ قرآن کے احترام میں پہلے رشتے کو قبول کر لینا چاہیے تھا اور اس کے انکار کی وجہ سے گویا قرآن کی بے حرمتی ہوئی اور لڑکی کو یہ سزا بھگتنی پڑ رہی ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسے موقع پر قرآن کو پیش کرنا ہی قرآن کے ادب واحترام کے خلاف ہے، کیوں کہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا ہے، قرآن کے ادب واحترام کا تقاضہ اور اس کا اہم حق ہم سب مسلمان پر ہے کہ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، اگر ہم قرآن کو سمجھ کر پڑھنا اور عمل کرنا شروع کر دیں تو معاشرے سے بہت سارے غلط رسوم ورواج خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

جہاد کی تیاری فرض ہے؟

سوال: کافر ملکوں میں جہاد کی تیاری کے لیے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے گھر اور محلہ والوں کو پولیس اور غیر قوم کی دشمنی مول لینی پڑتی ہے، کیا ایسی حالت میں بھی جہاد کی تیاری فرض ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(سید عرفان احمد، ریاض)

جواب: زمین سے فتنہ وفساد کو ختم کرنے اور اللہ کے کلمہ کو سر بلند کرنے کا ایک اہم ذریعہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے، جس کے تفصیلی احکام اور اپنی جان ومال کے ذریعے جہاد میں شرکت کی فضیلت کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اس ضمن میں جہاد کی تیاری یعنی قوت وطاقت کو حاصل کرنے کا بھی قرآن وحدیث میں حکم دیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے دشمنانِ دین پر رعب بیٹھ سکے۔ ارشاد باری ہے: ''اور جو کچھ قوت تمہاری استطاعت میں ہو اس کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو باندھ کر بھی تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنان کو ڈرا سکو'' (۱) قوۃ کی تفسیر خود آپ ﷺ نے تیراندازی

---

(۱) انفال: ۶۰

سے کی ہے۔(۱)اس لیے کہ اس وقت یہ سب سے اہم جنگی ہتھیار تھا، لیکن اب ان کی اہمیت وافادیت باقی نہیں رہی،ان کی جگہ دوسرے جدید ہتھیاروں نے لے لی ہے، مثلاً میزائیل، ٹینک، بم، جنگی جہاز، آبدوز جہاز وغیرہ،اس لیے آج کل ان کی تیاری ہو گی۔

تاہم فی زمانہ ہر ملک اور ہر علاقہ کے حالات اس کے لیے مناسب نہیں، اس لیے وہاں کے سماجی، ملکی، بین ملکی حالات کے لحاظ سے مناسب حکمتِ عملی تیار کرنی چاہیے۔ جہاد کا اصل مقصد اسلام اور مسلمانوں کا دفاع ہے اور دفاع جس طرح ہتھیار سے ہوتا زبان اور قلم سے بھی ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جَاهِدُوْا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ"(۲)

اس لیے حالات وپس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے جنگی ہتھیاروں کے بجائے زبان اور قلم سے بھی اسلام کا دفاع کیا جائے گا اور ان سے کفر وشرک اور دشمنانِ دین کو زیر اور مغلوب کیا جائے گا۔ یہ بھی جہاد کا اہم ترین حصہ ہے۔

گنہ گار مسلمانوں کا ٹھکانہ

سوال: قرآن پاک میں کافروں کے بارے میں کئی جگہ فرمایا گیا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، لیکن ایک مسلمان کلمہ پڑھنے کے بعد گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور دوزخ کا مستحق ٹھہرے تو کیا عند اللہ اس کے گناہوں کی سزا کی کوئی حد مقرر ہے؟ اور وہ سزا پاکر جنت میں داخل ہو سکے گا یا نہیں؟ (سید محمد اسلم، دمام)

جواب: جہنم میں ہمیشہ رہنے کی سزا صرف کفار ومشرکین اور منافقین کے لیے ہے، کوئی مسلمان اگر اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا گیا تو وہ گناہوں کی سزا پاکر ضرور جنت میں داخل ہو گا اور پھر جنت اس کے لیے ہمیشہ کا ٹھکانہ ہو گی، حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا، وہ ضرور جنت میں

---

(۱) مسلم باب فضل الرمي و الحث عليه ، كتاب الامارة (۲) سنن دارمي عن انس باب في جهاد المشركين باللسان و اليد ، كتاب الجهاد ۲/۱۳۲، حديث : ۲۴۳۶

داخل کیا جائے گا،(۱) پھر شرک کے علاوہ سارے گناہ بغیر سزا کے بھی اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف فرما سکتا ہے، جیسا کہ سورہ نساء آیت ۴۸ / ۱۱۶ میں صراحت موجود ہے، ارشاد باری ہے: ''بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کی مغفرت نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کی چاہے مغفرت فرمادے گا۔''

کیسٹ سے قرآن شریف سننا

سوال: اگر قرآن شریف پڑھنا نہ آتا ہو تو تلاوت کی کیسٹ سننے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز کیسٹ سننے کے ساتھ قرآن کھول کر آیات بھی دیکھی جائیں؟ (حاجی محمد نور، دمام)

جواب: پڑھنا نہ آتا ہو تو اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ قرآن شریف پڑھنا آجائے، کیوں کہ تلاوتِ قرآن مسلمانوں پر قرآن کا ایک اہم حق ہے، جس سے اکثر لوگ غفلت برتتے ہیں اور خاص خاص موقعوں پر تلاوت کو کافی سمجھ لیتے ہیں، تلاوت کے ساتھ قرآن کو سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے، کیوں کہ قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے ہی کے لیے نازل کیا گیا ہے، کیسٹ سے قرآن کی تلاوت سننے پر بھی انشاء اللہ ضرور ثواب ملے گا، تلاوت سنتے وقت قرآنی آیات کو دیکھنا اگرچہ ضروری نہیں تاہم عقیدت واحترام کے ساتھ قرآن پاک کو دیکھنا بھی ثواب سے خالی نہیں۔

شیطان کی اولاد

سوال: آیت ۳۶ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''جو شخص اللہ کی نصیحت (یعنی قرآن) سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں، وہ ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' کیا شیطان صرف ایک نہیں ہے؟ اور شیطان تو اللہ کے ہر حکم کی نافرمانی کرتا ہے اور کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

(طارق شریف، جدہ)

---

(۱) مسلم عن ابی سعید الخدری، باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدین من النار

جواب: یقیناً شیطان اللہ کا نافرمان ہے اور انسانوں کو بھی فریب و دھوکہ، وسوسہ اندازی اور مختلف طریقوں سے اللہ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے، اللہ کے ذکر سے مسلسل اعراض کے نتیجہ میں ایک خاص شیطان ایسے شخص پر مسلط کر دیا جاتا ہے، جو اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اس کو بہکاتا رہتا ہے، شیطان صرف ایک نہیں اس کی پوری نسل اور بیشمار اولاد وذرّیت بھی ہے، سورۃ الکہف ۵۰ میں بھی ابلیس کی ذرّیت کا ذکر موجود ہے۔

ختم قرآن پر کھانا

سوال: جس وقت قرآن پاک پڑھ کر ختم کیا جائے، کیا ضروری ہے کہ حسبِ استطاعت لوگوں کو کھانا کھلایا جائے؟

جواب: یہ ضروری نہیں، البتہ جس وقت قرآن پاک ختم کیا جائے، اس موقع پر دعا کا اہتمام کیا جائے، اس وقت دعا کرنا مستحب ہے اور یہ قبولیتِ دعا کا اہم موقع ہے۔

تلاوتِ قرآن کا ثواب

سوال: قرآن کریم پڑھنے پر کتنا ثواب حاصل ہوتا ہے؟

(محمد جاوید، الخبر)

جواب: قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، ترمذی کی ایک روایت میں جو سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسولِ کریم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ: ”جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے اس کو اس کے بدلے ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، میں نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔“(۱)

قرآن گر جائے تو کیا کریں؟

سوال: اگر کسی کے ہاتھ سے قرآن پاک نیچے گر جائے تو کیا اس کے

---

(۱) ترمذی کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرأ حرفا

وزن کے برابر اناج تول کر مساکین و فقراء کو دینا چاہیے؟ ورنہ پھر کیا کرنا چاہیے؟

(ظفر وقار، خمیس مشیط)

جواب: اگر قرآن پاک بلا قصد و ارادہ ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر جائے تو انشاء اللہ اس پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، تاہم یہ صورت کلام پاک کی بے ادبی و بے حرمتی کی ہے، اس لیے سہو و لغزش پر انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور توبہ استغفار کرے، اگر کچھ صدقہ و خیرات بھی اپنی استطاعت کے مطابق) کر دے تو بہتر ہے، اس لیے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، جیسا کہ سورہ ہود میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے (۱) اور یہ قرآن کے گر جانے کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ کوئی بھی گناہ آدمی سے سرزد ہو تو اس کو چاہیے کہ توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ صدقہ خیرات یا کوئی دوسرا نیک کام بھی کرے، قرآن پاک گرنے کی صورت میں اس کے ہم وزن نمک یا کوئی اور غلہ صدقہ کرنے کا رواج بالکل بے بنیاد ہے، اس کا کوئی ثبوت اور اصل نہیں۔

قبروں پر قرآن کی تلاوت

سوال: ہمارے علاقہ میں زیادہ تر لوگ قبرستانوں میں جا کر قبر پر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ نیز آٹھ دس حفاظ کو بلوا کر قرآن خوانی کرتے ہیں اور قرآن پڑھنے کے بدلے انہیں کچھ روپے نقد دے دیتے ہیں اور کھانا بھی دیتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

(ایس ایم ہارون خان، جدہ)

جواب: قبرستان سے گزر ہو یا زیارت قبور کے لیے جب کبھی قبرستان جائیں تو اہل قبور کے ایصالِ ثواب کیلئے کچھ قرآن پڑھنا اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرنا تو درست ہے لیکن کسی کے انتقال کے بعد اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کا معمول درست نہیں، یہ بھی مروجہ قرآن خوانی ہی کی طرح بدعت ہے، یعنی کسی کو اپنے گھر

---

(۱) ہود ۱۱٤

بلوا کر قرآن پڑھوانا پھر اس کے بدلے انہیں کچھ رقم یا کھانا وغیرہ دینا جائز نہیں۔

کرسی پر تلاوتِ قرآن

سوال: کیا کرسی پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اگر دورانِ تلاوت سجدہ کی آیت آجائے تو سجدہ کیسے کرنا چاہیے؟

(محبوب غریب، بحرین)

جواب: کرسی پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت جائز ہے، تاہم اس کے ادب کا تقاضا ہے کہ ادب واحترام سے نیچے بیٹھ کر تلاوت کیا جائے، کیوں کہ تلاوت کرنے والا گویا اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے، اس کو تلاوت کے وقت یہ استحضار ہونا چاہیے کہ وہ اللہ سے مناجات کر رہا ہے، اس کے سامنے اس کی کتاب پڑھ رہا ہے۔(۱) ظاہر ہے کہ اللہ کی عظمتِ شان کے پیشِ نظر بیٹھ کر ہی تلاوت کرنا ادب واحترام کے لحاظ سے افضل ہے۔

تلاوت وذکر کیلئے ہونٹ کی حرکت

سوال: تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے نماز کے اذکار و تسبیحات اور تلاوت قرآن پاک وغیرہ دل میں پڑھ سکتے ہیں یا ہونٹوں کا ہلنا ضروری ہے؟

(الطاف حسین ہاشمی، مکہ مکرمہ)

جواب: دل میں صرف تصور کیا جاسکتا ہے، اس طرح دل میں پڑھ لینے یا تصور کر لینے کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ تلاوت عمل انسان ہے، اس لیے زبان ہی سے پڑھنے کی صورت میں تلاوت کہلائے گی، چنانچہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"والتلاوة تختص باتباع كتب الله المنزلة تارة بالقراءة وتارة بالارتسام لما فيها من أمر ونهي وترغيب وترهيب أو ما يتوهم فيه ذلك." (۲)

"بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کی اتباع کو

(۱) الاذکار للنووی (۲) مفردات القرآن: ۱/۷۰ ط: بیروت

تلاوت کہا جاتا ہے، کبھی یہ اتباع ان کی قراءت کی صورت میں اور کبھی ان کے اوامر و نواہی (احکام) ترغیب وترہیب اور جو کچھ ان سے سمجھا جاسکتا ہے، ان کی اتباع کی صورت میں۔"

اذکارِ نماز اور تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے زبان اور ہونٹوں کی حرکت اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے۔

درمیانِ تلاوت بسم اللہ

سوال: سورۂ توبہ کی تلاوت کرتے ہوئے آدھی سورت پڑھنے کے بعد کسی کام سے تلاوت روک دیں، پھر کچھ دیر بعد دوبارہ درمیان سورت سے تلاوت شروع کریں تو کیا تسمیہ (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) پڑھنا چاہیے؟ کیوں کہ شروع سورت میں تو قرآن پاک میں بسم اللہ لکھی نہیں ہوتی۔

(ایم این صمد ناز، ریاض)

جواب: صرف تعوذ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر دوبارہ تلاوت شروع کریں، تسمیہ کی ضرورت نہیں۔(۱)

دکان پر قرآن کی تلاوت؟

سوال: ہم ایک دکان میں کام کرتے ہیں، جس وقت گاہک نہیں ہوتے اور ہم فارغ ہوتے ہیں تو کیا اس دوران ہم قرآن کی تلاوت کر سکتے ہیں؟ ہمارا مالک دکان پر نہیں آتا، اس لیے یہ بات اس کو معلوم نہیں، اس طرح اس کی اطلاع کے بغیر یا اس سے پوچھے بغیر خالی وقت میں قرآن کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب: جب آپ فارغ ہوں اور دکان کا کوئی کام نہ ہو تو اس وقت قرآن کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے کوتاہی کر کے

(۱) معارف القرآن ۔ ۴/ ۳۰۷

تلاوت کرنا صحیح نہیں، ایسی صورت میں اپنا خاص وقت اس کے لیے فارغ کرنا چاہیے۔

قرآن پاک اور خانۂ کعبہ کا ادب

سوال: کعبۃ اللہ کی طرف پیر کرکے سو سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز قرآن کریم کے اوپر سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ یہاں اکثر لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ قرآن کے اوپر سے گزرتے ہیں اور انہیں اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

(رحمت اللہ، ریاض)

جواب: کعبۃ اللہ کی طرف پاؤں کرنا یا قرآن پاک کی طرف پاؤں پھیلانا یا قرآن مجید کے اوپر سے گذرنا (بلا عذرِ شرعی) خلافِ ادب ہے، یہی وہ ادب ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دی ہے اور اسی ادب کو رسولِ کریم ﷺ نے احادیث میں بھی بیان کیا ہے۔ قرآن کے بارے میں جہاں دوسری اہم فضیلتوں کو بیان کیا ساتھ ہی ساتھ اس کی بلندی اور اسے اونچی جگہ رکھنے اور اس کی تعلیمات واحکامات کو سب سے زیادہ فوقیت دینے کا ذکر بھی کیا اور فرمایا: "مَرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ" "یہ کتاب اونچی شان والی بلند و بالا کتاب ہے اور پاک ہے۔" (۱) کعبۃ اللہ کے ادب کے بارے میں کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے (دورانِ حاجت) کعبۃ اللہ کی طرف پیٹھ کرنے اور قبلہ رخ بیٹھنے دونوں طرح سے منع کیا ہے۔ (۲)

قرآن پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرنا

سوال: میرے شوہر کی اپنی دکان ہے، جس پر ایک لڑکا ملازم بھی ہے، ایک آدمی سے میرے شوہر نے قرض لے رکھا ہے، جب اس کے ساتھ جھگڑا ہوا تو اس نے فوراً قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا، میرے شوہر نے کچھ مہلت مانگی تو اس نے اس شرط پر بہت دی کہ جو لڑکا تمہارے پاس کام کرتا ہے اسے واپس اس کے ملک بھیج دو، میرے شوہر نے بات ٹالنے کے لیے کہہ دیا کہ میں بھیج دوں گا، اس نے کہا کہ

---

(۱) سورہ عبس آیت ۱۴ (۲) ترمذی عن أبی ایوب، باب فی النھی عن استقبال القبلة بغائط أو بول

نہیں پہلے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ میں بھیج دوں گا تو میرے شوہر نے مجبوراً ہاتھ رکھ دیا، اب اس بات کو ایک سال کا عرصہ ہو گیا، نہ وہ لڑکا ابھی واپس گیا اور نہ اس کے بعد اس آدمی نے کہا کہ اسے واپس بھیج دو، اب ہم اس قسم کا کفارہ کیسے ادا کریں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (آسیہ، بحرین)

جواب: قسم کا کفارہ دو وقت دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑا پہنانا ہے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن لگاتار روزے رکھنا ہے،(۱) قرآن کی قسم کھانے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، لیکن قرآن پر ہاتھ رکھ کر کسی بات کا وعدہ کرنے سے قسم نہیں ہوتی، اگر آپ کے شوہر نے قسم کھائی ہو تو قسم کا کفارہ ادا کریں ورنہ کفارہ لازم نہیں، تاہم اس طرح کے امور میں قرآن کا استعمال درست نہیں، نیز وعدہ خلافی بھی جائز نہیں، اگر آپ کے شوہر نے مجبوراً وعدہ کر لیا ہو اور اب اسے پورا نہ کر سکتے ہوں تو توبہ و استغفار کریں۔

ہر وقت جیب سورہ یٰسین رکھنا

سوال: میں پہلے جیب میں ہر وقت سورہ یٰسین رکھا کرتا تھا، تاکہ جب بھی موقع ملے پڑھ لیا کروں، لیکن ایک دن ذہن میں یہ خیال آیا کہ میرا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ انسان قضاءِ حاجت کے لیے کئی بار حمام بھی جاتا ہے، اس سلسلے میں شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کیا ہر وقت قرآن یا قرآن کی کوئی سورت یا ایسی کوئی چیز جس پر اللہ، رسول کا نام یا قرآنی آیت مکتوب ہو، جیب میں رکھی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

(مقصود احمد، طریف)

جواب: ہر وقت اپنے جیب میں چھوٹے سائز کا قرآن یا قرآن کی کوئی سورت رکھنا (تاکہ حسبِ موقع تلاوت کی جا سکے) جائز ہے، البتہ اسے کسی کپڑے کے غلاف یا پلاسٹک کور وغیرہ میں رکھا جائے تو بہتر ہے، تاکہ بے وضو ہونے کی حالت میں

---

(۱) مائدہ: ۸۹

چھونے میں کوئی قباحت نہ ہو، اسی طرح یہ احتیاط کرنا بھی ضروری ہے کہ رفع حاجت کے لیے جب بیت الخلا جائیں تو اسے جیب سے نکال دیں، کیوں کہ ایسی حالت میں ایسی جگہ پر قرآن یا اس کی کسی سورت کا اپنے ساتھ رکھنا سخت بے ادبی بلکہ ناجائز ہے، فقہاء نے ایسی انگوٹھی کو بھی بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ قرار دیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام یا قرآن شریف کا کچھ حصہ لکھا ہوا ہو۔ یہی بات ہندیہ میں لکھی ہے:

" إذا كان في جيبه دراهم مكتوب فيها اسم الله تعالىٰ أو شئ من القرآن فادخلها مع نفسه المخرج يكره ." (۱)

فرشتوں کی دعا

سوال: سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: "فرشتے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اہل زمین کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔" اہل زمین میں سے کون لوگ ہیں جن کے لیے فرشتے مغفرت کی دعا کرتے ہیں؟ اور کیا یہ سلسلہ آخرت تک چلتا رہے گا یا رسول مقبول ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی ختم ہو گیا؟

جواب: فرشتے اللہ تعالیٰ کے نیک اور اہل ایمان بندوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، مختلف احادیث میں بھی فرشتوں کی دعا اور مؤمنین کی دعا پر ان کے آمین کہنے کا ذکر آتا ہے۔

علماء کے لیے مولانا کا استعمال

سوال: لفظ "مولانا" اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہے اور اسی کے ساتھ زیب دیتا ہے، پھر کیوں ہمارے برصغیر کے اکثر علماء دین دینی علم ہوتے ہوئے بھی مولانا اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں؟

جواب: لفظ مولا سے مولوی اور مولانا لیا گیا ہے، مولا اللہ تعالیٰ کے بھی استعمال ہوتا ہے اور دنیا میں مجازاً سردار، قائد، ساتھی مددگار اور دوست کے لیے بھی استعمال ہوتا

(۱) هندية: ۵/ ۳۲۳

ہے، کسی صاحب علم کو مولوی کہا جاتا ہے، اسی طرح مجاز اً لفظِ مولانا علماء ہی کے لیے مستعمل ہے، رسول کریم ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: "أنت أخونا و مولانا" "تم ہمارے بھائی اور بڑے ہو۔" (۱) قرآن پاک میں لفظِ مولانا دو بار آیا ہے اور دونوں بار صرف اللہ تعالیٰ کے لیے آیا ہے، سورۃ البقرہ کی آخری آیت اور سورۃ التوبہ کی آیت ۵۱ میں میں یہ لفظ موجود ہے، برصغیر پاک وہند ہی میں نہیں بلکہ بعض بلادِ عربیہ میں بھی لفظ "مولانا" عزت و تکریم اور علم و فضل کے اظہار کے لیے مجاز اً استعمال ہوتا ہے، البتہ اگر کہیں اس لفظ کے استعمال سے عقائد و اعمال میں غلو اور بگاڑ کا اندیشہ ہو تو اس لفظ کو ترک کر دیا جائے۔ امام ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں رسول کریم ﷺ کے لیے صاحب "القانون" کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان میں صاحب "القانون" (ابن سینا) یہ فرماتے ہیں کہ: "**كما قال سيدنا و مولانا صاحب شريعتنا محمد صلى الله عليه وسلم.**" (۲) جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ اور صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دابۃ الارض کا مفہوم

سوال: سورۃ النمل آیت نمبر ۸۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ" بندہ اس کے معنی و مطلب جاننے کا خواستگار ہے۔ امید ہے کہ اس کی تشریح و توضیح فرمائیں گے۔ (ایم اے خان، تبوک)

جواب: اس آیت میں قیامت سے قبل واقع ہونے والی ایک بڑی نشانی اور علامت کا ذکر ہے، مکمل آیت کا ترجمہ یہ ہے: "اور جب ان پر بات واقع (ثابت) ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے بات کرے گا کہ بے شک لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔" یعنی اخیر زمانے میں قیامت سے پہلے جب لوگوں میں فساد و بگاڑ عام ہو جائے گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور دین حق کو

---

(۱) بخاری باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان بن فلان الخ، کتاب الصلح
(۲) زاد المعاد: ۴/ ۵۷، تحقیق: الارناؤط

چھوڑ کر عذاب الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور قیامت قریب آجائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ زمین سے ایک جانور نکالے گا، جو لوگوں سے گفتگو کرے گا اور کہے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

صحیح مسلم اور بعض دوسری کتب حدیث میں سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن آپس میں قیامت کا ذکر کر رہے تھے، نبی کریم ﷺ ہماری طرف تشریف لائے، پوچھا تم لوگ کس چیز کا تذکرہ کر رہے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم لوگ قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لو۔ ۱- دھواں، ۲- دجال کا خروج، ۳- (زمین سے) جانور کا خروج، ۴- سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ۵- سیدنا عیسیٰ بن مریم کا نزول، ۶- یاجوج وماجوج کا ظہور، ۷- (تین مقامات پر زمین کے دھنس جانے کا واقعہ) شرق کے علاقہ میں، ۸- مغرب کے علاقے میں اور ۹- جزیرۃ العرب کے علاقے میں، ۱۰- آگ جو یمن کی طرف سے نکلے گی۔(۱)

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

(۱) مسلم، باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ، حدیث نمبر ۲۹۰۱

سوال وجواب

حصہ : سوم

دوسرا باب

حدیث و متعلقات حدیث
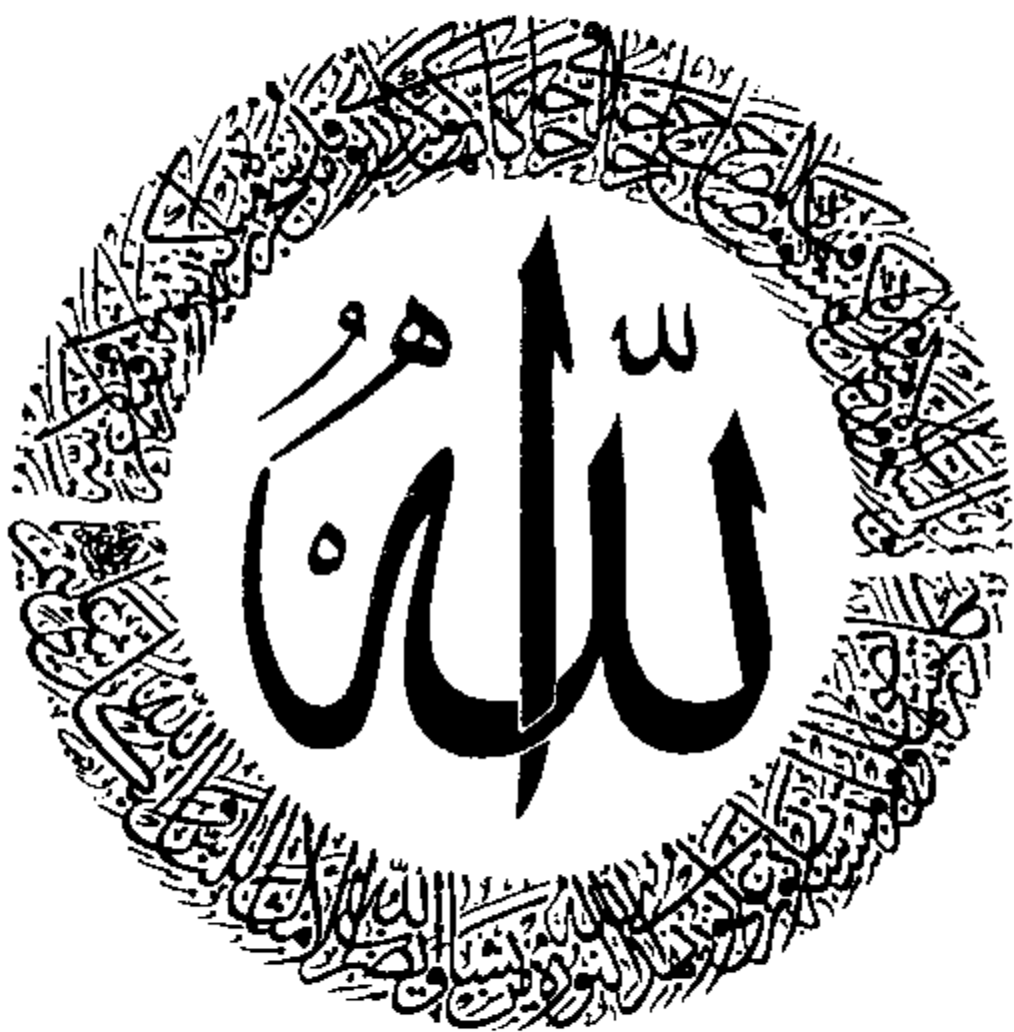
احادیث کی روشنی میں شبِ برات کی حقیقت

سوال: پندرہ شعبان یعنی شبِ برأت کی شرعاً کیا فضیلت ہے؟ اس دن آتش بازی کہاں تک جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو اس کا رواج کس طرح ہوا؟ اس دن ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ اس رات کے بارے میں ایک بات یہ مشہور ہے کہ ایک درخت سے سال بھر دنیا میں مرنے اور پیدا ہونے والوں کے پتے گرتے اور نئے نکلتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی کا طالب ہوں۔

(علی احمد افضال، عمان)

جواب: برصغیر پاک وہند میں شبِ برأت کو جو اہمیت دی جاچکی ہے اور اس کے بارے میں جو عقائد مختلف علاقوں میں مختلف طور پر پائے جاتے ہیں اور اس پس منظر میں اس رات کو مختلف صورتوں میں گزارا جاتا ہے، اس کی "بدعت" سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں، کسی بھی کام کو دین اور ثواب سمجھ کر کرنا اس بات کا محتاج ہے کہ قرآن و سنت سے اس کا ثبوت ہو، ایک متفق علیہ حدیث ہے کہ "جس نے دین میں کوئی نیا کام شروع کیا جو ہم سے ثابت نہ ہو وہ عمل مردود ہے" (۱) اس رات انجام دی جانے والی بدعات، رسومات اس حد تک غیر شرعی وغیر اسلامی ہیں کہ ان کے شروعِ عمل اور ان

(۱) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۶۹۷، مسلم شریف حدیث: ۱۷۱۸

میں انہماک بہت سارے لوگوں کو نمازِ عشاء اور نماز فجر سے غافل کر دیتا ہے، ان رسوم میں پٹاخے، آتش بازی اور مساجد و مکانات پر زیادہ روشنی و چراغ جلانا ہے۔ کیا شعبان کا مہینہ اور یہ رات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نہیں آئے؟ سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ جیسے جانثاروں کے ادوار میں بھی یہ رات ہر سال آتی رہی، لیکن کیا مسجد نبوی میں کوئی چراغ روشن کیا گیا، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس آتش بازی کے عمل میں مجوس کے مشابہ اور اس فضول رسم میں مال خرچ کرنے کی بناء پر شیطان کے بھائی بن رہے ہیں؟ اس رسم بد کی اسلام کس طرح اجازت دے سکتا ہے، جو اپنے آغاز سے انجام تک خطرہ ہی خطرہ ہے، آتش بازی کی اس فضول رسم میں امت کا کتنا مال خرچ ہوتا ہے؟ آگ سے کھیلنا اور اس کا شوق رکھنا مجوس، ہندوؤں اور مشرکوں کی نقل اور ان سے مشابہت ہے، بعض مؤرخین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مسلمانوں میں یہ سلسلہ "برامکہ" سے شروع ہوا، جو پہلے آتش پرست تھے، مسلمان بن جانے کے باوجود بھی یہ رسم ان میں نہ صرف رائج رہی بلکہ دوسرے مسلمانوں نے بھی اس رسم سے تاثر لیا اور اسے "عبادت" سمجھ کر انجام دیا جانے لگا۔ شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب "ماثبت بالسنۃ" میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس شب حلوہ پکانے، کھانے اور تقسیم کرنے کو بھی ایک اہمیت اور خاص حیثیت حاصل ہو چکی ہے، یہاں تک کہ بعض افتراپردازوں نے اس کے جواب میں یہ بات بھی مشہور کر دی کہ آپ ﷺ کے جب دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے حلوہ نوش فرمایا تھا، شعبان کی پندرہویں شب کا حلوہ اس واقعہ کی یادگار ہے، یہ جہالت کی انتہا ہے، رسول کریم ﷺ کے دندانِ مبارک کی شہادت کا واقعہ تو شوال کے مہینہ میں پیش آیا تھا نہ کہ شعبان کی پندرہویں شب کو۔ (۱) اس کے لیے سیرت کی کتابوں میں "غزوۂ احد" کی تفصیلات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔) بالفرض تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ واقعہ اسی تاریخ کو پیش آیا تھا تو کیا صحابۂ کرام

---

(۱) سیرت النبی ۱/۲۲

رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس تاریخ کو اس حلوہ اور شیرینی کی یادگار کے طور پر منایا تھا؟ یقیناً محبت، اتباع، اطاعت اور آپ ﷺ پر مر مٹنے کا جذبہ جوش اور ولولہ جو ان حضرات میں تھا ہم میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب کو جتنی رسمیں بھی انجام دی جاتی ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور دین میں ان کا کوئی ثبوت نہیں، نہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کسی نے ان لغو کاموں کو انجام دیا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں۔

جہاں تک شبِ برأت کی فضیلت کا تعلق ہے کہ آیا اس رات کی کچھ عظمت، فضیلت اور اہمیت بھی شرعاً ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ قرآن کریم میں اس رات کا کوئی ذکر ہمیں صراحتاً نہیں ملتا، سورۂ دخان کی ابتدائی آیات میں جس "مبارک رات" کا ذکر ہے اس سے اگرچہ بعض حضرات نے شعبان کی پندرہویں شب مراد لی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مفہوم کو مراد لینا صحیح نہیں، کیوں کہ یہ مفہوم ومراد دوسری آیاتِ قرآن سے صراحتاً ٹکراتا ہے، چنانچہ سوائے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کے جمہورِ صحابۂ کرامؓ اور مفسرین کا قول یہی ہے کہ سورۂ دخان میں "مبارک رات" سے مراد "شبِ قدر" ہے۔ امام قرطبیؒ اور مشہور مفسر ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفاسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ "ليلة مباركة" اور "ليلة القدر" ایک ہی رات کے دو صفاتی نام ہیں(۱)، چنانچہ تفسیر قرطبی میں سیدنا عکرمہؓ کے قول کو شاذ اور باطل کہا گیا ہے،(۲) اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں "شبِ برأت" نامی کسی رات کا کوئی ذکر ہی نہیں، جہاں تک احادیث کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں اگرچہ بعض احادیث اس موضوع پر موجود ہیں، لیکن کوئی بھی ایسی صریح وصحیح حدیث نہیں ہے جسے بنیاد بنایا جاسکے۔ اس سلسلہ کی اکثر روایات موضوع ہیں یا شدید ضعیف روایات ہیں۔

شب برأت کی فضیلت، اہمیت اور اس کے وجود کو شرعی ثابت کرنے کے لیے بڑی شد ومد کے ساتھ جو روایت پیش کی جاتی ہے، وہ امام ترمذیؒ (متوفی ۲۷۹ھ) کی

---

(۱) قرطبی ۱۶/۱۶۲ (۲) قرطبی ۱۶/۱۶۲

نقل کردہ ایک روایت ہے، جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ام المومنین فرماتی ہیں کہ: "میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا، تلاش کے لیے نکلی تو آپ ﷺ بقیع میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا: تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ اللہ کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے گمان ہوا کہ آپ اپنی دیگر ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور بنوکلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔(۱) یہ وہ روایت ہے جس پر "شبِ برأت" کے عنوان سے ایک تصور، نظریہ اور عقیدہ بن چکا ہے کہ اس رات عبادت سے گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، قابل حجت نہیں، خود امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیں کسی اور سند سے نہیں ملی، صرف اسی ایک ہی سند سے یہ حدیث ملتی ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ (تیسری صدی ہجری) تک اس موضوع پر کوئی اور حدیث نہیں پائی جاتی تھی یا وہ اتنی مشہور اور رائج نہیں تھی جتنا کہ بعد میں کر دی گئی، ورنہ امام ترمذی اس کی تائید میں اسے ضرور نقل کرتے یا کم از کم اس طرف اشارہ ضرور کرتے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ ایک موضوع پر اکثر صرف ایک ہی حدیث ذکر کرتے ہیں اور باقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس موضوع پر فلاں فلاں صحابہ کرامؓ سے بھی روایات منقول ہیں۔

معنوی طور پر اگر دیکھا جائے تو اس میں صرف اتنا مذکور ہے کہ آپ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے، کسی اور عبادت کے انجام دینے، ترغیب اور متوجہ کرنے کا کوئی اشارہ تک نہیں، اس رات کے بارے میں اتنا اشارہ بھی نہیں کہ اس رات کو نوافل پڑھے جائیں اور نہ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرمایا اور نہ ہی اس کے متعلق دوسری ازواج اور صحابہ کرامؓ کو مطلع کیا کہ وہ بھی اس کی برکات سے مستفید ہوں، پھر صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ اس

(۱) ترمذی عن عائشة، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، کتاب الصوم

رات قبرستان جایا کرتے تھے یا جاگنے کا اہتمام وغیرہ کرتے تھے، تو کیا بعد میں آنے والے لوگ صحابہ کرامؓ سے زیادہ دین کی سمجھ اور عبادت کا شوق رکھتے ہیں؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ "شبِ برأت" کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

احادیث کے بارے میں شکوک و شبہات

سوال: میں ایک تعلیمی ادارے سے وابستہ ہوں اور پروفیسر ہوں، اکثر و بیشتر دینی کتب جن میں کتبِ حدیث بھی شامل ہیں، ان کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، ابھی حال ہی میں ایک صاحب نے گزشتہ دنوں ایک پرچہ دیا جس میں بعض احادیث کے بارے میں عجیب و غریب باتیں درج تھیں، میں خود حیران ہو گیا کہ خلافِ عقل، خلافِ حیا و شرم اور اس قسم کی عجیب و غریب حدیثیں آخر ان کتابوں میں کیسے شامل ہیں؟ بہر حال میں آپ کو اس سلسلے میں یہ طویل خط لکھ رہا ہوں، خصوصاً یہ دو حدیثیں تو مجھے بڑی مضحکہ خیز لگیں، ایک تو یہ کہ اگر عورت نماز کے سامنے سے گزر جائے تو نماز پر اثر پڑتا ہے، (صحیح مسلم) اور دوسرے یہ کہ مکھی اگر پانی یا دودھ کے کسی برتن میں گر جائے تو اسے ڈبو دیا جائے، کیوں کہ اس کے ایک پَر میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء؛ امید ہے کہ میری تحریر کا برا مانے بغیر صحیح جواب سے نوازیں گے۔

(پروفیسر ب، ع، زیدی، ریاض)

جواب: آپ نے اپنے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے سوالات میں احادیثِ مبارکہ کے بارے میں جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے یہ کوئی نئے نہیں ہیں، منکرینِ حدیث وقتاً فوقتاً اس قسم کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، تاکہ عوام الناس کے ذہنوں کو احادیث کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کیا جائے اور فتنے کو ہوا دی جائے، آپ کے تمام سوالات کا تفصیلی جواب ہم نے براہِ راست آپ کے پتے پر بھیج دیا ہے البتہ آپ نے جن دو الگ سوالوں کا جواب اخبار کے ذریعے طلب کیا ہے ان کا جواب لکھا جاتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ شاید آپ نے بذاتِ خود صحیح بخاری، صحیح مسلم یا دوسری کتب کو نہیں پڑھا بلکہ مخالفین نے جو کچھ لکھ کر آپ کو دیا ہے صرف اسی عبارت اور تحریر کو پڑھ کر یہ سوالات لکھ کر بھیجے ہیں۔ اگر آپ خود ان احادیث کو پڑھ لیتے اور ان احادیث کے ابواب کو بھی پڑھ لیتے تو آپ کے کئی سوالات کا جواب مل جاتا، کیوں کہ آپ نے بعض احادیث کی عبارت بھی مکمل طور پر نہیں لکھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مخالفین نے جو کچھ لکھا ہے آپ نے ہو بہو وہی نقل کر کے ہمارے نام بھیج دیا ہے، چوں کہ آپ پڑھے لکھے ہیں اور پروفیسر ہیں، لہٰذا آپ سے یہ بات کہتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے کہ کیا دنیا کے کسی بھی علم و فن کے مسائل والی کتاب کے چند صفحات یا چند سطور سرسری طور پر پڑھ لینے سے اس پورے علم و فن کے بارے میں صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے؟ اور آج کل یہ وباء عام ہے کہ بعض لوگ فقہاء و محدثین کی کتابوں سے ایک مخصوص عبارت (بغیر سیاق و سباق کے) نقل کر کے عوام کو دکھاتے پھرتے ہیں کہ دیکھو تمہارے علماء کی کتابوں میں یہ لکھا ہے اور یوں لکھا ہے، دوسرے فنون کی طرح علم حدیث اور علم فقہ دونوں مستقل علوم کے شعبے ہیں، آپ ان علوم کے اہل فقہاء اور محدث علماء سے رجوع کریں اور ان اشکال کے بارے میں انہی اہل علم سے رہنمائی حاصل کریں اور اس بات کو کبھی نہ بھولیں کہ چوں کہ احادیث کی نسبت رسول کریم ﷺ کی طرف ہے، لہٰذا اس بارے میں بلا علم و بلا تحقیق لب کھولنے سے گریز کرنا چاہیے، آپ نے احادیثِ مبارکہ کے بارے میں لفظ "مضحکہ خیز" استعمال کر کے ایک بڑے سنگین گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اگر آپ کے دل میں صاحبِ حدیث ﷺ کی عظمت ہوتی تو کبھی بھی ایسا جملہ نہ لکھتے۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے نادانستہ اور غیر شعوری طور پر ایسا لکھا ہوگا، پھر بھی صدقِ دل سے توبہ کرنا واجب ہے۔ یہاں یہ بات بھی جان لی جائے کہ احادیث کی کئی قسمیں ہیں، ہر حدیث صحیح نہیں ہوتی، کچھ حدیثیں کمزور ہوتی ہیں اور کئی احادیث جھوٹی (موضوع) بھی ہوتی ہیں، لہٰذا کسی بھی حدیث کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل تحقیق کر لینا ضروری ہوتا ہے۔

آپ نے جن دو احادیث کے بارے میں اپنے ذہنی شبہ کو بیان کیا ہے، اس کے بارے میں عرض ہے کہ پہلی حدیث صحیح مسلم سے لی گئی ہے اور یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے باب سترۃ المصلی سے لی گئی ہے، اس باب میں سترے سے متعلق احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ (سترہ وہ چیز ہے جو نمازی اپنے سامنے رکھ لیتا ہے، تاکہ اس کے سامنے سے لوگ نہ گزریں) آپ نے صرف اعتراض کرنے والوں کی تحریر نقل کی ہے، جب کہ اس باب میں امام مسلم نے ۱۷ احادیث بیان کی ہیں۔ ان احادیث میں یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ اگر نمازی سترہ کے بغیر نماز پڑھے گا تو اس کے سامنے سب لوگ گزریں گے، مثلاً عورتیں، کتے، گدھے وغیرہ، لہٰذا نمازی کو اپنے آگے سترہ رکھنا چاہیے۔ آپ نے جس اعتراض کو بیان کیا ہے، یہی اشکال غالباً اس دور میں بھی پیدا ہوا تھا کہ جب لوگوں نے یہ سمجھا کہ اگر عورت کسی نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز پر اس کا اثر پڑتا ہے، چنانچہ امّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی تردید کی، جیسا کہ چند ابواب کے بعد باب ۵۱ میں ہے، تمام احادیث کو پڑھنے کے بعد جو مسئلہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنا منع ہے۔

دوسری جس حدیث پر آپ کا اعتراض ہے تو وہ بھی محض ایک شبہ ہے، حقیقت میں مفہوم حدیث بالکل واضح ہے، مکھی کے بارے میں جو بات حکیم انسانیت ﷺ نے چودہ سو سال قبل کہی تھی، آج کے طب اور سائنس نے اس کی تائید کردی ہے کہ مکھی کے پروں میں سے ایک پر زہریلے جراثیم ہوتے ہیں، جب کہ دوسرے پر میں انہی جراثیم کا تریاق ہوتا ہے اور مکھی جب بھی کسی برتن وغیرہ میں گرتی ہے تو اپنے جراثیم والے پر کو نیچا رکھتی ہے، لہٰذا اگر کبھی ایسا ہو جائے تو مکھی کے دوسرے پر کو بھی ڈبو کر اس پانی، دودھ، چائے وغیرہ کو استعمال کرو جس میں مکھی گرتی ہے، (۱) اگر تکبر و غرور کا شائبہ نہ ہو تو اس پانی چائے وغیرہ کو ضائع بھی کیا جا سکتا ہے جس میں مکھی گری ہے، البتہ اگر اسے ضائع کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں طریقہ وہی ہے جو احادیث میں آیا ہے۔

---

(۱) بخاری عن ابی هريرة، باب اذا وقع الذباب الخ، كتاب بدء الخلق

کافروں کے بچہ کا اخروی انجام

سوال: کافروں کے بچے اگر بچپن ہی میں انتقال کر جائیں تو آخرت میں ان کا انجام کیا ہوگا؟ کیا وہ جنت میں جائیں گے یا اپنے والدین کے ساتھ دوزخ میں رہیں گے؟ ہمارے ساتھیوں کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف رائے ہے، کتاب و سنت اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہیں؟

(محمد اسماعیل، ریاض)

جواب: اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، امام نوویؒ نے صحیح مسلم کتاب الجہاد کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفار کی اولاد کا حکم دنیا میں تو ان کے والدین ہی کی طرح ہوگا، البتہ اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے انتقال کر جائیں تو آخرت میں ان کا کیا انجام ہوگا، اس سلسلے میں تین مشہور اقوال ہیں، صحیح بات یہی ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ (والدین کے تابع ہو کر) دوزخ میں داخل کیے جائیں گے، جب کہ تیسرا قول بعض علماء کا یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے، یعنی یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا(۱)۔ جب کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مسئلے میں علماء کے دس اقوال نقل کیے ہیں اور امام بخاریؒ کا رجحان اسی طرف ظاہر کیا ہے کہ کفار و مشرکین کی اولاد جنت میں داخل ہوگی، نیز امام نوویؒ کے حوالہ سے نقل کیا کہ یہی محققین علماء کا خیال ہے(۲) جس کی ایک دلیل قرآن پاک کی یہ آیت بھی ہے جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور ہم کسی (قوم) کو عذاب دینے والے نہیں تھے، یہاں تک کہ (ہم ان کے درمیان) رسول بھیج دیں۔"(۳) جب دعوت کے پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب نہیں دیتے تو غیر عاقل اور ناسمجھ بچوں کو کیسے عذاب دیں گے؟ اسی طرح صحیح بخاری کی ایک روایت میں رسولِ کریم ﷺ کے ایک خواب کا ذکر ہے جس

---

(۱) نووی علی مسلم: ۲/۸۵ - ۸۴، باب جواز قتل النساء و الصبیان (۲) فتح الباری ۳/۳۱۵ ط بیروت (۳) اسراء: ۱۵

میں جبرئیل و میکائیل نے آپ کو ملاء اعلیٰ کی سیر کرائی، اس سفر میں کئی مناظر رسول اللہ ﷺ کو دکھائے گئے، جس میں یہ بھی ہے کہ "پھر وہ دونوں مجھے لے کر اوپر چڑھے اور ایک ایسے گھر میں مجھے داخل کیا جس سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھا، جس میں مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے اور بچے تھے۔" آخر میں رسولِ کریم ﷺ نے جبریل امین سے ان تمثیلی مناظر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے تمام مناظر کی تعبیر اور حقیقت بیان کی اور اس ضمن میں عرض کیا کہ: "درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے بزرگ ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے بچے لوگوں کی اولاد تھے۔" حدیث میں لفظِ "اولاد الناس" (لوگوں کے بچے) ہے نہ کہ اولاد المسلمین (مسلمانوں کے بچے) بعض روایات میں اس موقع پر صحابہ کرامؓ کا یہ سوال بھی مذکور ہے کہ یارسول اللہ! مشرکین کے بچے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں مشرکین کے بچے بھی۔(۱) اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف اگرچہ بعض روایات ہی کی بنا پر ہوا ہے، تاہم محققین علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ کفار و مشرکین کے نابالغ بچے بھی جنت میں جائیں گے، جیسا کہ امام نوویؒ کا قول اوپر ذکر کیا گیا۔

امت کے اعمال سے واقفیت

سوال: کیا رسول اللہ ﷺ کو امت کے اعمال سے ہر ہفتہ واقف کروایا جاتا ہے؟ اگر ہاں تو حوالہ ضرور دیں۔

جواب: ایسی کوئی صحیح روایت یا دلیل ہمارے علم میں نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ہر ہفتہ یا کبھی بھی قبر مبارک میں امت کے اعمال سے رسول کریم ﷺ کو واقف کروایا جاتا ہو، البتہ بعض صحیح روایات میں یہ ضرور آتا ہے کہ ہر ہفتے میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کو بارگاہ الٰہی میں لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، ہر بندۂ مؤمن کی مغفرت کر دی جاتی ہے سوائے ان دو کے جن کے درمیان بغض و کینہ ہو(۲) ایک

(۱) بخاری عن سمرة بن جندب، باب ما قيل في أولاد المشركين (۲) مسلم عن أبي هريرة، باب النهي عن الشحناء، كتاب البر والصلة

حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "پیر اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں، مجھے یہ بات پسند ہے کہ میرا عمل پیش ہو تو میں روزہ سے رہوں" (۱)، چنانچہ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا مسنون عمل ہے۔

رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت

سوال: کیا رسولِ کریم ﷺ نے جن جن چیزوں کو ممنوع قرار دیا وہ ساری چیزیں حرام ہیں؟ یا پھر کوئی ایسی صورت ہوتی ہے کہ ان چیزوں کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(س ع ع، احمد رفیدہ)

جواب: رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب و ضروری ہے اور اسی میں بندۂ مؤمن کی نجات و کامیابی کا دار و مدار ہے، قرآن میں جگہ جگہ اللہ کے رسول کی اطاعت کا تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے، سورہ نساء میں فرمایا گیا: "ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے" (۲) لہٰذا رسولِ کریم ﷺ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے رکنا ہر مسلمان پر لازم ہے، سورۃ الحشر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "رسول تمہیں جو دے اسے لو اور جس سے تمہیں روکے اس سے رک جاؤ" (۳) مختلف احادیث میں بھی یہ مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے، بعض صحیح احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو، میرا کوئی حکم اس تک پہنچے جس کا میں نے حکم دیا ہو یا جس سے میں نے روکا ہو، پھر وہ یہ کہے: "میں نہیں جانتا، اللہ کی کتاب میں جو ہم پایا اس کی ہم نے اتباع کی، خبردار! جس چیز کو میں حرام قرار دوں وہ بھی حرام ہے" (۴) پھر حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کا کسی چیز کو حرام قرار دینا یا کسی چیز سے روکنا، منع کرنا وہ دراصل اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے،

---

(۱) حوالہ سابق (۲) نساء: ٦٤ (۳) حشر ۷ (٤) (ابن ماجه عن مقدام بن معد يكرب، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ، مقدمة

کیوں کہ آپ اپنی خواہش نفس سے کوئی بات یا حکم نہیں فرماتے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی الٰہی کی روشنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ سورۃ النجم آیت: ۴/۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مستجاب الدعوات کون ہے؟

سوال: مستجاب الدعوات کسے کہتے ہیں؟

(سعید عالم، بالجرشی)

جواب: مستجاب الدعوات کے معنی ہیں وہ شخص جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، رد نہیں کی جاتیں۔ احادیث میں ان لوگوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ قبولیتِ دعا کے سلسلے میں ایک بنیادی بات اور شرط "اکلِ حلال ہے" آدمی کا کھانا پینا حلال ہو تو اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، رد نہیں کی جاتیں، صحابی رسول سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ میری دعائیں قبول ہونے لگیں اور میں مستجاب الدعوات ہو جاؤں، ان کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے سعد! اپنا کھانا پینا حلال رکھو تو تم مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے" (۱)

اجتماعی درود شریف

سوال: ہمارے گاؤں کے لوگ فجر کی نماز کے بعد لاؤڈ اسپیکر آن کر کے بلند آواز میں درود شریف کا ورد کرتے ہیں اور بعض لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ یہ عمل کیسا ہے؟

(محمد ممتاز عباسی، رابغ)

جواب: رسولِ کریم ﷺ پر درود شریف بھیجنا اور کثرت سے درود شریف پڑھنا

---

(۱) مجمع الزوائد عن ابن عباس، باب في من أكل حلالا أو حراما

یقیناً بڑی فضیلت اور سعادت کی بات ہے لیکن اس طرح اجتماعی طور پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ رسول کریم ﷺ نے اس کا حکم فرمایا اور نہ ہی صحابہ و تابعین نے اس طرح کیا اور جس عمل کا کوئی ثبوت نہ ہو اس کا التزام اور اس کو دین میں داخل کر لینا بدعت و گمراہی ہے چاہے بظاہر وہ اچھا اور نیک عمل ہو، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ میں نقل کیا گیا ہے:

" قد صح عن ابن مسعودؓ أنه سمع قوما اجتمعوا في مسجد يهلكون و يصلون عليه الصلاة والسلام ." جهرا فراح عليهم فقال : عهدنا ذلك على عهده عليه السلام و لا اراكم الامبتدعين فما زال يذكر حتى أخرجهم من المسجد "(۱)

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں جمع ہو کر کلمۂ طیبہ اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس گئے اور فرمایا: ہم نے حضور ﷺ کا زمانہ دیکھا ہے، تمہارے متعلق میرا خیال اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم بدعت گڑھنے والے ہو، عبداللہ بن مسعود اس بات کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔"

اس لیے اس اجتماعی طریقہ کار اور رواج سے احتراز کرنا چاہیے، ہاں انفرادی طور پر جب بھی موقع ملے کثرت سے درود شریف پڑھنے کا معمول رکھنا عین سعادت ہے۔

---

(۱) بزازیہ علی هامش الهندية:۶/۳۷۸

سوال و جواب

حصہ : سوم

تیسرا باب

بدعات اور رسوم و رواج

رب اشرح لي صدري ويسر لي أمري

ماہِ محرم کی بدعات

سوال: ہمارے یہاں لوگ محرم کے مہینے میں تعزیہ نکالتے ہیں، گاؤں میں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے، اسے چوک کہا جاتا ہے، اس پر پانی کا پیالہ، دودھ کا پیالہ، شربت کا پیالہ اور کبھی چاول کو دھو کر پیالے میں رکھ کر فاتحہ پڑھا جاتا ہے، یہ محرم کے ابتدائی دس دن تک ہوتا رہتا ہے اور کچھ لوگ یہ منت مانتے ہیں کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو محرم میں چڑھاوا چڑھاؤں گا، لوگ محرم میں دس دنوں تک غم مناتے ہیں اور خوشی کے کام نہیں کرتے، جیسے نیا کپڑا نہیں پہنتے، شادی بیاہ نہیں کرتے اور سر میں تیل وغیرہ تک نہیں ڈالتے، حتیٰ کہ دس تاریخ کو کسی گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا، گاؤں میں جو کربلا بنا ہوا ہے، دس محرم کو اس میں تعزیہ دفن کرتے ہیں؛ کیا یہ سب کام شرعاً جائز ہیں؟

(محمد عباس انصاری، حفرالباطن)

جواب: آپ نے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے اور یہ اس طرح کی بیشمار رسومات افسوس ہے کہ آج بھی ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں اور اس ماہِ محرم میں انہیں خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، ان رسومات کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب سنگین بدعات ہیں، جن سے بچنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ بدعت کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ ہر خطبۂ مسنونہ میں اس کی مذمت فرماتے اور ارشاد فرماتے تھے کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔

سال کے بارہ مہینوں میں کوئی مہینہ بھی ایسا نہیں جس میں شادی کرنا جائز نہ ہو، محرم کے مہینہ میں بعض صحابہ وتابعین کا شادی کرنا ثابت ہے، یقیناً محرم کے اس مہینے میں نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا، جو بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر سال اس مہینے میں اس واقعے کو یاد کر کے نوحہ وبین کیا جائے اور محرم کے مہینے ہی کو غم کا مہینہ قرار دے لیا جائے، شہادت تو ایک عظیم مرتبہ اور بلند ترین درجہ ہے، جس پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی فائز ہوئے اور حق کے راستے میں انہوں نے اپنی جان عزیز تک کو قربان کر دیا۔ اس واقعہ کا اصل سبق تو یہ ہے کہ ہم بھی اپنے اندر شہادت کا عظیم جذبہ اور ولولہ پیدا کریں کہ موقع آئے تو حق کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دینے سے گریز نہیں کریں گے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں عموماً یہی بات تاریخ میں درج ہے کہ محرم کی دسویں کو آپؓ کی شہات ہوئی ہے، لیکن یہ بات بھی یقینی نہیں ہے، کیونکہ شہادتِ حسین کے بارے میں سب سے پہلی کتاب واقعۂ کربلا کے ایک سو سال بعد لکھی گئی، جو ابو مخنف لوط بن یحییٰ (م ۱۷۰ھ) نے لکھی تھی اور تمام محدثین وسلف امت کے نزدیک بالاتفاق یہ شخص جھوٹا ہے اور جھوٹی روایات گڑھنے میں ماہر ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام میں کسی کے مرنے پر تین دن سے زیادہ غم کرنے کی اجازت نہیں، سوائے بیوی کے، کہ اس کو شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن شرعی حدود میں رہتے ہوئے سوگ منانے کا حکم ہے، اس سے زیادہ نہیں، اگر کسی کی شہادت وموت پر اس طرح غم منانے کی شریعت میں اجازت ہوتی تو ضرور رسول کریم ﷺ، شہداءِ بدر واُحد پر اور بالخصوص اپنے محبوب چچا سیّدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہر سال غم مناتے، جنہیں غزوۂ احد میں بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا تھا اور ان کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے تھے اور جن کو رسول کریم ﷺ نے ''سید الشہداء'' (تمام شہیدوں کے سردار) کا لقب دیا۔ (۱) مستدرک حاکم کی

(۱) الجامع الصغیر مع فیض القدیر: ۱۴/ ۱۲۱: مکہ مکرمہ

روایت ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن اللہ کے یہاں شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبدالمطلب ہوں گے۔"(۱)

تعزیہ داری سنگین بدعت

سوال: میرا تعلق ایسے علاقے سے ہے جہاں اکثر لوگ ہر سال ماہِ محرم میں لکڑی اور کاغذ کا مینار نما تعزیہ بناتے ہیں، پھر اسے ایک میدان میں رکھ کر پھولوں کا سہرا، میوہ اور سونا چاندی وغیرہ چڑھاتے ہیں، یہ عمل کئی دن تک کرتے ہیں، پھر محرم کی دس تاریخ کو اسے یا تو بے دردی کے ساتھ سمندر میں پھینک دیتے ہیں یا زمین میں دفن کر دیتے ہیں، پھر اس کا سوئم اور چالیسواں بھی کرتے ہیں، یہ خیال بھی لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ تعزیہ کے نیچے سے چھوٹے بچوں کو گزارا جائے تو وہ بیمار نہیں ہوتے! سوال یہ ہے کہ ان افعال کی شرعاً کوئی گنجائش ہے؟ اگر نہیں تو پھر ایسے کام کرنے والوں کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے؟

(صادق حمیر، جدہ)

جواب: آپ نے ہر سال ماہِ محرم میں انجام دی جانے والی جن رسومات کا ذکر کیا ہے، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ سنگین بدعات ہیں، جس سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے۔

حقیقت میں تعزیہ داری کو شیعوں نے جنم دیا اور پھر اسے اتنا پروان چڑھایا کہ مسلمان بھی یہ سمجھنے لگے کہ یہ ہمارے مذہبی اعمال ہیں، حالانکہ مذہب اسلام ایسے خرافات کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ یہ تصور و خیال بھی نہایت جاہلانہ ہے کہ تعزیہ کے نیچے سے بچوں کو گزارا جائے تو وہ بیمار نہیں ہوتے۔ جو بھولے بھالے مسلمان ان رسومات میں مبتلا ہوں، انہیں حکمت کے ساتھ سمجھا جائے کہ یہ چیزیں

(۱) مستدرک کتاب معرفة الصحابة، باب ذکر حمزة ص: ۲۲ ط، بیروت

جائز نہیں، اسلام انہیں ناپسند اور اس سے منع کرتا ہے۔

درگاہوں پر چادر چڑھانا

سوال : میرے چند دوستوں کا خیال ہے کہ درگاہوں پر جانا اور قبروں پر پھول یا چادر چڑھانا اور بزرگوں کے وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے، کیوں کہ دین انہی بزرگوں کی جدو جہد سے مشرق میں پھیلا اور ان کا دعویٰ ہے کہ اگر قرآن میں یہ نہیں ہے کہ درگاہوں پر جائیں تو یہ بھی نہیں ہے کہ مت جائیں، نیز وہ کہتے ہیں کہ سلام پڑھنا جائز ہے، جس میں یہ پڑھتے ہیں: ''یا نبی'' کیا نبی کے ساتھ ''یا'' کا لفظ استعمال ہو سکتا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(سید عبدالعلیم، ریاض)

جواب : درگاہوں کا وجود شریعت کے مزاج اور روح کے خلاف ہے، احادیث میں قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت احادیث میں صراحتاً منقول ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبر پر گچ کرنے اور اس پر عمارت بنانے نیز قبر کے اوپر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے،(۱) سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس مہم پر بھیجا کہ میں جس مورتی کو دیکھوں اسے توڑ ڈالوں اور جس اونچی قبر کو دیکھوں اس کو ہموار کر دوں،(۲) قبرستان یا کسی بھی قبر پر جانے کی ممانعت نہیں ہے، صحیح مسلم ہی کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''میں نے تمہیں قبرستان جانے سے روکا تھا، مگر اب قبرستان کی زیارت کیا کرو، (۳) ایک روایت میں یہ ہے کہ مجھے اس کی اجازت دی گئی، لہٰذا تم قبروں کی زیارت کر سکتے ہو، ایک دوسری روایت میں اس کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی گئی کہ زیارتِ قبور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی اور موت کو یاد دلاتی ہے،(۴) اس مقصد کے لیے قبرستان جانے یا

---

(۱) مسلم عن ابی الهیاج الاسدی، کتاب الجنائز : ۳۱۲/۱، فصل فی طمس التمثال

(۲) حوالۂ سابق (۳) مسلم عن ابن بریدة عن أبیه، فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور

(٤) مسلم عن ابی هریرة، فصل فی الذهاب إلی القبور

کسی قبر کی زیارت کرنے سے نہیں روکا جاتا اور یہ مقصد کسی بھی قبر (قبرستان) پر جانے سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن آج کل لوگ عام قبرستان میں جانے کے بجائے مخصوص مزارات اور درگاہوں کا رخ کرتے ہیں، جن میں سے بعض تو فرضی ہوتے ہیں، جو پیٹ پالنے کے لیے جاہل مجاوروں نے بنا رکھی ہے، پھر جو قبریں حقیقتاً اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی ہیں تو یقیناً وہاں جانا ممنوع نہیں، لیکن وہاں جاکر کیا کوئی اپنی موت کو یاد کرتا ہے اور صاحبِ قبر کی زندگی یا دین کے سلسلے میں ان کی مجاہدانہ کوششوں سے کوئی عبرت حاصل کی جاتی ہے؟ بلکہ وہاں تو قبر پرستی ہوتی ہے، قبروں کا طواف کیا جاتا ہے، سجدہ کیا جاتا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے،(۱) کیا اللہ کے سوا کسی ہستی کے لیے سجدہ کرنا جائز ہے؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: "اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔(۲) اصحابِ قبور کو مختار و متصرف سمجھ کر ان سے منتیں مانی جاتی ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر اللہ کی قسم کھانے کو بھی شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔(۳) کیا اولیاء کو مرادیں پوری کرنے یا ہماری پکار سننے اور اس کو پورا کرنے پر قادر سمجھنا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی عظمت و کبریائی میں "شرک" نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اولاد دینا نہ چاہے تو کیا یہ بزرگانِ دین اولاد عطا کر سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ فلاں کو اولاد سے نوازے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اولاد سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس نعمت سے محروم رکھتا ہے(۴) اور یہ کہ اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کے حق میں سفارش بھی نہیں کر سکتا۔(۵)

پچھلی قوموں میں شرک کا ایک بہت بڑا سبب یہی "قبر پرستی" اور "اصحابِ قبور" کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ آمیزی تھی، اسلام اس بات کی کیسے اجازت دے سکتا

---

(۱) مسلم عن أبی مرثد الغنوی ، فصل فی النهی عن الجلوس علی القبر و الصلوٰة إليه (۲) ابن ماجه عن عائشةؓ ، باب حق الزوج علی المرأة ، أبواب النكاح (۳) ترمذی عن سعد بن عبيدة ، باب كراهية الحلف بغير الله (٤) سوره شوریٰ : ٤٩ — ٥٠ (٥) سورة البقرة ٢٢٥ ، ١٠٩ ،

تھا۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے سختی کے ساتھ قبروں کو "میلہ گاہ" یا انہیں "سجدہ گاہ" بنانے سے منع فرمایا کہ کہیں اس سے شرک کا دروازہ نہ کھل جائے، آپ ﷺ نے وفات سے چند دن قبل بھی یہ وصیت فرمائی کہ تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے نبیوں (اور بزرگوں) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیتی تھیں، تم میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا، اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا،(۱) صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جس درخت کے نیچے "بیعتِ رضوان" ہوئی۔ جس کا ذکر سورہ الفتح آیت نمبر :۱۸ میں بھی موجود ہے، اس کے بارے میں تاریخ میں آتا ہے کہ آہستہ آہستہ لوگ اس دن اس درخت کے نیچے جمع ہونے لگے اور اس کے ساتھ عظمت کا اظہار کرنے لگے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؓ نے اس درخت ہی کو کٹوا کر اس جگہ کو بے نام و نشان کردیا، تاکہ "عظمت پرستی" کا سدِّ باب ہو جائے۔ رسولِ کریم ﷺ نے یونہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہیں فرمایا تھا کہ "ہر اونچی قبر کو زمین سے ہموار کردو۔" آج بھی یہ "عظمت کے نشان" "زمین بوس کر دیئے جائیں تو وہاں "چراغاں" ہو اور نہ "عرس و میلہ"۔

اسی طرح قبروں پر پھول اور چادریں چڑھانا بھی جائز نہیں، نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام نہ صرف جائز ہے بلکہ باعث اجر و ثواب ہے، لیکن اجتماعی طور پر درود و سلام کی محفلوں کا کوئی ثبوت شریعت میں نہیں، اگر اس طرح کی محفلوں کا انعقاد رسول کریم ﷺ سے محبت کی دلیل ہوتی تو صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس سے غافل نہ ہوتے۔ کیا صحابہ کرامؓ سے زیادہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے؟ محبت کا لازمی تقاضا اور نتیجہ اطاعت و اتباع ہے کہ ہر محب اپنے محبوب کی پیروی کرتا ہے، اس معاملے میں تو ہم دشمنانِ رسول کی اقتداء کرتے ہیں اور دعویٰ حب رسول

۵۔ انفرادی طور پر بھی ایسے سلام پڑھنا یا رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتے ہوئے ایسے الفاظ کا

---

(۱) نسائی عن عائشۃ باب اتخاذ القبور مساجد، کتاب الجنائز، ابوداؤد، باب البناء علی القبر عن ابی ھریرۃ، کتاب الجنائز

ادا کرنا ہرگز جائز نہیں جو اپنے اندر کفر و شرک کا مفہوم رکھتے ہوں یا جس میں نبی کی عظمت کو بڑھا کر انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں رائج "سلاموں" میں یہ بات پائی جاتی ہے اور پھر نبی کریم ﷺ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے عقیدت و احترام میں کھڑے ہو کر اور (حتی الامکان) مدینہ منورہ کی سمت رخ کر کے "سلام" پڑھا جاتا ہے، کیا ایسے عقائد کے ساتھ اور اس طرح کا سلام جائز ہو گا؟ یہی معاملہ وسیلے کا بھی ہے، البتہ دعا میں وسیلے کی بعض جائز صورتیں بھی ہیں جن کا ذکر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

قبروں پر جا کر دعائیں مانگنا

سوال: ہمارے گاؤں کے قریب ایک درگاہ ہے، جہاں مختلف علاقوں سے لوگ آتے ہیں اور وہاں ایک پتھر بھی نصب ہے جس کے گرد صرف عورتیں سات چکر لگاتی ہیں اور ساتھ ہی زبان سے یہ لفظ بھی نکالتی ہیں کہ "اے بابا! ہمیں بیٹا دو۔" چکر لگانے کے بعد وہاں ایک تالاب میں غسل کرتی ہیں؛ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیں؟

(غلام مصطفی، ابہا)

جواب: یہ عمل نہ صرف ناجائز بلکہ کبیرہ گناہ اور صریح شرکیہ عمل ہے، ثواب یا عبادت سمجھ کر درگاہوں پہ جانا، مزاروں پر سجدہ کرنا اور اس کے گرد چکر لگانا کسی صورت میں جائز نہیں، طواف تو صرف کعبۃ اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے، اس کے علاوہ دنیا کے کسی بھی مقام پر کسی چیز کا طواف نہیں کیا جا سکتا، چاہے وہ چیز اور جگہ کتنی ہی مقدس اور عظیم کیوں نہ ہو؟ ابن نجیم مصریؒ نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

"لوطاف حول مسجد سوى الكعبة يخشى عليه الكفر." (۱)

"جس نے کعبہ کے سوا اور مسجد کا طواف کیا، اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔"

---

(۱) البحر الرائق:

دعا کرنا عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ کا حق ہے، غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں، یا عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا شرک ہے، جو ناقابل معافی جرم ہے، کسی کو اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے، وہی جسے چاہتا ہے اولاد دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اولاد سے محروم رکھتا ہے، جیسا کہ سورہ شوریٰ آیت نمبر:۴۹-۵۰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا لڑکوں سے نوازتا ہے، یا پھر جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بناتا ہے، وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔" اللہ کے سوا کسی بڑے سے بڑے ولی و بزرگ اور نبی کو بھی یہ اختیار اور قدرت نہیں کہ وہ کسی بانجھ عورت کو اولاد سے نواز دے، لہٰذا اولاد مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگی جائے، اللہ کے سوا کسی مخلوق کو قادر یا داتا سمجھ کر اس کے آگے ہاتھ پھیلانا شرک ہے۔

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے، سماجت سے، ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

قبروں پر اجتماع اور شرک و بدعت

سوال: ہمارے ملک میں رات دن اولیاء اللہ کے مزارات پر شرک و بدعت کا بازار گرم رہتا ہے، علماء اس بارے میں کیوں خاموش ہیں؟ کیا یہ غضب الٰہی کو دعوت دینا نہیں ہے؟

جواب: ہمارے ملکوں میں قبروں کا یہ شرک باقاعدگی سے اور پورے اہتمام سے ہوتا ہے، لوگ مردوں سے مرادیں مانگتے ہیں اور انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں، افسوس ہے کہ یہ شرک سرکاری سرپرستی میں ہوتا ہے، بعض سربراہِ مملکت، وزیر اعظم او رذمہ دار افسر تو باقدگی سے قبروں پر حاضری دیتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔

اقبال نے کیا خوب کہا تھا۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

قرآن نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ: ''اے پیغمبر! کہو کہ میں (تو) اپنے آپ کو (بھی) نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا (تمہیں کیا نفع و نقصان پہنچاؤں گا) اور اگر میں عالم الغیب ہوتا تو تمام خیر اپنے لیے جمع کر لیتا۔''(۱) ایک اور آیت میں فرمایا: ''وہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو یہ تو تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں۔''(۲)

رسولِ کریم ﷺ اپنی زندگی میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ یہ کہے کہ جو کچھ اللہ چاہے اور آپ چاہیں، پھر انتقال کے بعد کسی نبی یا ولی کو پکارنا اسلام میں کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ایک حدیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ جو کچھ اللہ چاہے اور آپ چاہیں، آپ ﷺ نے اس جملے پر ناگواری ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یوں مت کہو بلکہ یوں کہو جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے، پھر اس کے بعد جو کچھ میں چاہوں، کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا شریک بنانا چاہتے ہو؟(۳)

رسولِ کریم ﷺ نے اپنی قبر کے بارے میں ارشاد فرمایا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! میری قبلہ کو میلہ گاہ نہ بنانا، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ ایک دوسری حدیث میں اپنی امت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''میری قبر کو عید گاہ (میلہ گاہ) نہ بنانا۔(۴)

قبر پرستی شرکِ اکبر ہے، قبر پر چادر و پھول چڑھانا، قبر کو غسل دینا، قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر کرنا، سارے کے سارے کام ناجائز اور حرام ہے اور شرعاً سخت معیوب ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے:

''لا یجوز ما یفعله الجهال لقبور الاولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج حولها ومن اجتماع

---

(۱) الاعراف: آیت: ۱۸۸ (۲) اعراف: آیت: ۱۹۴ (۳) مسند امام احمد بن حنبل ۱/ ۲۱۴ الادب المفرد، حدیث نمبر ۷۸۲ (۴) نسائی عن عائشة باب اتخاذ القبور مساجد کتاب الجنائز

بعد الحول کالاعیاد و یسمونھا عرسا ." (۱)

شہداء اور اولیاء کی قبروں پر سجدہ، طواف، چراغاں اور سالانہ اجتماع (جس کو عرف عام میں عرس کہا جاتا ہے) وغیرہ اعمال بھی جہلاء کرتے ہیں وہ ہرگز جائز نہیں ہیں۔

زیارتِ قبور

سوال : ہمارا ایک دوست کہتا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنا شرک اور بدعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ نیز یہ کہ قرآن شریف، درود شریف یا فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب قبر والے کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟

(محمد بلال عبد اللطیف، بیشہ)

جواب : قبرستان جانا اور اہل مقبرہ کی مغفرت کیلئے دعا کرنا مسنون عمل ہے، قبرستان جانے کا حکم کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ایصالِ ثواب کا سب سے بہتر طریقہ دعائے مغفرت ہے، مالی نیکیوں کے ثواب کے بارے میں بھی دعا کی جاسکتی ہے۔

ہندوانہ رسم ورواج اور مسلم معاشرہ

سوال: پچھلے سال وطن گیا تو اتفاق سے بعض تقریبوں میں جانا ہوا، تو یہ عجیب چیز دیکھنے میں آئی کہ مکان کے افتتاح میں ناریل پھوڑا جاتا ہے اور ایک جگہ پانی کے جہاز کا افتتاح کرتے ہوئے ایک مولوی صاحب خود اپنے ہاتھ سے ناریل پھوڑ رہے تھے، یہ رسم تو ہندوؤں میں پائی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا اسلام میں جائز ہے؟ اور اسلامی نقطۂ نظر سے افتتاح کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ نیز ایسے موقع پر صدقہ خیرات کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(طاہر شہزاد جدہ، عبداللطیف کمپا، نجران)

سوال:۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں جب لوگ نیا گھر تعمیر کرتے

(۱) مظہری: ۲/۶۵۰

ہیں تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے ایک یا دو بکرے گھر کے دروازے کی دہلیز پر ذبح کیے جاتے ہیں، قرآن خوانی کی جاتی ہے، پورے گھر میں لوبان کی خوشبو پھیلائی جاتی ہے اور دعوتیں ہوتی ہیں اور اس کو "گھر بھرونی" کا نام دیا جاتا ہے! کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

(لیاقت سرنائیک، ریاض)

جواب: مکان، دکان یا کسی بھی چیز کی ابتداء اور افتتاح کے موقع پر تقریبات کے اہتمام کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں، تاہم کسی خوشی کے موقع پر دوست احباب کو مدعو کرنے میں شرعاً کوئی قباحت بھی نہیں، اس لیے اگر کوئی شخص مکان وغیرہ کی تعمیر کے بعد خوشی و مسرت کے اظہار میں دوست احباب کو کھانے کی دعوت دینا چاہے تو اس کو ناجائز تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن اب چوں کہ یہ ایک رسم بن گئی ہے، اس لیے اس سے احتیاط اور گریز ہی بہتر ہے، جیسے قرآن خوانی کا معاملہ ہے کہ فی نفسہٖ قرآن کا پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ باعثِ ثواب اور دینوی و اخروی سعادتوں کا ذریعہ ہے، لہٰذا قرآن پڑھنے کو کون ناجائز کہہ سکتا ہے؟ چنانچہ گھر کی تعمیر کے بعد سب سے پہلے اگر کوئی شخص اس گھر میں حصولِ برکت کی نیت سے قرآن پڑھنا چاہے تو یقیناً اس کے لیے یہ جائز ہے، لیکن اب قرآن خوانی ایک رسم بن چکی ہے کہ لوگ صرف خاص خاص موقعوں پر قرآن پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کو قولاً نہ سہی، عملاً ضروری سمجھتے ہیں، جیسے کسی کے مرنے کے بعد چند مخصوص ایام میں قرآن خوانی کا اہتمام، گھر وغیرہ کی تعمیر کے بعد قرآن خوانی کا اہتمام، اسی طرح بعض اور موقعوں پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ان اہتمامات نے معاشرے میں اس کو "دینی عمل" کا درجہ دے دیا ہے کہ لوگ اس کو زیادہ نہیں تو مستحب ضرور سمجھتے ہیں اور ایسا استحباب کہ اگر کوئی اس تقریب میں شرکت نہ کرے یا کوئی ایسے مواقع پر اس کا اہتمام نہ کرے تو معاشرے میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ہر وہ "دینی کام" جس کا ثبوت رسول کریم ﷺ سے نہ ہو یا صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے اس کام کو اس نوعیت سے نہ کیا ہو، وہ

"بدعت" ہے، جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ مردود (قابلِ ردّ) ہے۔" (۱) لہٰذا قرآن خوانی بدعت ہے، چاہے اس کا اہتمام کسی کے مرنے کے بعد ایصالِ ثواب کی نیت سے کیا گیا ہو یا گھر اور دکان وغیرہ کی افتتاحی تقاریب میں حصولِ برکت کی غرض سے ہو یا اجرت دے کر دکان وغیرہ میں روزانہ قرآن پڑھنے کے لیے کسی حافظ و قاری کو متعین کرنے کی شکل میں ہو۔

پھر افتتاحی تقریب میں ناریل پھوڑنا یا گھر کی دہلیز پر جانور ذبح کرنا تو خالص ہندوانہ رسمیں ہیں، جو کسی بھی طرح جائز نہیں، بلکہ ہم اس ناریل اور اس جانور کے گوشت کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں، یا کم از کم اس کی حلت میں شبہ ضرور ہے، اس خاص پس منظر اور "ہندوانہ عقائد" کی بناء پر جس کی وجہ سے یہ عمل انجام دیا جاتا ہے۔ قرآن نے آخر غیر اللہ کے نام سے موسوم اور "آستانوں" پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کو کیوں حرام کیا ہے؟ اگرچہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا گیا ہو۔ پھر گھر کی تعمیر کے بعد جانور تو اللہ کے نام پر صدقہ و خیرات کرنے یا دعوت میں دوست احباب، اعزہ و اقارب کو کھلانے کے لیے گھر کے باہر صحن وغیرہ میں کہیں بھی ذبح کیا جا سکتا ہے، لیکن گھر میں یا گھر کی دہلیز پر جانور ذبح کرنے اور اس کا "مقدس خون" بہانے کے کیا معنی؟ کیا یہ ہندوؤں کی تقلید، ان کے افکار و خیالات اور عقائد سے تاثر کا نتیجہ نہیں؟

بہرحال گھر دکان وغیرہ کے افتتاح کے موقع پر تقریبات کے اہتمام سے گریز اور احتیاط ہی بہتر ہے اور اگر کوئی افتتاحی تقریب کا اہتمام کرنا ہی چاہے تو ضروری ہے کہ اس میں اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، گھر میں یا دہلیز پر جانور ذبح کرنے کو ضروری نہ سمجھا جائے ورنہ ایسا کیا جائے نیز گوئی اور غیر شرعی و ناجائز عمل کا ارتکاب نہ ہو، قرآن خوانی کا اہتمام بھی نہ ہو، اگر حصول برکت کیلئے قرآن پڑھنا چاہے تو خود یا اس کے گھر والے پڑھیں اور روزانہ پڑھتے رہیں، قرآن صرف اس لیے

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۶۹۷، مسلم حدیث نمبر: ۱۷۱۸

نازل نہیں ہوا کہ اسے خاص خاص موقعوں پر پڑھا جائے اور پھر اسے طاق کی زینت بنا دی جائے، بلکہ قرآن کا حق یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ روزانہ اس کی تلاوت کی جائے، اسے سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ اگر ان چیزوں کی رعایت کی جائے تو ایسی تقریب کے جواز کی گنجائش ہے، ورنہ یہ ناجائز اور گناہ کا باعث بن جائے گی۔

سوئم، چہلم اور برسی وغیرہ کا حکم

سوال: کیا کسی کے مرنے کے بعد جو ہمارے ملک میں تیجہ، سوئم، قل یا چوتھی کی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، قرآن و سنت سے ثابت ہے؟ ان رسوم کے جواز میں کچھ لوگ سورہ النساء کی آیت نمبر: ۸ کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، جس کا ترجمہ ایک مشہور مترجم قرآن نے یہ کیا ہے کہ: "پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔" پھر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ایک شارح نے جو عبارت تحریر کی ہے، وہ یہ ہے: "اس میں عذرِ جمیل، وعدہ حسنہ اور دعاءِ خیر سب داخل ہیں۔ اس آیت میں میت کے ترکہ سے غیر وارث رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو کچھ بطورِ صدقہ دینے اور قولِ معروف کہنے کا حکم دیا۔ زمانۂ صحابہؓ میں اس پر عمل تھا۔ محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے تقسیم میراث کے وقت ایک بکری ذبح کر کے کھانا پکایا اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کو کھلایا اور یہ آیت پڑھی۔ ابن سیرینؒ نے اسی مضمون کی عبیدہ سلمانی سے بھی روایت کی ہے، اس میں یہ بھی کہا ہے کہ اگر یہ آیت نہ آئی ہوتی تو یہ صدقہ میں اپنے مال سے کرتا۔ تیجہ جس کو سوئم کہتے ہیں اور مسلمانوں میں معمول ہے، وہ بھی اسی آیت کی اتباع ہے کہ اس میں رشتہ داروں، یتیموں و مسکینوں پر تصدق ہوتا ہے اور کلمہ کا ختم اور قرآن پاک کی تلاوت اور دعاء قولِ معروف ہے۔ اس میں بعض لوگوں کا بیجا اصرار ہو گیا ہے، جو بزرگوں کے اس عمل کا ماخذ

تو تلاش نہ کر سکے باوجودیکہ اتنا صاف قرآن پاک میں موجود تھا، لیکن انہوں نے اپنی رائے کو دین میں دخل دیا اور عملِ خیر کو روکنے پر ہو گئے، اللہ ہدایت کرے۔"

آیتِ بالا کی تفسیر میں جو کچھ بھی شارح نے لکھا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟ امید ہے کہ آپ اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں گے۔

(محمد حنیف قریشی، جدہ)

جواب: عموماً اکثر و بیشتر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ جو لوگ مر جائیں ان کے لیے ان کے اقرباء، رشتہ دار، دوست احباب اور دوسرے لوگ کس طرح ایصالِ ثواب کریں؟ اور قرآن و سنت اس بارے میں ہماری کس طرح رہنمائی کرتا ہے؟ اس سلسلے میں یہ مفصل جواب دیا جا رہا ہے، امید ہے کہ اس ضمن میں اس سے متعلق تمام سوالوں کا جواب آ جائے گا اور اس سلسلے میں پائے جانے والے شبہات کا ازالہ بھی ہو سکے گا۔

آپ نے اپنے سوال میں ایک مفسر قرآن اور مترجم و شارح کے اقوال لکھے ہیں، جن کے یہاں مرنے والے کے ایصالِ ثواب کے لیے تیجہ (سوئم) دہم، چہلم وغیرہ ثابت و جائز ہیں اور پھر اس بارے میں قرآن و سنت کی صحیح رائے معلوم کی ہے۔

بطورِ تمہید سب سے پہلے آپ یہ بات سمجھ لیں کہ مسلمان اور مؤمن ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے دلیل قرآن اور سنت ہے، رسولِ کریم ﷺ کا اسوہ ہمارے لیے نمونہ ہے اور ہمیں یہ حکم خود قرآن نے دیا ہے۔ (۱) رسولِ کریم ﷺ نے قرآن اور اپنی سنت کے بارے میں ارشاد فرمایا: میں تمہارے لیے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم نے ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو سکتے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔" (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر ان کی زندگی ہی میں دین مکمل کر دیا اور شریعت کے تمام احکامات نازل کر کے فرمایا: آج کے دن ہم

---

(۱) احزاب: ۲۱ (۲) الجامع الصغیر مع فیض القدیر: ۳/۲۴۰

نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔(۱)

دین ایسا مکمل ہے کہ نہ تو اس سے کوئی بات باہر نکالی جا سکتی ہے اور نہ ہی باہر کی کوئی چیز اس میں شامل کی جا سکتی ہے، چوں کہ دین مکمل ہو گیا ہے، لہٰذا اس میں کوئی بھی شخص اپنی مرضی سے کوئی نئی بات شامل نہیں کر سکتا، اگر کوئی شخص یہ کام کرے گا تو اس کام کو بدعت کہا جائے گا اور بدعت دین میں مردود ہے، بدعت دین میں نئے کام کو کہتے ہیں، اگر دین مکمل نہ ہوتا اور اسے یونہی لوگوں کی مرضی اور خواہشات پر چھوڑ دیا جاتا تو دین کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا اور بجائے اصلاح کے بگاڑ و فساد پھیلتا، قرآن میں ایمان والوں سے صاف کہہ دیا گیا ہے کہ: "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو،" (۲) ایک متفق علیہ حدیث میں رسول ہدیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نیا کام شروع کیا تو ایسا کام مردود ہے۔" یعنی ناقابلِ قبول ہے، اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: "جس کسی نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہ ہو (ہم سے ثابت نہ ہو) تو یہ کام مردود ہے،" (۳) بعض احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو بدعت کی مذمت فرمایا کرتے تھے: "اور برے کاموں میں سے ایک برا کام دین میں نئے کام ہیں اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔ (۴)

دین کا کوئی بھی کام یا کوئی ایسا کام جو اجر و ثواب کی نیت و غرض سے کیا جاتا ہے، اس کے لیے دلیل اور ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، یہ دلیل اور ثبوت قرآن یا سنت سے ہونا چاہیے یا خلفائے راشدین و صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہو اور یا پھر تابعین کے زمانے میں اس کا ثبوت ملتا ہو۔ قرآن اور سنت سے ثبوت کے بارے میں ہم نے

---

(۱) سورۃ المائدۃ: ۳ (۲) حجرات. ۱ (۳) بخاری، باب إذا اصطلحوا عن صلح الخ، کتاب الصلح، رقم الحدیث ۲۶۹۷، مسلم باب نقض الاحکام الباطلۃ، کتاب الاقضیۃ، رقم الحدیث: ۱۷۱۸، ابوداؤد کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، رقم الحدیث ۴۶۰۶

(۴) مسلم، باب تخفیف الصلوٰۃ و الخطبۃ، کتاب الجمعۃ، رقم الحدیث ۸۶۷، ابن ماجہ، باب اجتناب البدع رقم ۴۵

بعض قرآنی آیات اور بعض احادیث کا ذکر کیا ہے، خلفاءِ راشدین کے بارے میں بھی سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: ”بیشک بات یہ ہے کہ تم میں سے جو میرے بعد آئے گا وہ (بعد والے زمانوں میں) بہت سارے اختلافات دیکھے گا، پس تمہیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت مضبوطی سے تھامے رہو اور خبردار (دین میں) نئے کاموں (یعنی بدعتوں) سے بچنا، کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“(۱)

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی معیارِ حق تھے اور ہیں، انہی کے بارے میں خود سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابہ میری امت کے لیے (جائے) امان ہیں، جب میرے صحابہ ختم ہو جائیں گے تو میری امت پر وہ چیز آجائے گی جس کا وعدہ کیا گیا تھا (یعنی فتنے شروع ہو جائیں گے)(۲) اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین دونوں کے زمانوں کے بارے میں ارشادِ رسولِ کریم ﷺ ہے: ”سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں۔“(۳) چنانچہ امتِ مسلمہ کے تمام علماء و فقہاء اور محدثین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ہر وہ دینی کام جو قرآن و سنت سے، خلفاءِ راشدین و صحابہؓ سے اور تابعین سے ثابت نہ ہو، اسے دین میں اضافہ کہا جائے گا، جسے بدعت کہتے ہیں اور جو سراسر گمراہی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ خود رسولِ کریم ﷺ کی زندگی میں کتنی ازواجِ مطہرات کا انتقال ہوا، آپ ﷺ کے نواسے نواسیوں کا انتقال ہوا، کتنے صحابہ کرام کا انتقال ہوا، کیا رسولِ کریم ﷺ نے کسی کے لیے قرآن پڑھ کر اس کا ثواب بخشا؟ کیا کسی کے لیے سوئم، دہم، گیارہواں، چہلم ہوا؟ کیا کسی کی برسی ہوئی؟ پھر رسولِ کریم ﷺ کا انتقال ہوا، اس کے بعد خلفاءِ راشدین یکے بعد دیگرے انتقال کرتے رہے، صحابہ کرام کا انتقال ہوتا رہا، کیا کسی حدیث سے (خواہ ضعیف و جھوٹی حدیث ہی کیوں نہ

---

(۱) ترمذی، عن عرباض بن ساریہ باب الاخذ بالسنہ کتاب العلم

(۲) مسلم عن ابی بردۃ، باب بیان أن بقاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم امان لأصحابہ الخ، کتاب الفضائل (۳) ابو داؤد عن عمران بن حصین، باب فی فضل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہو) یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں ان چیزوں کا ایصالِ ثواب تھا؟ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور آتا ہے، ہمیں اس مبارک دور میں بھی کوئی ایک مثال ایسی نہیں ملتی جس سے مردوں کیلئے ایصالِ ثواب کے طور پر قرآن خوانی یا سوئم، دہم اور چہلم کا ثبوت موجود ہو، اگر کسی شخص کے پاس کوئی دلیل یا ثبوت موجود ہو تو وہ پیش کر سکتا ہے، آپ ذخیرۂ احادیث کھنگال ڈالیے، آپ کو ایک صحیح حدیث بھی اس بارے میں نہیں ملے گی۔

ظاہر ہے کہ جو عمل ان تین مبارک زمانوں میں کسی ایک فردِ امت نے بھی نہ کیا ہو اسے جائز کیسے کہا جا سکتا ہے، اسے تو بدعت ہی کا نام دیا جائے گا۔ جو علماء قرآن پاک کے ذریعہ ایصالِ ثواب یا ایصالِ ثواب کے بعض دوسرے طریقوں کے جواز کے قائل ہیں ان کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ نیکی کے کسی کام کو مخصوص نام، مخصوص ہیئت و شکل، مخصوص وقت، مخصوص سال، مخصوص ماہ، مخصوص دن اور خاص اہتمام سے نہ کیا جائے، سوائے اس عمل کے جس کی خصوصیت قرآن و سنت سے ثابت ہے، ورنہ یہ عمل بھی بدعت سمجھا جائے گا، کیوں کہ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جمعہ کے دن کو (پورے ہفتہ کے دوسرے دنوں کی نسبت نفلی) روزے کیلئے خاص نہ کرو اور جمعہ کی رات کو (دوسری راتوں کے مقابلے میں) عبادت کے لیے خاص نہ کرو۔'' (۱)

جب جمعہ کا دن نفلی روزے کے لیے خاص کرنا اور شبِ جمعہ مخصوص عبادت کے لیے خاص کرنا جائز نہیں ہے تو پھر کسی نیکی والے کام کو مخصوص دن، مخصوص وقت، مخصوص مہینہ اور مخصوص نام و اہتمام سے کرنا کیسے جائز ہے؟

جو لوگ انتقال کر جاتے ہیں وہ عالمِ دنیا سے عالمِ برزخ میں چلے جاتے ہیں، ان کا عالم ہماری دنیا کے عالم سے بالکل مختلف ہے اور ان کی دنیا کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ یہ مغیبات میں سے ہے، یعنی بن دیکھی چیزوں میں سے ہے۔ آج ہم لوگ ہر قسم کا عمل کر سکتے ہیں، اچھا عمل اور برا عمل دونوں کے کرنے پر ہم سب قادر ہیں، آج ہمارا محاسبہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، لیکن مرنے کے بعد ہمارا احساب

---

(۱) مسلم عن ابی ھریرۃ، باب کراھیۃ افراد یوم الجمعۃ بصوم لایوافق عادتہ، کتاب الصیام

ہو گا اور وہاں عمل نہیں ہو سکتا، اسی لیے سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم جب مر جاتا ہے تو (اس کے تمام دنیاوی رشتے ختم ہو جاتے ہیں) اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: صدقۂ جاریہ، علم جس کا فائدہ لوگوں کو پہنچ رہا ہو، اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔(۱)

قرآن اس بارے میں مرنے والوں کے لیے دعائے مغفرت کی تلقین کرتا ہے، جیسا کہ سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۰ میں ایک دعا موجود ہے، احادیث میں مرنے والے کے لیے جن فائدہ مند چیزوں کا ذکر ہے، ان میں تین اہم اشیاء ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، صدقۂ جاریہ، علم اور اولاد صالح۔(۲) صدقۂ جاریہ میں ہر وہ نیکی کا کام اور ہر وہ نیکی شامل ہے جو مرنے والے نے اپنی زندگی میں کی ہو اور یہ جاری و ساری ہو۔ جس طرح ہمیشہ رہنے والی نیکی کی وجہ سے اس شخص کو مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے، بالکل اسی طرح اگر کسی نے کوئی برائی ایجاد کی یا کوئی گناہ کا کام کیا، جو اس کے مرنے کے بعد بھی ہوتا رہا تو اس مرنے والے کو اس گناہ کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا! اس لیے علماء نے ارشاد فرمایا کہ خوش نصیب ہے وہ شخص جو خود تو مر جائے لیکن اس کی اگائی ہوئی نیکی زندہ رہے اور پھلتی پھولتی رہے اور بد نصیب ہے وہ آدمی جو خود تو مر جائے لیکن اس کا گناہ باقی رہے اور لوگ اس گناہ پر عمل کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد فائدہ دینے والی دوسری اہم چیز علم ہے۔ علم نافع یعنی دینی و شرعی علم۔ اس علم کے پھیلنے پھیلانے پر بھی اس شخص کے مرنے کے بعد ثواب ملتا رہے گا۔ تیسری چیز صالح اولاد کی دعا ہے جو والدین کے حق میں کی جاتی ہے، یہ بھی مرنے والے کے لیے بہترین اور صحیح ایصال ثواب ہے۔

علماء لکھتا ہے کہ والدین کے لیے سب سے بہتر ایصال ثواب دعائے مغفرت ہے۔ اس لیے انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے۔

---

(۱) الجامع الصغیر مع فیض القدیر ۱/۴۳۸؛ ترمذی کتاب الاحکام، مسند احمد ۲/۳۱۶
(۲) مسند احمد ۲/۳۱۶

ایک حدیث میں ارشادِ مبارک ہے: ''جنت میں ایک آدمی کے درجات بلند ہوتے ہیں، یہ شخص پوچھتا ہے کہ یہ درجات کیسے بلند ہورہے ہیں؟ تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد کی دعاؤں کی وجہ سے تمہارے درجات بلند ہورہے ہیں۔''(۱) اسی طرح کئی احادیثِ صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ مرنے والے کے لیے حج کیا جائے، عمرہ کیا جائے، اس کی طرف سے قربانی کی جائے، نیکی کا کوئی بھی کام کیا جائے، اس طرح سے اجر وثواب مرنے والے کو ملتا رہے گا۔ ایک صحابی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ تو رسولِ کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: پانی پلانا سب سے اچھا صدقہ ہے، چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے نام سے پانی کی ایک سبیل بنائی۔(۲)

یہ جائز ایصالِ ثواب کی چند قسمیں تھیں، جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں ایصالِ ثواب کی یہی قسمیں موجود رہی ہیں کہ یہ لوگ اپنے مرنے والے بھائیوں اور بہنوں کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے تھے، ان کی طرف سے حج کرتے تھے اور ان کے لیے دوسری مالی عبادات کرتے تھے، جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے، کہ قرآن خوانی اور تیجہ وغیرہ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ کسی ایک صحیح حدیث سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اپنے مرنے والے کسی بھائی بہن کے لیے قرآن خوانی کی ہو، اگرچہ بعض علماء نے دوسری عبادات پر قیاس کر کے یہ فرمایا ہے کہ جس طرح سے دوسری نیکیوں کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا ہے اور فائدہ پہنچاتا ہے، امید ہے کہ اسی طرح قرآن پڑھ کر اس کے ایصالِ ثواب کا معاملہ بھی فائدہ مند ہوگا (بشرطیکہ یہ قرآن خوانی موجودہ مروّجہ قرآن خوانی کی طرح نہ ہو، جو کہ بدعت ہے) یہ علماء کی ایک جماعت کی رائے اور فتویٰ ہے، جب کہ جمہور علماء نے قرآن پڑھ کر اس کے ثواب

---

(۱) مؤطا امام مالك باب فضاء القرآن حديث :٣٨

(۲) ابن ماجه عن سعد بن عبادة ، باب فضل صدقة الماء

پہنچانے کے بارے میں یہی فتویٰ دیا ہے کہ یہ بات ثابت نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو تیجہ، دسواں اور چہلم وغیرہ ہوتا ہے، یہ صرف چند رسوم ہیں اور زیادہ تر ہندوؤں سے ہمارے ہاں آئی ہیں، کہ ہندوؤں کے ہاں بھی تیجہ، دسواں وغیرہ موجود رہا ہے اور ان کے نزدیک ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعیین ہے، چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونیؒ (المتوفی ۴۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ اہل ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں: ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا، اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت حاصل ہے، اسی طرح اختتامِ سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے، ورنہ میت کی روح ناراض ہوگی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے اردگرد پھرتی رہے گی، پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور ٹھنڈا پانی دیا جائے اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی، نیز لکھا ہے کہ ماہِ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علاحدہ ہوں۔''(۱)

اسی طرح مشہور نومسلم عالم مولانا عبید اللہ سندھیؒ (جو پہلے پنڈت تھے) لکھتے ہیں کہ: ''برہمن کے مرنے کے بعد گیارھواں دن اور چھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دن اور ویش یعنی بنئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں دن یا سولہواں دن اور شودر یعنی بالدہی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے، ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے، یعنی مرنے کے چھ مہینے، بعد ازآں برسی کا دن ہے اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں، ازاں جملہ ایک دن سدھ کا ہے، مردے کے مرجانے سے چار برس پیچھے، ازاں جملہ اسوج کے مہینے کے نصفِ اوّل میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا، اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے اور جب سرادھ کھانا تیار ہو جائے تو اوّل اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت اس کھانے پر وید پڑھتا ہے وہ

---

(۱) کتاب الھند

ان کی زبان میں اشٹر من کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔"(۱)

ایصالِ ثواب کی جائز و ناجائز قسموں کو سمجھنے کے بعد ہمیں یہ بات کبھی بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ جائز ایصالِ ثواب اگرچہ ثابت و جائز ہے، لیکن کوئی بھی شخص اسے حرفِ آخر نہ سمجھے اور اس پر ایسا یقین کامل نہ کرے کہ صرف ایصالِ ثواب ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے، یہ تو محض ایک اضافی عمل ہے، جو ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی طرف سے پیش کرتا ہے، اصل معاملہ تو ہر انسان کا اپنا عمل ہے، کسی بھی شخص کی نجات و مغفرت کا دارومدار اس کا اپنا عمل ہے، قرآن نے بار بار اس بات کو بیان کیا ہے کہ کل قیامت کے دن ہر شخص کو اسی کا بدلہ ملے گا جو خود اس نے کیا ہوگا، لہٰذا یہ بات قرآن و سنت سے طے شدہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اپنے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا اور کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے گا، نہ کسی کا عمل کسی دوسرے کو فائدہ دے گا اور نہ کسی کی سفارش اور درخواست کسی کے کام آئے گی۔ سورۂ نجم میں صاف صاف ارشادِ باری ہے کہ: "اور انسان کے لیے صرف وہی کچھ ہے جو خود اس نے کیا ہوگا۔"، "لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" (نجم:۳۹) یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک انسان زندگی بھر سرکشی اور بغاوت کرتا رہے اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے دس پچاس یا سو ختمِ قرآن کروا کر اس کی مغفرت کا یقین کر لیا جائے، ایسا عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف اور غلط ہے۔

اللہ نام کا برتن

سوال: میرے سسرال میں تقریباً بیس برس سے ایک عجیب و غریب رسم اس عقیدہ سے چلی آرہی ہے، کہ ایسا کرنے سے ان کی ساری مصیبتیں دور ہو جائیں گی، ہوتا یہ ہے کہ بقرعید کے دن گھر کی خوب صفائی کی جاتی ہے، عود کا دھواں دیا جاتا ہے اور پھر خالص گھی اور مختلف سوکھے میوہ جات ڈال کر میٹھی کھیر پکائی جاتی ہے اور اس پر فاتحہ دی

(۱) تحفۃ الهند: ۹۱/

جاتی ہے، اسے تبرک کہا جاتا ہے، سارے محلے والوں کو گھر بلا کر کھلایا جاتا ہے، باوجود عید کے جب تک یہ کھیر گھر میں رہے گوشت نہیں کھایا جاتا، حتی کہ قربانی کا گوشت بھی دوسرے گھروں سے آئے تو اسے بھی گھر میں نہیں لایا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ اس سے چھوت ہو جاتی ہے، اس کھیر کو گھر سے باہر بھی لے جایا جاتا ہے، جو بھی اسے کھاتا ہے کھانے کے بعد عوددان کا بوسہ لیتا ہے، نیاز کے کچھ پیسے دو چار روپے ڈالتا ہے، کچھ منت مانی ہو تو مانی جاتی ہے، اس "تبرک" کے ختم ہونے کے بعد گھر کو دھو کر اس عوددان اور پیسوں کو بحفاظت اگلے برس کے لیے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور ان روپوں کو خرچ نہیں کرتے، اس کھیر کی تھالی کو "اللہ نام کا باسن" کہتے ہیں؛ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ شرعاً اس کا حکم کیا ہے؟

(فیاض احمد، جدہ)

جواب: یہ محض ایک رسم ہے اور چوں کہ ثواب کی نیت سے اور دینی کام سمجھ کر کیا جاتا ہے، لہٰذا اسے بدعت کہا جائے گا، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے، آپ اپنے سسرال والوں کو اس بدعت سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔

گیارہویں جائز نہیں

سوال: ایک سال پہلے میرے بھائی نے مجھے کچھ رقم دی اور کہا کہ یہ گیارہویں والوں کے نام دینی ہے، مگر میں نے وہ رقم خرچ کر دی اور بھائی کو سمجھایا کہ اگر تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو تو رقم حاضر ہے، ورنہ میں غوث الاعظم کے نام کی گیارہویں نہیں دوں گا، اب مجھے میری والدہ اور دیگر احباب بھی کہتے ہیں کہ گیارہویں والوں نے گیارہ برس کی ڈوبی ہوئی کشتی کو کنارے لگا دیا تھا، تم ان کے پیسے نہیں کھا سکتے؛ براہ کرم مجھے بتائیں کہ کیا مجھے گیارہویں دینی چاہیے یا نہیں؟

(غضنفر علی، جدہ)

جواب: چاند والے ہر مہینے کی گیارہویں تاریخ کو شیخ عبد القادر جیلانی کے نام پر جو کھانا بنایا جاتا ہے، یہی چیز گیارہویں کے نام سے مشہور ہے، یہ رسم حرام اور باطل ہے، جتنی بھی عبادتیں ہیں وہ سب کی سب اللہ کے لیے ہیں، بندہ ہر نماز میں یہ اقرار کرتا ہے کہ قولی، بدنی اور مالی عبادتیں صرف اور صرف اللہ کے لیے ہیں، التحیات للہ و الصلوات و الطیبات کے یہی معنی ہیں، نذر و نیاز مالی عبادت ہے اور عبادت چوں کہ غیر اللہ کی صحیح نہیں، اس لیے گیارہویں کی نیاز شیخ جیلانی کے لیے بوجہ مالی عبادت ہونے کے ناجائز ہے، فقہ حنفی کی ایک مشہور کتاب شامی میں ہے:

" و اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من أکثر العوام و مایؤخذ من الدراھم و الشمع و الزیت و نحوھا إلی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا إلیھم فھو بالاجماع باطل و حرام ." (۱)

" جاننا چاہیے کہ بہت سے لوگ جو مردوں کی نذر و نیاز دیتے ہیں نقدی سے یا اور چیز سے، یہ بالاتفاق باطل اور حرام ہے۔"

نذر لغیر اللہ حرام کیوں ہے؟ اس کی وجہیں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

" منھا انہ نذر لمخلوق و النذر للمخلوق لایجوز ، لأنہ عبادۃ و العبادۃ لایکون للمخلوق ، و منھا ان المنذور لہ میت و لا یملک ، و منھا انہ ظن ان المیت یتصرف في الأمور دون اللہ تعالی و اعتقادہ ذلك کفر ." (۲)

" غیر اللہ کی نذر و نیاز کے حرام ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ نذر و نیاز مخلوق کے لیے ہے اور مخلوق کے لیے نذر و نیاز جائز نہیں، اس لیے کہ نذر و نیاز عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوسکتی، دوسری وجہ حرام ہونے کی یہ ہے کہ جس کے لیے نذر و نیاز کی گئی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر و نیاز دینے والا یہ گمان کرتا ہے کہ میت متصرف الامور ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ، ایسا عقیدہ صاف کفر ہے۔"

---

(۱) رد المحتار: ۱/۱۵۵ قبیل باب الاعتکاف (۲) رد المحتار: ۳/۴۲۷ قبیل باب الاعتکاف

کھانے پر فاتحہ

سوال: کیا شیریں کھانوں پر سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتیں پڑھنے سے ان کھانوں میں برکت ہوتی ہے یا یہ کہ یہ عمل بدعت ہے؟

(لیاقت سرنائیک، ریاض)

جواب: کھانے پر مروجہ فاتحہ کا عمل بدعت ہے، قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ عہدِ صحابہ وتابعین اور سلفِ صالحین میں اس کا رواج تھا، کھانے کے سلسلہ میں شریعت نے یہ اصول متعین کر دیا ہے کہ اگر خوردنی چیزیں ذبیحے ہوں تو ذبح کے وقت ان پر "بِسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہا جائے اور عام قسم کے کھانے ہوں تو سنت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے، "بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ" اور کھانے کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" پڑھ لیا جائے، کھانے کا یہ ادب فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔(۱)

اب ذرا غور کیا جائے کہ فی زمانہ مروجہ فاتحہ کا طریقہ کہیں مذکور ہے، یا اس کی کوئی اصلیت بھی ہے؟ اگر ایصالِ ثواب کا کھانا ہے تو بھی اس پر فاتحہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ صدقہ ہوگا اور صدقات کی جتنی صورتیں ہیں، ان کے لیے کہیں بھی یہ شرط مذکور نہیں کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ مخصوص آیات پر فاتحہ دیا جائے تب ہی زکوٰۃ وصدقہ قبول ہوگا ورنہ نہیں، اگر یہ طریقہ مستحسن ہوتا تو سلفِ صالحین اس کو ضرور کرتے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر کھانے پر فاتحہ پڑھ لیا تو کیا حرج ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہے۔

لہٰذا یہ باعثِ برکت نہیں، بلکہ باعثِ حسرت وندامت ہے، دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جس کا انجام جہنم ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو آداب زندگی ۳۹ ، مولانا محمد یوسف اصلاحی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر انگوٹھا چومنا

سوال: ہمارے یہاں بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک سن کر دونوں انگوٹھے چومتے ہیں پھر انہیں آنکھوں سے لگاتے ہیں؛ ان کا یہ فعل کہاں تک درست ہے؟

(عبداللہ، بریدہ)

جواب: رسول کریمؐ کا نام مبارک جب بھی آئے تو درود شریف پڑھنا چاہیے، صرف "ﷺ" بھی کہا جا سکتا ہے، انگوٹھے چومنا اور پھر آنکھوں سے لگانا درست نہیں، اس لیے کہ یہ عمل نہ صحابہؓ کرام سے ثابت ہے اور نہ تابعین و سلفِ صالحین سے۔

اس سلسلہ میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا جو معمول نقل کیا جاتا ہے، وہ بالکل موضوع، من گھڑت اور بے اصل ہے، علامہ طاہر پٹنیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔(۱) اور زرقانیؒ کا بیان ہے:

" مسح العينين بباطن اعلى السبابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن أشهد أن محمدا رسول الله لايصح . "

"شہادت کی انگلیوں کے بالائی حصہ کا بوسہ لے کر مؤذن کے أشهد أن محمدا رسول الله کہتے وقت آنکھوں پر پھیرنا درست نہیں ہے۔"(۲)

یہی رائے سخاوی، ابن ربیع، غرس الدین خلیلی جیسے بلند پایہ ناقدین کی ہے۔(۳)

اس حدیث کے ضعف کے لیے یہی بات کافی ہے کہ اذان اور اس میں کلمۂ شہادت ایک ایسی چیز ہے جو بار بار سامنے آتی ہے اور پوری امت اس سے وابستہ ہے، اس کے باوجود صحابہؓ کی اتنی کثیر تعداد میں یہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ بھی ایسے راویوں کے ذریعہ جو اپنی ناعتباری میں اس درجہ آگے ہیں کہ محدثین ان کی روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) تذکرة الموضوعات: ۳٤ (۲) مختصر المقاصد الحسنة: ۳۸۲

(۳) ملاحظہ ہو: سخاویؒ کی المقاصد الحسنة: ر ۳۸۲، ابن ربیع کی تمیز الطیب: ۱۵۰۰ اور غرس الدین کی کشف الالتباس: ۱ / ۳۰٦

جشن میلاد النبی

سوال: ہمارے خاندان میں ربیع الاوّل کے مہینے میں ۱۰، ۱۱/اور ۱۲/ تاریخ کو کھانا پکا کر بچوں اور بڑوں کو کھلایا جاتا ہے، میں گھر کے بزرگوں سے پوچھتا ہوں تو کہتے ہیں کہ یہ پشتوں سے چلا آرہا ہے، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

(اکبرزادہ عامر، ریاض)

جواب: کسی بھی خوشی و مسرت پر دعوت کرنا یا بغیر کسی مناسبت کے غریبوں کو کھانا کھلانا یقیناً جائز اور مستحسن عمل ہے، لیکن یہی عمل اگر رسم و رواج کی شکل اختیار کر لے اور دین کا جزء سمجھا جانے لگے تو ناجائز اور بدعت تصور کیا جائے گا، چاہے وہ کام بظاہر کتنا اچھا کیوں نہ ہو، چوں کہ ربیع الاوّل کا مہینہ نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا مہینہ ہے، اس لیے اس مہینے میں لوگ عبادت اور دین کا کام سمجھ کر مختلف رسوم انجام دیتے ہیں، جن کا حقیقت یہ ہے کہ دین سے کوئی تعلق نہیں، نہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم فرمایا اور نہ آپ کے بعد آپ کے محبوب و جاں نثار صحابہ کرام نے آپ کی ولادت کے مناسبت سے کوئی جشن منایا، بلکہ ۶۰۴ھ میں محفلِ میلاد کا آغاز سب سے پہلے سلطان ابو سعید مظفر اور ابو الخطاب بن دحیہ نے کیا، جن کے بارے میں مؤرخین نے فاسق و کذاب کے الفاظ لکھے ہیں۔ لہٰذا اس مناسبت سے انجام دیئے جانے والے امور دین میں اضافہ اور بدعت ہیں، جن سے بچنا نہایت ضروری ہے، اگر کسی کام کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہ ہو تو صرف آباء و اجداد سے یا خاندان میں پشتوں سے کسی رسم کا چلا آنا اس کے جائز ہونے کے لیے کافی نہیں، یہ شیطانی دھوکہ ہے، جس میں مشرکین مکہ بھی مبتلا تھے اور اپنی بت پرستی کے جواز اور حق ہونے کی یہی دلیل دیتے تھے کہ ہمارے آباء و اجداد اسی دین پر قائم تھے، قرآن نے جگہ جگہ اس طرزِ فکر کی تردید کی ہے۔

آخر میں ہم مجدد الف ثانیؒ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں، جو انہوں نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا ہے:

”بنظر انصاف بینند کہ اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں زماں در دنیا“

زندہ می بودند، واین مجلس واجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند، و ایں اجتماع را پسندیدہ یا نہ، یقینِ فقیر آنست کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودند، مقصودِ فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند، ہیچ مضائقہ نیست و گنجائش مشاجرہ نہ۔"(۱)

"انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں (ﷺ) اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ اجتماع منعقد ہوتا، آیا آپ (ﷺ) اس پر راضی ہوتے اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں؟ فقیر کا یقین ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے، فقیر کا مقصود صرف امر حق کا اظہار ہے، قبول کریں یا نہ کریں، کوئی پرواہ نہیں اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش ہے۔"

پیر صاحب کا پاؤں چھونا

سوال: والدین یا خاندان کے بزرگوں کے پیر جھک کر چھونے یعنی احتراماً انہیں ہندو قوم کی طرح سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ ہندوستان کے بعض حصوں میں اس کا رواج ہے کہ عید، شادی بیاہ یا کسی اہم تقریبات کے موقع پر مسلمان اپنے والدین اور بزرگوں کے پیر کو احتراماً چھوتے ہیں، اگر ویسا نہ کیا جائے تو بڑوں کی نظر میں بداخلاقی سمجھی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(ایم کے زماں، دمام)

جواب: بعض علماء کے نزدیک والدین اور استاد و مربی کے ہاتھ چومنا جائز ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:

"إن قبل يد عالم أو سلطان عادل لعلمه و عدله لابأس به."(۲)

اگر کسی عالم کا اس کے علم اور کسی عادل بادشاہ کا اس کے عدل وانصاف کی وجہ سے کوئی شخص ہاتھ چومے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان کی دلیل وہ صحیح احادیث ہیں جن میں بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے

---

(۱) مکتوب: ۲۷۳، دفتر اوّل (۲) هندية: ۳۶۹/۹

کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ چومے، لیکن اگر کسی جگہ اس عقیدت سے عقیدہ کے بگاڑ کا اندیشہ ہو یا غیر مسلموں کے رسم و رواج اور عادت سے مشابہ ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، پیر چھونا یا چومنا تو کسی بھی طرح جائز نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

" تقبيل الارض بين يدى العلماء و الزهاد فعل الجهال ، و الفاعل و الراضى آثمان . " (۱)

علماء اور زاہدوں کے سامنے زمین چومنا جاہلوں کا کام ہے، چومنے والے اور اس سے خوش ہونے والے دونوں گنہ گار ہوں گے۔

ایک اور جگہ لکھا ہے:

" الإنحناء للسلطان أو لغيره مكروه ، لأنه يشبه فعل المجوس . " (۲)

بادشاہ یا کسی اور کے لئے جھکنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مجوسیوں سے مشابہت ہے۔

میت کے ساتھ پھل وغیرہ لے جانا

سوال: ہمارے یہاں میت کے ساتھ کافی مقدار میں پھل، چاول، روٹی اور خشک میوہ جات لے جاتے ہیں اور جنازے کے ساتھ ان کو رکھا جاتا ہے، بعد میں وہ چیزیں غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں؛ کیا ایسا کرنے سے مرنے والے کی روح کو کچھ ثواب پہنچتا ہے؟

جواب: یہ ایک ناجائز رسم اور بدعت ہے، جو ثواب کے بجائے گناہ کا باعث ہے،

بدعت نام ہی ہے دین میں شریعت کے مشابہ خود ایجاد کردہ طریقہ کا، جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رضا جوئی میں مبالغہ مقصود ہے، امام شاطبیؒ کے الفاظ میں:

" عبارة عن طريقة فى الدين مخترعة تزاهى الشريعة يقصد بالسلوك عليها المبالغة فى التعبد لله سبحانه وتعالىٰ۔" (۳)

---

(۱) حوالۂ سابق (۲) حوالۂ سابق (۳) الاعتصام: ۱/ ۲۷

بدعت دین میں اختراع کردہ ایسے اعمال کا نام ہے جو شریعت کے مشابہ ہو اور اس کو انجام دے کر اللہ کی عبادت میں مبالغہ مقصود ہو۔

کیوں کہ یہ نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہؓ و تابعین اور تبع تابعین سے اور نہ ہی شریعت کے کسی اصول سے ثابت ہے اور نہ مقاصدِ شریعت سے میل کھاتی ہے، اس لیے اس طرح کی نئی چیزوں سے ہمیں پرہیز کرنا لازم و ضروری ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إياكم و محدثات الامور ، فإن شر الأمور محدثاتها ، و كل محدثة بدعة ، و كل بدعة ضلالة . " (۱)

نئی گھڑی جانے والی چیزوں سے بچو، کیونکہ نئی گھڑی جانے والی چیزیں سب سے بری ہیں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

درختوں سے نذر و نیاز

سوال: پاکستان میں جھنگ سلطان باہو کی قبر کے سامنے ایک بیری کا درخت ہے، لوگ اس درخت سے اپنے لیے اولاد مانگتے ہیں اور یہاں منتیں مانتے ہیں، علماء اور حکومت اس شرک کو کیوں نہیں روکتے؟

(غلام سرور، ریاض)

جواب: یقیناً یہ کھلا ہوا شرک ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب کو دعوت دینا ہے۔ کیونکہ کسی بھی چیز کا دینے والا صرف اللہ ہے، وہ نہ صرف یہ کہ خالق اور معبود ہے، بلکہ پالنہار بھی وہی ہے، رزاق بھی وہی ہے، مستعان بھی وہی اور نافع و ضار بھی وہی ہے، اولاد دینے والا بھی وہی اور حاجت روا بھی وہی اور مشکل کشا بھی وہی ہے، ان تمام اختیارات میں نہ ان کا کوئی شریک ہے اور نہ دخیل ہے، اس لیے ان کے علاوہ کسی اور کو اپنی حاجتوں، مصیبتوں اور نفع ونقصان کے وقت پکارنا، پوجنا، تعظیم کرنا یہ سب شرک ہے۔

کاش کہ ہمارے ملک کی دینی جماعتوں کے ذمہ دار لوگ علماء اور صحیح عقائد

---

(۱) ابن ماجه عن ابن مسعودؓ باب اجتناب البدع و الجدل كتاب المقدمة ،حديث نمبر:٤٥

دیا جائے، حکومت سے شرک کے خلاف کسی طرح کے کام کی امید رکھنا فضول اور عبث ہے، اس لیے شرک و بدعت کے تمام اڈے حکومت ہی کی سرپرستی میں چل رہے ہیں اور آپ آئے دن دیکھتے ہیں اور اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ ملک کے بڑے اور ذمہ دار لوگ قبروں پر چادریں وغیرہ چڑھاتے ہیں۔

گیارہویں اور بلائیں

سوال: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کونڈے، گیارہویں شریف اور دیگر رسوم ادا نہ کرنے سے گھر میں بلائیں اور مصیبتیں آتی ہیں؛ کیا یہ خیال درست ہے؟

(اشفاق خان، مکہ مکرمہ)

جواب: ہمارے مسلم معاشرہ میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں کی نیاز، حسینؓ کی نیاز، سیدنا عباسؓ کی حاضری کا کھانا، جعفر کے کونڈے اور ایسے ہی دوسرے صدہا بزرگوں کی نیازوں کے بارے میں عقیدہ ہے کہ ان نیازوں سے خوش ہو کر ہمارے یہ بزرگانِ دین بلائیں ٹال دیں گے اور بگڑی بنا دیں گے، اگر ایسا نہ کیا تو رنج و غم اور مصیبت آئے گی، یہ خیال اور عقیدہ غلط ہے، نذر و نیاز عبادت ہے، پس غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز غیر اللہ کی عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت بالکل حرام ہے، اس لیے غیر اللہ کیلئے نذر و نیاز بھی قطعاً حرام ہے۔ ماضی قریب کے مشہور عالم ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

"الاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا يشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت۔" (۱)

اللہ کے سوا اوروں کی نذر و نیاز کی حرمت پر امت کا اجماع ہے اور یہ نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہے، بلکہ ایسی نذر حرام اور بالکل حرام ہے۔"

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) ردّ المحتار: ۴۲۷/۳، ط: دیوبند

" أما لو نذر زيتا لايقاد قنديل فوق ضريح الشيخ أو في المنارة كما تفعل النساء من نذر الزيت لسيدی عبد القادر و يوقد فی المنارة جهة المشرق فهو باطل . " (۱)

"اگر کوئی شخص کسی شیخ کے مزار کے اوپر قندیل روشن کرنے یا کسی منارہ میں جلانے کے لیے تیل کی نذر مانے، جیسا کہ عورتیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے لیے تیل کی نذر کرتی ہیں یا مشرق کی سمت کسی منارہ میں قندیل جلائی جائے تو یہ نذر و نیاز حرام ہے۔"

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز، کونڈے، گیارہویں باطل اور حرام ہے، خوفِ خدا سے عاری ایسے لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر عوام کو قطعاً دھیان نہیں دینا چاہیے، دراصل ان خدانا ترس لوگوں نے سنت کی تعلیم اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات سے عوام کو دانستہ بے خبر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ شیخ پر اور دوسرے بزرگوں پر بے پایاں رحمتیں نازل کرے، انہوں نے نذر و نیاز کی ہرگز تعلیم نہیں دی، یہ اصل میں کھانے پکانے اور مفت خوری کا چور دروازہ ہے، ورنہ اسلام سے اس کا دور دور کا رشتہ بھی نہیں ہے، اس لیے یہ نہایت غلط اور جاہلانہ تصور ہے کہ ان رسوم کو چھوڑ دینے سے گھر میں مصیبت و پریشانی آتی ہے، جو مصیبت تقدیر میں لکھی جا چکی ہو وہ تو آکر رہے گی، چاہے آدمی ان رسوم کو ترک کرے یا نہ کرے۔

جادو ٹونا، تعویذ اور گنڈے

سوال: میں نے دس سال قبل اپنا کاروبار شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی، دیکھتے ہی دیکھتے کاروبار پھیلتا چلا گیا اور میں کئی ہوٹل اور کئی دکانوں کا مالک بن گیا، دوست احباب اور تعارف کا سلسلہ وسیع ہوتا گیا، ایک گہرے دوست (جو کہ دیندار تھے) سے معمولی سا اختلاف پیدا ہوا، جو بعد میں ادھر ادھر کے حاسدوں کے حسد اور شرارت سے دشمنی میں بدل گیا اور اس شخص نے بھری محفل میں کہا کہ میں ایسا

---

(۱) حوالۂ سابق

عمل کروں گا جس سے سرفراز کا سارا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور پھر یہی ہوا، نہ جانے کیا ہوا کہ اچانک مجھے نقصان پر نقصان ہونے لگا اور آہستہ آہستہ میرا سارا کاروبار بیٹھ گیا، اب میں لاکھوں ریال کا مقروض ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نے جادو کیا ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس نے تعویذ کیے ہیں، کیا واقعی جادو، تعویذ وغیرہ سے ایسا ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ شرعاً درست ہیں؟

(سرفراز حیدر، بحرین)

جواب: شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا گزرتا ہو جس میں ہمیں ایسے طویل خطوط نہ ملتے ہوں، جو ہمارے گھروں، خاندان اور ہمارے تعلق و دوستی کے حوالے شکایت پر مبنی نہ ہوں، یہ بھی سننے اور مشاہدے میں آتا ہے کہ اولاد والدین کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، یہ شکایت بھی اب عام ہے کہ اکثر و بیشتر والدین اپنی اولاد پر ظلم کرتے ہیں، شادی کے بعد بہو سے دشمنی کر کے اپنے ہی بیٹے کا گھر اجاڑ دیتے ہیں، اولاد کو زر خرید غلام سمجھ کر ان کی دولت و اسباب دنیا کھا جاتے ہیں، ساس بہو کا تنازعہ بھی عام ہے، دوست دوست کو دھوکہ دے رہا ہے، ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جادو منتر اور کفریہ کام تک کرنے پر آمادہ ہے۔

قرآن و سنت نے ہماری رہنمائی کر کے ہمیں تمام انسانی رشتوں کی پہچان کروادی ہے، بلکہ تمام رشتوں کے حقوق بھی بیان کر دیے ہیں اور ہر مسلمان کو پابند کر دیا گیا ہے ان تمام رشتوں کا خیال کرے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہر رشتہ دار کو اس کا حق دو۔“ (١) خود حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ”جو رشتہ کو جوڑے میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے میں اس کو توڑ دوں گا۔“ (٢) خاندانوں، گھروں اور معاشرے کے یہی وہ حساس و نازک رشتے ہیں، جن کا آپس میں ایک دوسرے سے مربوط رہنا ضروری ہے ورنہ فساد شروع ہو جاتا ہے، جب ایک خاندان یا

(١) بخاری، باب من أقسم علی أخیه لیفطر فی التطوع الخ، کتاب الصوم

(٢) مسلم عن ابی هریرةؓ، باب صلة الرحم وتحریم قطعیتها، کتاب البر

ایک گھر میں کئی رشتہ دار جمع ہوتے ہیں تو فطرتِ انسانی کے مطابق اختلافِ رائے کا اظہار بھی ہوتا ہے، چوں کہ انسانوں کی طبیعتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لہٰذا رائے و عمل کا اختلاف ضروری ہے، جو بعد میں بڑھتے ہوئے دشمنی تک جا پہنچتا ہے، اچھا مسلمان وہ ہے جو آغاز ہی سے اصلاح و صلح کا کام کرے، رشتہ داروں کا آپس میں اختلاف جب دشمنی کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اب وہ مرحلہ شروع ہوتا ہے جس کا مدتوں سے ابلیس کو انتظار تھا کہ اب ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کے بالمقابل آکھڑا ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے یا ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کا آغاز ہوتا ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں کچھ لوگ ابلیس کے انسانی ایجنٹ (انسانی شیطان) کے پاس جاتے ہیں اور اپنے دشمن کے خلاف مدد کی درخواست کرتے ہیں، ابلیس کا ایجنٹ ان کو جو کچھ دیتا ہے، یہ وہ جادو ہے اور وہ عمل ہے، جو گھروں کے فساد کا سبب بنتا ہے، جیسے جادو، تعویذ، ٹونکا، منتر وغیرہ کہا جاتا ہے؛ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ شریعت اس طرح کے عمل کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں جادو ایسے عمل کو کہتے ہیں جس میں کفر و شرک اور فسق و فجور اختیار کر کے جنات و شیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی، ان کی امداد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہوتے ہیں، قرآن میں سورۂ بقرہ: ۱۰۲ میں جس سحر بابل کا تذکرہ ہے، علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ نے لکھا ہے کہ یہی جادو تھا۔(۱) اسی سحر کو قرآن نے کفر قرار دیا ہے۔

سحر میں کفر اعتقادی کے سوا کفر عملی کا بھی ارتکاب ہوتا ہے، اس لیے کہ سحر میں شیاطین سے دوستی لازمی ہے، اس کے بغیر سحر کارگر نہیں ہوتا، یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ عمل وعقیدہ کے اعتبار سے گندہ ہو اس کا سحر سب سے زیادہ کامیاب ہوتا ہے، تو شیطان سے دوستی بجائے خود ایک گناہ ہے، گندہ رہنا الگ گناہ ہے اور شیطان بھی اسی وقت راضی ہوتا ہے جب کہ انسان کفر و شرک میں مبتلا ہو، جس سے

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ط: بیروت، ۱/۴۲

ایمان کی دولت ہی چھن جائے، یہ خود ایک بڑا گناہ اور جادو کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا الگ گناہ ہے۔

غرض کہ قرآن میں جو سحر آیا ہے وہ کفر اعتقادی اور عملی سے خالی نہیں ہوتا، جس سحر میں عمل کفر اختیار کیا گیا ہو، جیسے شیاطین سے مدد مانگنا، تاروں کو مؤثر ماننا، تو یہ کفر حقیقی اعتقادی ہوگا، جس میں یہ اعمال نہ ہوں، مگر معاصی کا ارتکاب ہو، وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

تعویذ اور گنڈے وغیرہ جو عامل حضرات کرتے ہیں، ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے مدد مانگی گئی ہو تو اس کا حکم بھی سحر ہی کی طرح ہوگا اور حرام ہوگا اور اگر الفاظ کے معانی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے مدد حاصل کرنے کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

صرف مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

اگر قرآن و حدیث ہی کے کلمات ہوں، مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں، تو یہ بھی جائز نہیں، مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے تعویذ یا وظیفہ پڑھا جائے، اگر چہ وظیفہ اسماءِ الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ ہی کا ہو، تب بھی حرام ہے۔(۱)

اخیر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ گھر یا دکان کو شیطانی اثرات سے محفوظ رکھنے کا طریقہ قرآن پاک کی تلاوت ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس گھر میں سورۂ بقرہ کی آخری آیت پڑھی جائے، شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا۔''(۲)

اگر کسی شخص کو اپنے اوپر یا کسی دوسرے شخص پر جادو یا تعویذ، منتر وغیرہ کے اثر کا ڈر یا خطرہ ہے تو اسے چاہیے کہ سبز بیری کے سات پتے لے کر ان پر آیت الکرسی آخری دونوں سورتیں (معوذتین) اور جادو والی آیات پڑھے اور ان پتوں کو پیس لے، ان کا پانی مریض کے جسم پر بہایا جائے، مریض اس پانی کو پی بھی سکتا ہے۔ جادو کی

---

(۱) ملاحظہ ہو: معارف القرآن: ۱/۲۷۹:۲۰۸
(۲) مسلم، باب استجاب صلوۃ النافلة فی بیته، کتاب صلوۃ المسافرین

آیات یہ ہیں: سورۃ الاعراف: آیت ۱۱۷ تا ۱۱۹، سورہ یونس آیت ۷۹ تا ۸۲، سورہ طٰہٰ آیت: ۶۵ تا ۶۹۔

جادو منتر وغیرہ کا اثر دور کرنے کے سلسلہ میں امام ابن حجر نے یہی لکھا ہے کہ اگر کسی شخص پر جادو کر دیا گیا ہو اور اپنی بیوی سے ہم بستری پر قادر نہ ہو تو انشاء اللہ اس کے لیے یہ علاج مفید ہوگا کہ وہ سبز بیری کے سات پتے لے اور کسی چیز سے اس کو پیس لے، پھر اسے ایک برتن میں رکھ کر اس میں اتنا پانی ڈالے کہ وہ غسل کے لیے کافی ہو جائے، پھر اس پر آیت الکرسی، سورہ الکافرون، سورۃ الاخلاص، اور معوذتین پڑھے، نیز آیاتِ سحر بھی پڑھے، یعنی سورہ اعراف آیت ۱۱۷ تا ۱۱۹، سورہ یونس آیت ۷۹ تا ۸۲ اور سورہ طٰہٰ آیت ۶۵ تا ۶۹، پانی پر ان آیات کے پڑھنے کے بعد تین مرتبہ اس میں سے پیئے اور باقی پانی سے غسل کرلے، انشاء اللہ اس سے بیماری ختم ہو جائیگی، تیز اس طریقۂ علاج کو ایک سے زیادہ مرتبہ بھی مرض کے ختم ہونے تک استعمال کیا جاسکتا ہے ، اس میں کوئی حرج نہیں۔(۱) علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری میں یہ علاج ذکر کیا ہے۔

جو لوگ تعویذ منتر وغیرہ کرنے والوں کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں یا جو لوگ نجومیوں اور کاہنوں سے چھپی ہوئی پوشیدہ چیزوں یا باتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں اور پھر ان کی بات مان لیتے ہیں، ایسے لوگوں کی چالیس دن تک کی نماز قبول نہیں ہوتیں،(۲) اس قلم کا عمل کرنے والے اور کروانے والے دونوں کے سارے اچھے اعمال ضائع کر دیئے جاتے ہیں اور ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کا عذاب و غضب مسلط رہتا ہے۔

وہ عورتیں اور مرد جو تعویذ گنڈہ فروشوں کے پاس جا کر جادو منتر وغیرہ کے تعویذ کرواتے ہیں، بہت بڑا گناہ کرتے ہیں، نہ صرف فساد فی الارض کا ارتکاب کرتے ہیں اور صلہ رحمی توڑنے کا سنگین جرم کرتے ہیں، بلکہ اپنے ایمان کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں، کیوں کہ یہ تو عمل کفر ہے، اسی لیے جادوگر واجب القتل ہے، جو لوگ

---

(۱) فتح الباری وعمدۃ القاری (۲) مسلم عن صفیۃ، باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھنۃ، کتاب السلام

نجومیوں، تعویذ کرنے والوں یا جادوگروں کی باتوں پر یقین کرتے ہیں، چالیس دن تک ان کی نماز قبول نہیں ہوتی۔(۱) بعض علماء نے اس عمل کو شرک کہا ہے۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کا کام کرنے والوں کو گرفتار کر کے سخت سزا دے، خود یورپ کے بعض ملکوں میں بھی جادو پر پابندی ہے، پھر اسلامی ملکوں میں کیسے یہ گندا عمل جائز ہو گیا؟ یہاں سعودی عرب میں گزشتہ دنوں ایک جادوگر کو گرفتار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا، کاش کہ دوسرے اسلامی ممالک بھی سعودی عرب کی تقلید کریں اور اپنے یہاں کے تمام جادوگروں اور تعویذ منتر کرنے والوں کو سخت سے سخت سزا دیں، پھر آپ کی، میری اور ہم سب کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اپنے علاقوں میں ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کریں، جو اس قسم کے ناجائز کاموں سے مخلوقِ خدا کو نہ صرف گمراہ کرتے ہیں، بلکہ مسلم معاشرے میں فساد پھیلاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی صحیح اسلامی تربیت بھی کرنی چاہیے، تاکہ گھر اور خاندان میں کسی بھی قسم کا اختلاف دشمنی کی شکل اختیار نہ کرے۔

تعویذ گنڈوں کا عمل

سوال: پاکستان میں چند ماہ قبل ہمارے گھر سے چوری ہوئی، ہمیں ایک عزیز پر شک تھا، گھر والے ایک پیر کے پاس گئے، انہوں نے پانی کا کوزہ گھمانا شروع کیا، جس پر شک تھا اس کا نام لیتا رہا اور پانی کا کوزہ گھومتا رہا، پھر دوسرے بزرگ کے پاس گئے، اس نے کہا کہ میں نے جنگل میں چلہ کیا ہے، جن وغیرہ کا سب عمل جانتا ہوں، اس نے کافی رقم کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ایسا عمل کروں گا کہ چور خود بخود تمہارے گھر معافی مانگنے آئے گا، پھر کچھ تعویذ دیے، لیکن کوئی چور معافی مانگنے نہیں آیا! سوال یہ ہے کہ تعویذ گنڈے کا یہ عمل جائز ہے یا صرف پیسے بٹورنے

---

(۱) مسلم عن صفية، باب تحريم الكهانة و اتيان الكهانة، كتاب السلام

کے دھندے ہیں؟ کیا کوئی غیب کی بات جان سکتا ہے کہ چوری کس نے کی اور چور کون ہے؟

(نور سمند آفریدی، الخبر)

جواب: چھپی ہوئی یا گم شدہ چیزوں کا علم کسی کو نہیں ہوتا، غیب کی خبریں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، آپ نے اپنے سوال میں جن پیر صاحبان اور مولوی صاحبان کا ذکر کیا ہے، یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور انسان نما شیطان ہیں، یہ لوگوں کی اپنی غلطی اور زیادتی ہے کہ وہ اس قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے بجائے تعویذ ٹوٹکا کرنے والوں اور کالا جادو کا عمل کرنے والوں کے پاس جاتے ہیں یا مرے ہوئے لوگوں کی قبروں پر جا کر شرک کرتے ہیں، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے کسی کاہن و نجومی کے پاس جا کر کسی (گم شدہ) چیز کے بارے میں یا کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھا اور پھر اس کی تصدیق کی تو ایسے آدمی کی چالیس دن تک نمازیں قبول نہیں کی جاتیں۔"(۱)

وقت یا زمانے کو برا بھلا کہنا

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ زمانہ بہت خراب ہے، کچھ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ یہ سال یعنی ۱۹۹۵ء ظالم سال تھا، عموماً بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ آج کل وقت بہت خراب آگیا ہے؛ کیا زمانے، دن یا سال کو برا بھلا کہنا جائز ہے؟

(عنبرین ارم خان، جدہ)

جواب: قضا و قدر یعنی تقدیر پر ایمان لانا ہر مسلمان کے ایمان کا جزء لازم ہے، انسان کی زندگی، شب و روز کائنات کی تبدیلی و تغیر اور دوسری مخلوق کے جملہ امور، یہ سب حکم الٰہی کے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ ہی مدبر و متصرفِ کائنات ہے، وہی مختارِ کل اور علام الغیوب ہے۔

(۱) صحیح مسلم عن صفیة، باب تحریم الکھانة، و اتیان الکھانة، کتاب السلام

قرآن پاک میں مشرکین عرب کے جن مذموم عقائد کی مذمت کی گئی ہے، اس میں ایک یہ بھی کہ مشرکین زمانے کو برا بھلا کہا کرتے تھے، سورہ الجاثیہ آیت نمبر ۲۴ میں ارشاد ہے کہ: "اور یہ کہتے تھے کہ ہماری دنیا کی زندگی ہی (حقیقی) زندگی ہے، جس میں ہم موت و حیات سے دوچار ہوتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کر سکتا ہے۔" مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حالات کی تبدیلی و تنگی شب و روز کے حوادث و واقعات اور دوسری کسی تکلیف کو دیکھ کر مشرکین زمانے اور وقت کو کوسنا شروع کر دیتے تھے۔ قرآن کی طرح احادیث میں بھی اس فعل کو سخت ناپسند کیا گیا ہے، ایک حدیثِ قدسی میں رسولِ کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے (اس وقت) اذیت پہنچاتا ہے (جب وہ) زمانے کو برا بھلا کہتا ہے، کیوں کہ میں ہی زمانہ ہوں، دن اور رات کو پھیرنے والا میں ہی ہوں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "زمانے کو برا بھلا مت کہا کرو، میں زمانہ ہوں۔"(۱) ان احادیث کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانے کو برا بھلا کہنے سے سختی سے منع کیا ہے، کیوں کہ دن اور رات میں جو کچھ ہوتا ہے، حکم الٰہی سے ہوتا ہے، زمانہ اور وقت اللہ تعالیٰ کے حکم الٰہی سے آتا جاتا اور گھٹتا بڑھتا ہے، چوں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر تنقید دراصل اللہ تعالیٰ پر تنقید ہے، جو کہ حرام ہے۔ علامہ نوویؒ نے شرحِ مسلم میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

" و سببه : أن العرب كان شانها أن تسب الدهر عند النوازل و الحوادث و المصائب النازلة بها من موت أو هرم أو تلف مال أو غير ذلك ، فيقولون : " يا خيبة الدهر ، و نحو هذا من الفاظ سب الدهر ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم : لاتسبوا الدهر ، أى لا تسبّوا فاعلَ النوازل ، فإنكم إذا سببتم فاعلها وقع

---

(۱) مسلم عن أبي هريرة ، باب النهي عن سب الدهر ، كتاب الالفاظ من الاداب و غيرها

السب علی اللہ تعالیٰ ، لأنه هو فاعلها و منزلها ، و أما الدهر الذي هو الزمان فلا فعل له بل هو مخلوق من جملة خلق اللہ تعالیٰ ، و معنی فإن اللہ هو الدهر أی فاعل النوازل و الحوادث ، و خالق الكائنات . و اللہ اعلم . " (۱)

"اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی کو موت آجاتی، مال ضائع ہو جاتا یا اس طرح کی پریشانیوں اور مشکلات سے دوچار ہوتے تو عرب کی عادت تھی کہ وہ زمانہ کو کوستے تھے اور وہ اس طرح کے الفاظ کہتے تھے کہ ہائے زمانہ کی گردش نے مجھے برباد کر دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ کو برا بھلا مت کہو یعنی مصیبتوں کے پیدا کرنے والے کو برا بھلا نہ کہو، اس لیے کہ جب مصیبتوں کے پیدا کرنے والے کو کوسو گے تو وہ اللہ کی شان میں کوسنا کہلائے گا، کہ وہی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی مصیبتیں نازل کرتا ہے، زمانہ بذاتِ خود مؤثر نہیں، بلکہ وہ تو اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، تو اللہ ہی دہر اور زمانہ ہے یعنی نوازل اور حوادث کا پیدا کرنے والا ہے اور پوری کائنات کا خالق ہے۔ واللہ اعلم"

رہا یہ سوال اور اعتراض کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی کیا وجوہات ہیں؟ تو اس کا ایک ہی سیدھا سادھا جواب ہے، جو خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایک سے زیادہ مقامات پر واضح کر دیا ہے، مثلاً سورہ الشوریٰ آیت نمبر: ۳۰ میں ارشاد ہے: "اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے خود تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے اور بہت زیادہ (گناہ) تو معاف کر دیے جاتے ہیں۔ سورۂ فاطر کی آخری آیت میں فرمایا: "اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے سب گناہوں کی وجہ سے پکڑتا تو زمین پر ایک جاندار بھی نہ بچتا، لیکن وہ ان کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیے ہوئے ہے۔" (۲)

---

(۱) شرح نووی علی مسلم : ۲/۲۳٦ ، باب النهی سب الدهر ، كتاب الالفاظ من الاداب الخ ، ط : دیوبند (۲) فاطر : ٤٥

رسول اللہ ﷺ کے والدینکے ایمان کا مسئلہ؟

سوال: ہمارے کچھ دوستوں کے درمیان اس مسئلہ پر اکثر بحث ہوتی رہتی ہے کہ کیا رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ اور آپ ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب جب اس دنیا سے انتقال کر گئے تو وہ اہل ایمان میں سے تھے یا نہیں؟ کچھ ساتھیوں کا کہنا ہے کہ (نعوذ باللہ) وہ اہل ایمان نہ تھے، چنانچہ آپس میں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی؛ اس مسئلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین اور دادا مسلمان ومؤمن تھے یا نہیں؟ (عبد الرؤف شیخ، ریاض)

جواب: رسولِ کریم ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی، آپ ﷺ کے زمانۂ طفولیت ہی میں آپ کی والدہ اور دادا کا انتقال ہو چکا تھا، آپ ﷺ کے والد عبد اللہ تو آپ کی ولادت سے قبل ہی وفات پا گئے تھے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ کریم ﷺ کی بعثت کے درمیان پانچ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ایسا گزرا جس میں کوئی نبی و رسول مبعوث نہیں ہوئے، اس کو اصطلاح میں "زمانۂ فترت" کہتے ہیں، پھر جب سارے عالم میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو رسولِ کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے واضح شریعت دے کر اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا، تاکہ کل قیامت کے دن کسی کے لیے یہ حجت نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے اور ڈرانے والا نہیں آیا۔(۱)

رسول اللہ ﷺ سے قبل انقطاعِ رسل کے زمانہ (فترت) میں جو لوگ گزرے ہیں، ان کے بارے میں محققین علماء کا یہ قول ہے کہ اگر وہ صریح کفر وشرک اور بت پرستی سے دور رہے ہوں تو انشاء اللہ اتنی بات بھی ان کی اخروی نجات کے لیے کافی ہوگی، تاہم یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس کا تعلق نہ اسلامی عقائد سے ہے اور نہ ہی ہماری عملی زندگی کے کسی شعبے سے، لہٰذا اس پر بحث کرنا بے سود ہے، گزری ہوئی

---

(۱) المائدہ ۱۹

قوموں اور لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یہ ایک امت تھی جو گزر چکی، اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا اور وہ جو کچھ کرتے تھے اس کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا۔"(۱) یعنی ان گزرے ہوئے لوگوں کے لیے ان کا عمل ہے اور ہمارے لیے ہمارا عمل اور قبر یا حشر میں ہم سے ان لوگوں کے ایمان یا عمل وغیرہ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ جب حقیقت یہ ہے تو ایسے مسئلوں میں پڑنا لاحاصل ہے اور بسا اوقات اس سے آدمی گمراہی میں جا پڑتا ہے، بالخصوص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین وغیرہ کا مسئلہ نہایت نازک اور حساس ہے (جن کا انتقال بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی ہو چکا) اس لیے محققین علماء نے اس میں گفتگو کرنے سے بھی منع کیا ہے۔

اسلام نے ہمیں اپنے کافر و مشرک والدین کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے اور ان کا ادب و لحاظ کرنے کا حکم دیا تو پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے بارے میں بحث و مباحثہ کریں، جس سے کہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی بے ادبی اور سوءِ ادب کا پہلو نکلتا ہے، اس لیے اس مسئلے پر بحث کرنا (بالخصوص عام آدمی کے لیے) ہرگز جائز نہیں۔

مسلمان کی تعریف

سوال: میرے ایک دوست کے کچھ دشمن ہیں، وہ جانتا ہے کہ کسی مؤمن کا قتل کرنا کفر ہے، اس لیے وہ اپنے دشمنوں سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے، مگر دشمن اس کے قتل کے لیے بہانہ تلاش کرتے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ اگر دشمن ہمیں قتل کی کوشش کریں اور اللہ نہ کرے اتفاق سے وہ ہمارے ہاتھوں قتل ہو جائیں تو کیا قاتل جہنمی ہوگا؟

(محمد اسماعیل، الطائف)

جواب: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں مسلمانوں کی تعریف یہ بیان فرمائی ہے کہ

---

(۱) سورہ البقرۃ ۱۳۴/۱۴۱

اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔(۱) کسی بھی بے گناہ مسلمان کو ستانا، مارنا، پیٹنا، اس کی غیبت کرنا، اس کو تکلیف پہنچانا وغیرہ حرام ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے (بے گناہ) قتل کرنا کفر ہے۔(۲)

اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان سے دشمنی کرے، کسی بھی مسلمان سے دشمنی کرنا حرام ہے، اسی لیے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (کلمہ گو مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔"(۳) آپ کے دوست کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمنوں سے صلح اور معاہدہ کرے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم خود کسی دوسرے مسلمان پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرے، اگر کوئی حملہ کرتا ہے تو یہ اپنے آپ کو بچائے، اپنی طرف سے کسی اور کو نقصان پہنچانے میں پہل نہ کرے۔

کسی کے کافر یا منافق ہونے کا فیصلہ

سوال: ایک عورت جو مسلمان ماں باپ کی بیٹی تھی اور خود کو مسلمان کہتی تھی، مگر اس کا شوہر کافر تھا اور اس نے اس کیساتھ کافرانہ طرز پر زندگی بسر کی، ماتھے پر ٹیکہ بھی لگاتی تھی جو کہ کافروں کی پہچان ہے، جب وہ مرگئی تو کچھ مسلمانوں نے اسے اسلامی طریقہ کے مطابق نہلایا اور نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کردیا، جب کہ وہ عورت زندگی میں نہ نماز پڑھتی تھی اور نہ روزہ رکھتی تھی؛ کیا اس کی نماز جنازہ صحیح تھی؟ ایسی عورت کو مسلمان سمجھیں یا کافر و منافق؟

(محمد حافظ علی، ریاض)

جواب: اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مشرک و کافر اور منافق کے

---

(۱) مسلم عن ابی موسی الاشعریؓ، باب جامع أوصاف الاسلام، کتاب الایمان (۲) مسلم عن ابن مسعودؓ۔ باب بیان قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔ کتاب الایمان (۳) ترمذی باب ما جاء فی التھاجر، ابواب البر و الصلة

لیے سخت موقف اختیار کیا ہے، لیکن وہ لوگ جن کے گناہ اور نیکیاں کم زیادہ ہوتی رہتی ہیں اور یہ لوگ اسلام پر مرتے ہیں، ان کے بارے میں ہمیں عمومی طور پر حسن ظن ہی رکھنا چاہیے، سوائے اس شخص کے جس کے جرائم ومظالم اور دین دشمنی ظاہر اور معروف ہو، کبیرہ گناہوں کی کثرت کے باوجود ہم کسی بھی شخص کے بارے میں اس کے منافق یا کافر ہونے یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتے اور نہ فتویٰ دے سکتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سے دوسروں کے انجام کی فکر کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، کہ ہم سے دوسروں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

گناہِ کبیرہ کی چند نشانیاں

سوال: کبیرہ گناہ کون کون ہیں؟

(نزار احمد، سکاکا الجوف)

جواب: کبیرہ گناہوں کے بارے میں کئی کتابوں میں تفصیل موجود ہے، جس میں ایک مشہور کتاب امام ذہبی کی "کتاب الکبائر" ہے، جس میں انہوں نے ستر (۷۰) گناہوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ گناہ کبیرہ گناہ ہیں، ان کے علاوہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی بھی ایک کتاب "کتاب الکبائر" کے نام سے ہے۔ علماء نے کبیرہ گناہ کی بعض نشانیاں بیان کی ہیں، جن کی مدد سے کسی بھی گناہ کے بارے میں بآسانی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ کبیرہ گناہوں کی چند نشانیاں یہ ہیں:

(۱) جس گناہ کی کوئی شرعی حد مقرر ہو، جیسے قتل، زنا، چوری، تہمت، زمین میں فساد اور تخریب کاری۔

(۲) آخرت میں سخت سزا اور وعید ہو، جیسے مرتد ہو جانا، منافقت اختیار کرنا۔

(۳) جس گناہ کی وجہ سے ایمان کے ختم ہو جانے کی وعید سنائی گئی ہو، مثلاً امانت میں خیانت اور بد عہدی کرنا۔

(۴) ہر وہ کام جو حرام ہو۔

(۵) وہ گناہ جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بے تعلقی کا اعلان ہو، جیسے دھوکہ دینا، میدانِ جنگ میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔

(۶) وہ گناہ جس کی وجہ سے انسان ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے، جیسے شرک، غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز اور بدعت وغیرہ۔

(۷) وہ گناہ جس کے کرنے پر اللہ اور رسول ﷺ نے لعنت بھیجی ہو، مثلاً غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، والدین کو برا بھلا کہنا۔

(۸) وہ گناہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو شدید غصہ و غضب آتا ہو، جیسے بڑھاپے میں زنا کرنا، فقیر ہوتے ہوئے بھی تکبر کرنا، وہ اقتدار والے جو اپنی قوم و رعایا سے جھوٹ بولیں۔

(۹) وہ گناہ جس کے ارتکاب پر اس شخص کو فاسق قرار دیا گیا ہو، جیسے جھوٹی گواہی دینا۔

(۱۰) دین کے کسی حکم یا سنت کا مذاق اڑانا اور صغیرہ گناہوں کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے مسلسل اور بلا جھجک کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

مبارک مقام اور ایام میں گناہ کا عذاب

سوال: جس طرح مبارک مقامات اور مبارک ایام میں ایک نیکی کا بدلہ کئی گنا دیا جاتا ہے، کیا اسی طرح ایک گناہ کا بدلہ بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے؟

جواب: جس طرح مبارک اوقات اور مبارک مقامات کی نیکی دوسری جگہ اور دوسرے اوقات کی نیکی کے مقابلہ میں زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے، اسی طرح کسی مبارک مقام یا مبارک وقت میں گناہ کا بدلہ عام گناہ کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اور یہ بہت اہم بات ہے، مثلاً رمضان کے مبارک مہینہ کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا کہ جو اس مہینہ کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بڑا بد بخت اور محروم ہے، حرم کی حرمت کے بارے میں قرآن میں ہے کہ جو یہاں ظلم و فساد کرتا ہے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۱)

---

(۱) الحج: ۲۵

یہ سب توہمات ہیں

سوال: ہم اپنے بڑوں سے اس قسم کی باتیں سنتے آئے ہیں، مثلاً قینچی خالی چلانے سے ماں باپ کے درمیان لڑائی ہوتی ہے، پیر یا ہاتھ ہلانے سے شیطان ان پر بیٹھ کر جھولا جھولتا ہے. اسی طرح دو لوگوں کا آپس میں سر ٹکرا جائے اور وہ فوراً نہ تھوکیں تو دونوں کی ماں مر جاتی ہے؛ کیا واقعی ایسا ہوتا ہے اور ان سب باتوں کی کوئی حقیقت ہے یا صرف یہ توہمات ہیں؟ (سمیرا محمد، جدہ)

جواب: یہ اور اس طرح کی باتوں کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں، یہ سب توہمات اور بدفالی ہیں، اس طرح کے توہمات اور بدفالیاں اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں بھی تھیں اور آج بھی یہ چیزیں ہندوؤں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں اور اسی راہ سے ہمارے معاشرے میں بھی عموماً اور جاہل طبقوں میں خصوصاً یہ چیزیں داخل ہو گئی ہیں، اسلام نے سختی کے ساتھ اس طرح کے توہمات اور بدفالی سے روکا ہے، لہٰذا اس طرح کے تصورات وخیالات سے اپنے ذہن ودماغ کو محفوظ رکھیں۔

کبیرہ گناہوں کی معافی

سوال: گناہِ کبیرہ معاف ہو سکتے ہیں یا اس کی سزا ضرور ملے گی؟

(صوفی محمد نذیر، مدینہ منورہ)

جواب: اصل میں گناہ دو قسم کے ہیں: (۱) حق اللہ سے متعلق گناہ (۲) حق العباد سے متعلق گناہ۔ اگر اللہ کے حقوق سے متعلق گناہ اور کوتاہی کی ہے تو ایسے گناہ کو توبہ سے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور اگر بندوں کا حق ہے، جیسے چوری کی ہے، کسی کا مال ناحق دبایا ہے، یا گالی دی ہے، چغلی کی ہے، یا ظلم کیا ہے، یا اور اس قسم کے حقوق ہیں، جن کا تعلق بندوں سے ہے تو یہ صرف توبہ سے معاف نہیں ہوں گے، بلکہ ان کیلئے ضروری ہے کہ ان کے مالی حق ادا کردئے جائیں یا ان سے معاف کرالیا جائے اور غیر مالی حقوق گالی

گلوچ وغیرہ بھی معاف کرالیا جائے، کہ پہلے حقدار کے حق کو ادا کیا جائے، یا اس سے معافی چاہے، پھر جب وہ معاف کردے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اس طرح انشاء اللہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔(۱)

اگر معاف نہ کیا ہو تو اس کی نیکیوں میں سے حقدار کو دے دیا جائے گا اور نیکیاں نہ ہوں تو حق دار کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے گا اور اگر حق اللہ سے متعلق گناہ سے توبہ نہ کی ہو تو اس کو اس کی سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ معاف کرے تو اور بات ہے، ورنہ توبہ نہ کرنے کی صورت میں گنہگار کو سزا ملے گی۔

قتل کے بعد توبہ

سوال: چند سال قبل میں نے اپنے ایک رشتہ دار کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر دیا تھا، میں اپنے اس ظلم پر بہت شرمندہ ہوں اور کبھی اس ظلم کو یاد کر کے ملتزم کے پاس کھڑے ہو کر خوب روتا ہوں اور اس صدمے سے نڈھال ہوتا جا رہا ہوں، کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھے جہنم میں نہ ڈال دے، لیکن اس کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہوں؛ جواب دے کر حوصلہ افزائی کریں کہ میری معافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نیز کیا میں اپنے اس مقتول بھائی کی طرف سے حج یا عمرہ کر سکتا ہوں۔

(م م ن، مکہ مکرمہ)

جواب: آپ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، سچے دل سے اگر توبہ کی جائے تو بڑے سے بڑا گناہ معاف ہو سکتا ہے، بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ توبہ کے بعد بندہ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ اس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں، التائب من الذنب کمن لا ذنب له .
(۲) نیز اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے بندے بہت محبوب ہیں اور وہ بہت زیادہ مہربان اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، جیسا کہ قرآن پاک اور احادیث میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے، ایک صحیح حدیث میں یہ طویل واقعہ ملتا ہے کہ ایک شخص نے سو

---

(۱) ریاض الصالحین: ۱۰، باب التوبة (۲) ابن ماجه عن أبی سعید الخدریؓ، باب ذکر التوبة

آدمیوں کو قتل کیا پھر اسے اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور اس نے مخلصانہ توبہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ توبہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنی غلطی پر نادم و شرمندہ ہو اور دوبارہ اس غلطی اور گناہ کو نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔ آپ اپنے مقتول بھائی کے لیے مغفرت اور بلندیِ درجات کی دعا کرتے رہیں، نیز اس کی طرف سے حج وعمرہ بھی کر سکتے ہیں۔

بارگاہِ الٰہی میں اعمال کی پیشی

سوال: ہر جمعرات اور پیر کے دن جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں؛ کیا ہمارے رسول کریم ﷺ بھی ان اعمال کو دیکھتے ہیں؟

(عبدالرشید انجم، بحرین)

جواب: پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال اللہ ربّ العزت کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، نہ کہ رسولِ کریم ﷺ کے سامنے، بعض روایتوں میں جو آتا ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گذرتا کہ نبی ﷺ پر آپ کی امت صبح و شام نہ پیش کی جاتی ہو اور آپ ﷺ امتیوں کو ان کے ناموں اور اعمال کے ساتھ پہچان نہ لیتے ہوں، تاکہ ان پر گواہی دیں، عرضِ اعمال کی یہ روایت محدثین کے اجماع کے مطابق من گھڑت ہے۔

روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن ابن المبارك عن رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو أنه سمع سعيد بن المسب يقول ليس من يوم الا يعرض فيه على النبى امته غدوة وعشية فيعرفهم باسماء هم واعمالهم فلذلك يشهد عليهم۔" (۱)

"ابن المبارکؒ نے کہا کہ مجھ سے ایک انصاری شخصؓ نے بیان کیا اور اس انصاری شخصؓ نے منہال بن عمرو سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب (تابعی) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ پر آپؐ کی

(۱) سلسلة الاحاديث الضعيفة للالبانى: ۲/ ٤٠٦ حديث: ۹۷۵

امت صبح وشام پیش کی جاتی ہیں اور آپ امتیوں کو ان کے ناموں اور اعمال کے ساتھ پہچان لیتے ہیں، تاکہ ان پر گواہی دیں۔"

یہ اصل میں حدیث نہیں، بلکہ ایک تابعی کی طرف پیش کی جانے والی غلط بات ہے، دوسرے "رجل من الانصار" کا نام ہے، جس کا کوئی پتہ نہیں اور نہ کسی حدیث کی کتاب میں اس روایت کا ذکر ہے، تیسرے اس روایت کا مفہوم صحیح نہیں، اس لیے کہ اگر آپ ﷺ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہوتے تو آپ ﷺ کو بدعتیوں کے معاملہ میں تعجب نہ ہوتا، جس کا تذکرہ بخاری میں موجود ہے:

" یجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فأقول یا ربّ ! اصیحابی ، فیقال إنك لاتدری ما أحدثوا بعدك . " (۱)

" قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور پھر وہ بائیں طرف لے جائے جانے لگیں گے، تو میں کہوں گا: میرے رب! یہ تو میرے امتی ہیں، اس وقت مجھ سے خطاب ہوگا: تمہیں کیا معلوم تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں نکالی تھیں۔"

خود نبی ﷺ کا زندگی میں حال یہ تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں جمعرات اور پیر کو اعمال پیش کیے جاتے ہیں، اس لیے فرماتے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو میں روزے کی حالت میں رہوں، "تعرض الاعمال یوم الاثنین و الخمیس فأحب ان یعرف عملی و أنا صائم ." (۲) اس سے معلوم ہوا کہ انسانی اعمال بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس۔

نورانی نور اور لاہوت نام کی کرسی

سوال: پاکستان کے صوبے بلوچستان میں ایک زیارت ہے، جو نورانی نور کے نام سے مشہور ہے، وہاں ایک پہاڑی ہے، جسے لاہوت کہتے ہیں، اس پہاڑی کے اندر ایک اونٹ کی طرح پتھر کی ایک مورتی ہے، لوگوں

---

(۱) بخاری عن ابن عباسؓ ، باب قوله " کنت علیهم شهیدا الخ ، أبواب التفاسیر ، سورة المائدة

(۲) ترمذی عن أبی هریرةؓ ، باب ما جاء فی صوم یوم الاثنین و الخمیس

کا کہنا ہے کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ہے اور جو سات مرتبہ
وہاں گیا، اسے ایک حج کا ثواب ملتا ہے، وہاں سیدنا علیؓ کے پاؤں کے
نشان بھی ہیں، وہاں ایک دوسری پہاڑی پر ایک پتھر کی کرسی بھی ہے،
جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس کرسی پر رسول اللہ ﷺ
بیٹھتے تھے؛ کیا یہ سب باتیں صحیح ہیں؟ اگر غلط ہیں تو علماء و حکومت اتنی
غلط باتوں کو کیوں نہیں روکتے؟

جواب: آپ نے بلوچستان میں نورانی نور اور لاہوت نامی جن جگہوں کا ذکر کیا ہے اور جو باتیں لوگوں میں ان دونوں جگہوں کے بارے میں مشہور ہیں ان کے بارے میں اسلام کا اور قرآن و سنت کا موقف یہ ہے کہ یہ شیطانی دھوکہ اور شیطانی پروپیگنڈہ ہے، جسے ابلیس اپنے انسانی شیطانوں کے ساتھ مل کر پھیلا رہا ہے۔ یاد رکھیے کہ زیارت (ثواب) کی نیت سے صرف تین جگہوں کا سفر کرنا مسنون اور جائز ہے، جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ایک متفق علیہ حدیث میں حکم دیا ہے، وہ تین جگہیں تین مساجد ہیں: مسجدِ حرام، مسجدِ نبویؐ، اور مسجدِ اقصیٰ۔ (۱) اگر کوئی شخص کسی قبر، دربار، خانقاہ، متبرک مقام وغیرہ کا سفر زیارت کی نیت سے کرتا ہے تو یہ سفر گناہ کا سفر ہے، وہ جگہیں اور وہ مقامات جہاں غیر اللہ کی پوجا ہوتی ہے، قبروں کو سجدہ اور طواف کیا جاتا ہے، پتھروں اور مورتیوں پر تبرک کا ہاتھ پھیرا جاتا ہے، ایسی جگہوں پر جانا کبیرہ گناہ ہے اور ان جگہوں پر اللہ کی غضب و غصہ نازل ہوتا ہے۔

یہ جو مشہور ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ہے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی کرسی، یہ سب جھوٹ اور من گھڑنت کہانی ہے۔ افسوس ہے کہ دن رات کے اس کھلے ہوئے شرکِ اکبر کو نہ اقتدار والے برا سمجھ کر روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی علماء لوگوں کو اس شرک سے آگاہ کرتے ہیں، (الا ماشاء اللہ) حالانکہ اسلامی ریاست میں حاکم وقت اور اہل اقتدار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شرک و کفر کے اڈے و

(۱) مسند احمد: ۲/ ۲۳۴

مراکز کو ختم کریں اور ہر اونچی قبر کو زمین کے ساتھ برابر کر دیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح مسلم میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں ابوالہیاج سے کہا: "کیا میں تمہیں اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس مہم کو ادا کرنے کے لیے مجھے رسولِ کریم ﷺ نے بھیجا تھا، کوئی تصویر (مورتی و بت) نہ چھوڑو مگر یہ کہ اسے توڑ پھوڑ دو اور کوئی (اونچی) قبر نہ چھوڑو مگر یہ کہ اسے زمین کے ساتھ برابر کر دو۔"

صحابہ کرام پر تنقید

سوال: مجھے میرے ایک دوست نے ایک کتاب دی، جس میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام کے بارے میں گستاخانہ اور عجیب و غریب قسم کے جملے لکھے ہیں، میں ایک عام مسلمانوں ہوں، لیکن پھر بھی یہ بات جانتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کا گروہ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل گروہ تھا؛ کیا آج کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی صحابیؓ پر تنقید کرے؟

(عبدالرشد ارشد کیانی، تبوک)

سوال: ہم چند دوست اکٹھے رہتے ہیں، ہمارے درمیان کبھی کبھی بعض دینی امور کے بارے میں بحث ہو جاتی ہے، گزشتہ دنوں ایک دوست نے ایک مشہور صحابیؓ کے بارے میں گستاخانہ کلمات کہے، اب وہ شرمندہ ہے، اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد انسانیت کی سب سے مقدس جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے، ان حضرات کو نبی اکرم ﷺ کی رفاقت اور مصاحبت کا جو شرف حاصل ہوا، پوری امت کی نیکیاں بھی اس کی برابری نہیں کر سکتیں، جس طرح ہمارے آخری نبی ﷺ مصطفیٰ اور منتخب تھے، اسی طرح ان کے صحابہؓ بھی منتخب تھے، ان کو چن کر اللہ تعالیٰ نے صحابیت کا مرتبہ عطا کیا تھا، وہ مدرسہ نبوت کے ایسے طلبہ تھے، جس کے استاذ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ تھے، جن کا

نصاب بارگاہِ الٰہی سے مرتب ہوا تھا، جن کی تعلیم وتربیت کی نگرانی براہِ راست وحی آسمانی کررہی تھی اور جن کا امتحان خالق کائنات نے لیا، جب ان کی تعلیم وتربیت کا ہر پہلو سے امتحان ہوچکا تو اللہ تعالیٰ نے رضائے الٰہی کا سرٹیفکیٹ اور سند "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ" فرماکر عطا کی اور انہیں پوری انسانیت کی تعلیم وتربیت اور تلقین وارشاد کا منصب عنایت فرمایا گیا، غرض یہ کہ انبیاء کے بعد صحابہؓ کی جماعت ہی ایسی ہے جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت بھی وحی الٰہی کی نگرانی میں ہوئی اور خوشنودی بھی اللہ عزوجل نے عنایت فرمائی اور ان کا مقام ومرتبہ امت میں اتنا بلند ہوگیا کہ بقولِ امام ربانی مجدد الفِ ثانیؒ کے:

"ہیچ ولی بہ مرتبۂ صحابی نہ رسد، اویس قرنی بہ آں رفعتِ شاں کہ شرفِ صحبتِ خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات نہ رسد۔ شخصے از عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ پرسید: أیهما أفضل، معاویة أم عمر بن عبد العزیز؟ درجواب فرمود: الغار الذي دخل انف فرس معاويةؓ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خير من عمر بن عبد العزيز كذا مرة."

"کوئی ولی کسی صحابیؓ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اویس قرنی اپنی تمام تر بلندیٔ شان کے باوجود چوں کہ آنحضرت ﷺ کے شرفِ صحبت سے مشرف نہ ہوسکے، اس لیے کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہ پہنچ سکے، کسی شخص نے عبد اللہ بن مبارک سے پوچھا: سیدنا معاویہؓ افضل ہیں یا سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ؟ تو جواباً ارشاد فرمایا: آپ ﷺ کی معیت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے کئی گناہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام کے ہر ظاہر وباطن سے واقف تھے، یقیناً اللہ کو اس کا بھی علم تھا کہ آئندہ ان سے کیا کیا لغزشیں صادر ہوں گی، یہ سب جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا اعزاز عطا فرمایا۔

---

(۱) مسند احمد: ۲؍۳۲۴

ابلیس کس لیے دھتکارا گیا؟

سوال: شیطان یا ابلیس کے بارے میں بتائیں کہ وہ کس طرح اللہ کے قریب ہوا اور پھر کس طرح دھتکار دیا گیا؟ نیز ابلیس کے معنی کیا ہیں؟

جواب: ابلیس اور شیطان یہ دونوں حقیقت میں ایک ہی نام کے دو مفہوم یا دو معانی ہیں، ابلیس، ابلاس سے ہے، جس کا معنی ہے مایوسی اور ناامیدی، ابلیس رحمتِ الٰہی سے مایوس اور ناامید ہوگیا ہے، لہٰذا اسے ابلیس کہا گیا، اسی طرح شیطان شطن سے ہے، جس کے معنی خیر اور رحمت سے دوری کے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ ابلیس اللہ کی بارگاہ سے دور اور مایوس کیوں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان تین بڑے گناہوں کی وجہ سے راندۂ بارگاہِ الٰہی ہو اور اسے الرجیم بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ بارگاہِ الٰہی سے دھتکارا ہوا ہے، حسد، تکبر اور انانیت یہ تین وہ بڑے گناہ تھے جن کی وجہ سے ابلیس نے چوتھے بڑے گناہ کی جرأت کی، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا۔ (۱) بعض علماء نے ارشاد فرمایا کہ آسمان والوں کا پہلا گناہ تکبر وانانیت تھا، جو ابلیس نے اختیار کیا اور زمین والوں کا پہلا گناہ حسد تھا، جو آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کو دوسرے سے ہوا۔

خضر علیہ السلام سے متعلق بے بنیاد باتیں

سوال: یہ بات مشہور کہ سیدنا خضر علیہ السلام عموماً دریاؤں اور صحراؤں میں ملتے ہیں اور عید کے دن ہر مسلمان سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے، نیز یہ بات مشہور ہے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات پر ایک سفید ریش شخص آیا اور آپ ﷺ کے پاس کھڑے ہو کر بہت رویا پھر چلا گیا، اس کے بعد صحابۂ کرام نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کی کہ یہ شخص کون تھا؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ خضر علیہ السلام تھے، کیا یہ باتیں

---

(۱) یہ معارف القرآن: ۱/۱۸۹-۱۹۰، اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت: ۳۵ کی تفسیر میں کسی بھی تفسیر کی کتاب میں ملاحظہ کیا

درست ہیں؟اور ان کی کوئی بنیاد یا دلیل ہے؟

(حافظ محمد سلیم، القریات)

جواب: آپ کے سوال کا تعلق صاحب موسیٰ خضر سے ہے، اس کا صحیح تلفظ خضر ہے، خضر وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کو ساحل سمندر پر ملے تھے، کئی صحیح احادیث سے یہ بات اور ان کا نام خضر ثابت ہے، خضر کے بارے میں جمہور علمائے امت کی رائے یہی ہے کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے، یہی صحیح بات ہے، البحر المحیط میں ہے:

"و الجمهور على أنه مات "(۱)

"جمہور علماء اس پر ہیں کہ ان کی وفات ہو چکی۔"

باقی یہ کہ یہ عموماً دریاؤں کے کنارے لوگوں سے ملتے ہیں یا عید کے دن مصافحہ کرتے ہیں یا انہوں نے رسولِ کریم ﷺ کا جنازہ پڑھا ہے، یہ ساری باتیں بے سند و بے بنیاد ہیں اور کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔

۞☆۞☆۞☆۞

(۱) البحر المحيط : ۱٤۷/٦

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

١٣٧١

سوال وجواب

حصہ : سوم

چوتھا باب

نذر وقسم

علم بالقلم

١٤٠٠

قسم کی قسمیں

سوال: گپ شپ لگاتے ہوئے اگر کسی آدمی نے یہ کہا کہ: "قسم سے میں نے یہ کام کیا" حالانکہ اس نے وہ کام نہیں کیا یا کہا کہ "اللہ کی قسم میں نے دیکھا" حالانکہ اس نے وہ نہیں دیکھا تو ایسی صورت میں یہ جھوٹ تو ہے لیکن قسم کا کیا حکم ہے؟

(لاچی خان، جدہ)

جواب: جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ اور قرآن و حدیث میں جھوٹوں پر اللہ و رسول کی طرف سے لعنت بھیجی گئی ہے اور جھوٹی قسم کھانے کا گناہ عام جھوٹ سے بھی زیادہ ہے، لیکن قسم کا معاملہ اس سے مختلف ہے، فقہاء نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں: یمین لغو، یمین غموس، اور یمین منعقدہ (عربی میں یمین کے معنی قسم کے آتے ہیں) یمین لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا ارادہ زبان سے نکل جائے، یعنی آدمی کے قسم کھانے کا کوئی ارادہ نہیں، لیکن باتوں باتوں میں قسم کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا پھر قسم کا کوئی لفظ کسی شخص، یا پھر قسم کا کوئی لفظ کسی شخص کا تکیہ کلام ہو، یا کوئی لفظ عرف عام میں قسم کے علاوہ تاکید کلام کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے یہاں عام بول چال میں "واللہ" کا لفظ ہے (عربی استعمال میں بھی واللہ کا لفظ قسم کے علاوہ صرف کلام میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لیے آتا ہے) اس طرح کی قسم کو "یمین لغو" کہتے ہیں، اس میں قسم کھانے والے پر کوئی مواخذہ نہیں، نہ قسم کا گناہ ہوگا اور نہ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ واضح

رہے کہ اگر کوئی اس طرح جھوٹ بات اپنی زبان سے نکالے تو جھوٹ کا گناہ بہر حال اس کے ذمہ رہے گا۔)

قسم کی دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے ارادہ واختیار سے گزرے ہوئے زمانہ کے بارے میں جھوٹی قسم کھائے، مثال کے طور پر آج ایک شخص نے فجر کی نماز نہیں پڑھی اور اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس نے فجر کی نماز آج نہیں پڑھی ہے، لیکن پھر بھی جانتے بوجھتے عمداً جھوٹی قسم کھاتے ہوئے یہ کہے کہ: ''اللہ کی قسم آج میں نے فجر کی نماز پڑھی'' تو اس قسم کو ''یمین غموس'' کہتے ہیں، اسی طرح ایک شخص نے کوئی کام کیا، لیکن عمداً قسم کھا کر یہ بات کہے کہ اس نے وہ کام نہیں کیا تو یہ بھی یمین غموس ہے۔ یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ بالاتفاق ایسا شخص گنہگار ہے، اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اس جھوٹی قسم پر سچے دل سے معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے، چنانچہ تنویر الابصار میں ایسا ہی لکھا ہے: و هي غموس إن حلف علىٰ كذب عمداً كوالله ما فعلت عالماً بفعله أو كوالله ما له علىٰ ألف عالماً بخلافه، و والله انه بكر عالماً بأنه غيره، و يأثم بها (فتلزمه التوبة) (۱)

البتہ اس قسم کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ (یعنی قسم کا کفارہ) واجب نہیں، یہی امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ کا مسلک ہے، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارۂ قسم واجب ہے (یعنی قسم توڑنے کا جو کفارہ ہے وہی کفارہ اس جھوٹی قسم پر بھی ادا کرنا ہوگا) زحیلی لکھتے ہیں: و حكمها عند الجمهور و منهم الحنفية و المالكية و الحنابلة على الراجح عندهم: أنه يأثم فيها صاحبها أو يجب عليه التوبة و الاستغفار و لا كفارة عليه بالمال

و قال الشافعية و جماعة: تجب الكفارة فى اليمين الغموس. (۲)

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص گزرے ہوئے زمانہ کے بارے میں کسی بات پر جھوٹی قسم کھائے، لیکن اپنے گمان اور خیال میں وہ سچا ہو اور بعد میں پتہ چلے کہ اس نے

---

(۱) تنوير الابصار على هامش الدر المحتار ٤ ٦ (۲) الفقه الاسلامي و ادلته ۳ ۳۶۲، ٦٣

جھوٹی قسم کھائی ہے، تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں، اس طرح اس صورت میں یہ قسم بھی "یمین لغو" ہی کے حکم میں ہوگی، مثال کے طور پر خالد ایک ہفتہ قبل سلیم کے گھر گیا اور پھر بھول گیا، چنانچہ قسم کھاتے ہوئے وہ یہ کہے کہ میں دو ہفتے سے سلیم کے گھر گیا ہی نہیں (اور قسم کھاتے وقت وہ اپنے آپ کو سچا سمجھ رہا ہے، بعد میں اسے یاد آیا کہ میں نے تو جھوٹی قسم کھائی، کیوں کہ ایک ہفتہ قبل ہی اس کے گھر میں گیا تھا) تو یہ قسم بھی "یمن لغو" ہی کے حکم میں سمجھی جائے گی، یعنی اس پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں۔

یمین کی تیسری قسم "یمین منعقدہ" ہے، جس میں بالاتفاق قسم کھانے والا (قسم توڑنے پر) گنہگار بھی ہوتا ہے اور اس پر دنیا میں سزا کے طور پر کفارہ بھی واجب ہے۔ "یمین منعقدہ" یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کے نام پر یا اس کی صفات کے ذریعہ قسم کھا کر کہے کہ "فلاں کام کروں گا یا" میں فلاں کام نہ کروں گا، یعنی زمانۂ مستقبل کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی جائے، اگر کوئی اللہ کا ذاتی یا صفاتی نام ذکر کیے بغیر ہی یہ کہے کہ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے فلاں کام نہ کروں گا، تب بھی یہ قسم ہی سمجھی جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یمین منعقدہ میں دل کے ارادہ کا ہونا بھی ضروری نہیں، یعنی اگر کوئی شخص الفاظِ قسم کے ذریعہ آئندہ زمانہ کے بارے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی سہواً قسم کھالے، یا اس سے زبردستی قسم لی جائے تب بھی اس کی قسم معتبر ہوگی، یعنی اس کے توڑنے پر اس شخص کو کفارہ ادا کرنا پڑے گا، جبکہ دیگر ائمہ کے یہاں اس قسم کے انعقاد میں بھی نیت و ارادہ ضروری ہے، زبردستی یا سہواً کھائی گئی قسم معتبر نہ ہوگی، زحیلی کا بیان یہی ہے: الكفارة تجب في اليمين المنعقدة عند الحنفية و المالكية سواء كان الحانث عامدا أم ساهيا أم مخطئا أم نائما أم مغمى عليه أم مجنونا أم مكرها و قال الشافعية و الحنابلة : لا كفارة و لا حنثه على غير المكلف كالصبي و المجنون و النائم .(۱)

قسم اگر گناہ کی کھائی گئی ہو تو اس کا توڑنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے اور اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی گئی ہو تو قسم کو پورا کرنا چاہیے، یہی اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت

(۱) الفقه الاسلامي و أدلته : ۳/۳٦۸

و حرمت کا تقاضہ ہے، اگر قسم توڑ دے گا تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو (صبح و شام) کھانا کھلائے، یا اتنے ہی مسکینوں کو کپڑا پہنائے، اگر اس کی استطاعت و قدرت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھے، قسم کے سلسلے میں ارشادِ باری ہے: "اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری لغو قسم کے بارے میں مؤاخذہ نہیں کرے گا، لیکن اس (ضرور) مواخذہ کرے گا، جس قسم کو تم نے (ارادہ کے ساتھ) کھایا ہے"(۱) پس اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے یا غلام آزاد کیا جائے، اگر کوئی نہ کر سکے تو تین دن روزہ رکھے، یہی تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھاؤ تو اپنے قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات (احکام کو) کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔"

قسم کے سلسلے میں کئی جزئیات فقہ کی کتابوں میں ملتی ہیں اور عام بول چال میں قسم کے استعمال کے لحاظ سے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، لیکن یہاں اس کی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی (یمینِ منعقدہ میں) قسم کھاتے ہوئے مثلاً إن شاء اللہ کہہ دے تو اس قسم کا اعتبار نہ ہوگا، یعنی قسم منعقد نہ ہوگی اور اس کے خلاف کرنے پر قسم توڑنے کا کفارہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح اگر کوئی طلاق کے ساتھ یمین لغو یا یمین غموس کا استعمال کرے، مثلاً اپنی بیوی سے عمداً جھوٹی قسم کھا کر کہے کہ میں نے تمہیں پہلے ہی طلاق دی ہے (حالانکہ اس سے قبل اس نے طلاق نہ دی ہو) تو اگرچہ اس پر کفارۂ یمین واجب نہیں، جیسا کہ اوپر گزرا، لیکن وقوعِ طلاق میں یہ قول معتبر ہوگا اور اس طرح سے بھی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، کیوں کہ نکاح و طلاق اور عتاق (غلام کی آزادی) کے سلسلے میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ یہ جملے مذاق میں بھی کہے جائیں تو معتبر ہوں گے اور نکاح و طلاق واقع ہو جائیں گے۔

زندگی بھر نہ بولنے کی قسم

سوال: پاکستان میں ہم آٹھ لڑکوں کا گروپ تھا، کسی بات پر ایک لڑکا

---

(۱) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸۹

میرے سواسب سے ناراض ہو گیا، باقی تمام نے زندگی بھر اس سے نہ بولنے کی صلح نہ کرنے کی قسم کھالی، بعد میں اس لڑکے نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مجھ سے ساتھیوں کے درمیان صلح کرانے کی درخواست کی، لیکن وہ لوگ اپنی قسم پر قائم ہیں، دو تین نے قسم کا کفارہ ادا کر کے صلح کی خواہش ظاہر بھی کی تو ایک مولوی صاحب نے کہا کہ قسم کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، وہ یہ سن کر کہنے لگے کہ ہم میں اتنی استطاعت نہیں، لہٰذا ہم صلح ہی نہیں کرتے؛ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ اب کیا کیا جائے؟

(شبیر بدر، ابو عریش)

عذرِ شرعی کے بغیر تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق جائز نہیں، رسولِ کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی صلح صفائی کی اتنی تاکید ہے کہ اس کے لیے شریعت میں ایک حد تک جھوٹ کو بھی گوارا کیا گیا ہے، لہٰذا آپ کے ساتھیوں کا آپس میں قطع تعلق جائز نہیں، انہیں چاہیے کہ اپنی ساتھی سے بات چیت شروع کر دیں اور صلح کر لیں، پھر قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دیں۔

قسم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محترم و مبارک اور باعظمت نام اس لیے نہیں کہ اسے ناجائز اور خلافِ شرع کاموں میں استعمال کیا جائے اور جائز کاموں کے کرنے میں اسے رکاوٹ بنایا جائے، چنانچہ احادیث میں صراحت موجود ہے کہ کسی گناہ کے کام پر قسم کا کھانا جائز نہیں اور اگر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے تو اسے قسم توڑنا ضروری ہے، ورنہ آدمی دوہرے گناہ کا مستحق ہوگا، گناہ کرنے کا اور اس کے کرنے کی قسم کھانے کا، قسم کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا نہیں، بلکہ دس مسکینوں کو (دو وقت یعنی صبح و شام) کھانا کھلانا یا انہیں کپڑا پہنانا ہے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن مسلسل روزے رکھنا قسم کا کفارہ ہے۔ (۱) واضح رہے کہ جن جن ساتھیوں نے بھی قسم کھائی انہیں قسم توڑنے کا الگ الگ کفارہ ادا کرنا پڑے گا، یہ

(۱) مائدہ : ۸۹

نہیں کہ سب مل کر دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

جھوٹی قسم کا کفارہ

سوال : ایک شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر جھوٹی قسم کھاتا ہو تو اس گناہ کی توبہ کیسے کی جاسکتی ہے؟ نیز اس وقت سے تاحال جتنی عبادتیں کیں وہ ضائع تو نہیں ہو گئیں؟ (م ن، جدہ)

جواب : جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے، احادیث میں ایسے شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے جو شخص جھوٹی قسم کھالے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگے اور کثرت سے استغفار پڑھتا رہے، اس گناہ کی وجہ سے اس کی دیگر عبادتیں انشاء اللہ ضائع نہیں ہوں گی، یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جب بھی بوقتِ ضرورت قسم کھانی پڑے تو اللہ کی قسم کھائی جائے، غیر اللہ کی قسم مثلاً قرآن کی، کلمہ کی، یا کسی انسان کی قسم کھانا جائز نہیں، جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے۔

جھوٹی قسم کھانا جائز نہیں

سوال : کیا حالات کی وجہ سے کسی مسلمان مرد یا عورت کی زندگی بنانے کے لیے جھوٹی قسم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب : جھوٹی قسم کھانا ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے، بلکہ کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ ہے، صحیح بخاری میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے بڑے گناہ بتلاؤں؟ ہم نے کہا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، آپ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سیدھے ہو کر ارشاد فرمانے لگے، خبردار جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، خبردار اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی (راوی کہتے ہیں کہ) آپ ﷺ بار بار یہ بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے۔(۱) صحیح بخاری ہی میں اسی کے بعد سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) بخاری عن أبي بكرة : ۹/۲٤ كتاب استتابة المرتدين

مروی ہے کہ آپ ﷺ سے کبائر (کبیرہ گناہوں) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے ساتھ شریک کرنا، کسی نفس کو (ناحق) قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، پھر فرمایا کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں بھی سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ فرمایا: جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی" عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أكبر الكباء لا شراك بالله و قتل النفس و عقوق الوالدين و قول الزور أو قال و شهادة الزور. (۱) قرآن پاک میں ارشادِ باری ہے کہ " جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔" (آلِ عمران: ۶۱ نور: ۷) ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے دوسروں کو صرف ہنسانے کے لیے ہنسی مذاق کے طور پر جھوٹ بولنے والے پر بھی ہلاکت کی وعید سنائی، لہٰذا جھوٹی بات، جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم، کسی صورت میں جائز نہیں، اس سے بچنا چاہیے، اگر کوئی جھوٹی قسم کھالے، یا جھوٹی گواہی دے تو وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہیے اور کثرت سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

وعدہ خلافی نفاق کی علامت ہے

سوال: ایک شخص نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کسی سے حلفیہ کوئی وعدہ کیا، بعد میں اسے پورا نہ کرسکا، جس سے دوسرے شخص کی دل آزاری ہوئی، اب اس شخص کا دل وعدہ کا پاس نہ کرکے پشیمان ہے، اب اس شخص کو قسم یا حلف کے پورا نہ کرنے پر کیا کفارہ ادا کرنا چاہیے؟

(صغیر احمد، حفر الباطن)

جواب: وعدہ کرکے پورا نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ایک صحیح حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ منافق کی نشانیاں تین ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے اور اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (۲) اس شخص کو چاہیے کہ وعدہ خلافی ہے جس شخص کی دل آزاری ہوئی

(۱) بخاری عن أنس: ۹/۵ كتاب الديات (۲) بخاری عن أبي هريرة: ۱/۲۶ باب علامة المنافق كتاب الايمان

ہے،اس سے معافی مانگے، پھر حلفیہ وعدہ تھا، لہٰذا قسم کے توڑنے کا کفارہ بھی ادا کرے اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو پیٹ بھر دو وقت (صبح وشام) کھانا کھلائے یا نہیں متوسط درجہ کا کپڑا پہنائے، اگر اس کی استطاعت و قدرت نہ ہو تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے (۱) یاد رہے کہ اگر صرف قرآن پر ہاتھ رکھا اور قسم کا لفظ نہیں بولا تو یہ قسم نہیں ہوگا اور کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔

جھوٹی قسم

سوال: اگر کسی سے کوئی بات معلوم کرنی ہو اور اس سے کہا جائے کہ تم قسم کھاؤ، تو کیا یہ جائز ہے، اگر کوئی جھوٹی قسم کھالے تو اس کا گناہ کتنا ہے؟

(ایک بہن، الخبر)

جواب: معمولی معمولی باتوں پر قسم کھانا اور کسی سے قسم کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں ہے، اگر کوئی اہم معاملہ ہو اور فریقین کے پاس کوئی ثبوت یا دلیل نہ ہو تو قسم کھائی جاسکتی ہے اور اس کا مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ ضرورت پڑنے پر بھی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھانی چاہیے، کسی اور چیز کی نہیں۔

جھوٹی قسم کا گناہ بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جھوٹی بات کو شرک کے ساتھ ذکر کرکے اس سے بچنے کا حکم فرمایا ہے، (۲) نیز ایک صحیح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے شرک، والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی کو "اکبر الکبائر" یعنی کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے گناہ قرار دیا (۳) اسی طرح بعض صحیح احادیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق دبالے، تو وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس سے سخت ناراض ہوگا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: من حلف علی یمین و ھو فیھا فاجر لیقتطع بھا مال امرأ مسلم لقی اللّٰہ و ھو علیه غضبان . (۴) جھوٹ بولنے پر اللہ کی لعنت ہے (جیسا کہ مختلف جگہوں پر

---

(۱) مائدہ: ۸۹ (۲) سورۂ حج: ۳۰ (۳) بخاری عن أنس کتاب الدیات (٤) ترمذی عن ابن مسعود، باب ما جاء فی الیمین الفاجرۃ

قرآن پاک میں مذکور ہے) تو یقینا جھوٹی گواہی دینے اور جھوٹی قسم کھانے والے لعنتِ الٰہی کے مستحق اور رحمتِ الٰہی سے دور ہیں۔

قسم توڑنے کا کفارہ

سوال : میرا ایک دوست ایک لڑکی سے پیار کرتا ہے، دونوں نے جذبات میں آکر قسم کھائی تھی کہ ایک دوسرے کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کریں گے، اب لڑکی کے والدین دوسرے لڑکے سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اب کیا لڑکی اور لڑکے کو اپنا فیصلہ بدل کر دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہے یا ان کو اپنی شادی سے پہلے کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

(نوید ظفر، ریاض)

جواب : ہاں، دونوں کو اپنا فیصلہ بدل کر دوسری جگہ شادی کرنا جائز بلکہ امید ہے کہ یہی بہتر ہوگا، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک اگر چہ بالغ لڑکے اور لڑکی کو اپنا رشتہ خود منتخب کرنے کی اجازت ہے، لیکن عام طور پر ایسے "جذباتی رشتے" ناکام ہوتے ہیں اور ان کی انتہا طلاق پر ہوتی ہے، اس لیے والدین اور بڑوں کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر ان کے فیصلہ اور اختیار کو تسلیم کرنے ہی میں عافیت ہے، دوسری جگہ شادی کرنے سے ان کی قسم ٹوٹ جائے گی، اس لیے شادی کے بعد دونوں کو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دس مسکینوں کو دو وقت (یعنی صبح و شام) کھانا کھلائے، یا انہیں کپڑا پہنائے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر تین دن روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ . " (۱)

" اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن (غلام یا باندی) آزاد کرنا

---

(۱) مائدہ آیت نمبر: ۸۹

اور جس کو قدرت نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں، یہ کفارہ ہے
تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو)

معمولی باتوں پر قسم کھانا

سوال: یہاں اکثر لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی واللہ بولتے ہیں، کیا اس طرح معمولی باتوں پر قسم کھانا جائز ہے؟ (چنگیز اقبال، جدہ)

جواب: معمولی باتوں پر اگرچہ قسم نہیں کھانی چاہیے، لیکن لفظ واللہ یہاں عام طور پر اکثر لوگوں کا تکیہ کلام ہوتا ہے، جو صرف تاکید کے مقصد سے بولا جاتا ہے، قسم کے ارادہ سے نہیں، اس طرح اس کا شمار شرعاً قسم میں نہیں ہوگا، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

" إن اللغو ما يجرى بين الناس من قولهم : لا واللّٰه و بلى و اللّٰه " (۱)

"نہیں، اللہ کی قسم، ہاں، واللہ اس طرح کے کلمات جو لوگوں کا تکیہ کلام ہوتے ہیں، لغو ہے۔"

قسم کا کفارہ

سوال: میرے دوست نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ زندگی بھر فلاں کام نہیں کرے گا، کیا میرا دوست اس قسم کا زندگی بھر کے لیے پابند ہوگیا اور اگر ہوگیا تو اس کا کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا؟

(جاوید عبدالنعیم، الخبر)

جواب: قسم کے بعد آدمی پابند ہوجاتا ہے، جس طرح قسم کھائی جائے اسی طرح پابندی عائد ہوجاتی ہے، چوں کہ آپ کے دوست نے زندگی بھر فلاں کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اس لیے وہ زندگی بھر کے لیے اس قسم کے پابند ہوگئے، اب اگر آپ کے دوست وہ کام کریں گے، جس کے نہ کرنے کی انہوں نے قسم کھائی تھی تو انہیں قسم کے توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

---

(۱) ردّ المحتار: ۸/۴

قسم اگر اچھی بات پر کھائی جائے تو اس کی حفاظت کرنا اور اسے نہ توڑنا بہتر ہے، لیکن اگر کسی گناہ کی قسم کھائی گئی ہو تو اسے توڑ کر کفارہ ادا کرنا چاہیے، آپ کے دوست نے اگر کسی غلط اور برے کام کے بارے میں قسم کھائی ہو کہ اسے نہ کریں گے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس کی رعایت کریں اور قسم نہ توڑیں، لیکن اگر کسی نیک یا جائز کام کے بارے میں قسم کھائی کہ اس کو زندگی بھر نہ کریں گے تو ایسی صورت میں ان کے لیے بہتر ہے کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کریں، یہی بات ہندیہ میں ہے: نوع منها يجب إتمام البر فيها هو أن يعتقد على فعل طاعة أمر به أو امتناع عن معصية و ذلك فرض عليه قبل اليمين و باليمين يزداد وكادة ، و نوع لايجوز حفظها و هو أن يحلف على ترك طاعة ائو فعل معصية .(۱)

نذر پوری کرنے کی استطاعت نہ رہ جائے

سوال: میری ساس نے بیت اللہ شریف میں ایک منت مانی تھی کہ اگر میری لڑکی کی فلاں گھر میں شادی ہو جائے تو میں ہر جمعہ کو روزہ رکھوں گی، یہ نہیں کہا تھا کہ کتنی مدت تک، اب بڑھاپے اور گھر کے کاموں کی وجہ سے روزہ رکھنے میں بڑی مشکل پیش آرہی ہے، لہٰذا اب روزہ چھوڑنے کا خیال ہے، ان کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

جواب: انسان بسا اوقات خود اپنے اوپر ایسی چیزیں واجب کر لیتا ہے جو اس کی استطاعت وہمت سے باہر ہوتی ہیں، لہٰذا نہ تو انہیں پورا کر سکتا ہے، نہ ہی اس کا نعم البدل ادا کر سکتا ہے، یہی معاملہ منت ماننے کا ہے (یعنی نذر ماننا) انسان منت مانتے ہوئے اچھی طرح سوچ لے کہ آیا وہ اس منت کو پورا کر سکے گا کہ نہیں؟

منت کی پہلی شرط یہ ہے کہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، چوں کہ منت عبادت ہے، لہٰذا یہ غیر اللہ کے لیے ناجائز اور حرام ہے، منت کا پورا کرنا واجب ہے، گھر کا کام شرعی عذر نہیں ہے کہ متعین نذر مانے ہوئے

(۱) هندية : ۱ / ۵۲ ط:بيروت

روزے نہ رکھنے کی اجازت ہو، اس صورت میں تو بہر حال روزہ رکھنا ہوگا، لیکن بڑھاپے کی وجہ سے قدرت نہ ہو تو ہر جمعہ کے روزہ کے بدلہ ایک فدیہ ادا کریں، روزہ کا فدیہ یہ ہے کہ نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت کسی محتاج کو دے دے اور دل میں یہ خیال بھی رکھے کہ اگر قدرت ہوتی تو میں روزہ ہی رکھتی، بس ایسی صورت میں امید ہے کہ اللہ نذر سے واجب شدہ روزے ذمہ سے ساقط فرمادے گا، قرآن کریم میں اللہ کا ارشاد ہے:

"وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ." (۱)

"جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں، ان کے ذمہ ایک غریب کا کھانا دینا ہے۔"

نذر ماننا

سوال: اگر کوئی آدمی اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے یہ کہے کہ اے رب قدوس! میرا فلاں کام کردے، میرا اگر یہ کام ہو گیا تو میں اس خوشی میں عمرہ ادا کروں گا، یا مدینہ پاک کی زیارت کروں گا؛ کیا ایسا کہا جا سکتا ہے؟

(گل عالم، جدہ)

جواب: ایسا کہنا اگرچہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ بات نہیں ہے، لیکن جائز ہے، اس طرح اپنے اوپر کسی چیز کے لازم کر لینے کو نذر کہتے ہیں، غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا تو بہر صورت ناجائز بلکہ شرک ہے، اللہ کے نام کی نذر جائز ہے، نیز اگر وہ کام ہو جائے تو جس چیز کی نذر مانی تھی، اس کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، بشرطیکہ وہ کام ناجائز نہ ہو جس کی نذر مانی گئی ہے، حصکفی رقمطراز ہیں: من نذر نذراً مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب و هو عبادة مقصودة و وجد الشرط لزم الناذر كصوم و صلاة و صدقة و اعتكاف. (۱)

---

(۱) تنویر الابصار مع الدر المختار ۴ ۳۸ بیروت

نذر کس طرح پوری کریں؟

سوال: میں نے ایک نذر مانتے ہوئے زبان سے یہ کہا تھا کہ اے اللہ اگر آپ میری مراد پوری کر دیں تو میں بیل ذبح کروں گا، اللہ تعالیٰ نے میری مراد پوری فرمادی، اب کیا میں بیل ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت نقد صدقہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟

(گل عالم، جدہ)

جواب: اگر کسی معصیت اور گناہ کی نذر نہ ہو تو جس طرح نذر مانی گئی اسی طرح اسے پورا کرنا ضروری ہے، اس مسئلہ میں آپ نذر کے مطابق جانور ذبح کر کے فقراء اور مساکین میں گوشت تقسیم کر سکتے ہیں اور چاہیں تو اس کی قیمت بھی صدقہ کر سکتے ہیں، دونوں میں سے کسی بھی صورت کو اپنانے سے نذر پوری ہو جائے گی، در مختار میں ہے:
نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه .(۱)

وعدہ پورا نہ کرنے پر کفارہ

سوال: میں نے سعودی عرب آنے سے پہلے کسی سے وعدہ کیا تھا اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ میں تمہارے فلاں رشتہ دار کو ایک سال کے اندر سعودی عرب بلواؤنگا، لیکن اب ایک سال گزر گیا ہے اور میں اپنے حالات کی وجہ سے اسے یہاں نہیں بلا سکا؛ کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟

(عارف حسین، بریدہ القصیم)

جواب: اگر آپ نے وعدہ کیا تھا تو اپنے وعدے کو پورا کرنے کی کوشش کریں اور جب بھی موقع ہو اس آدمی کو یہاں بلالیں، آپ کے حالات اگر یہ اجازت نہیں دیتے کہ آپ انہیں بلا سکیں تو آپ پر کوئی کفارہ نہیں ہے، البتہ اگر آپ نے قسم کھائی ہو کہ میں ایک سال میں فلاں آدمی کو ضرور یہاں بلاؤنگا اور ایک سال میں نہ بلا سکیں تو قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا

(۱) در مختار: ۴/۴۵ ط: بیروت

الزام دور کرنے کے لیے قسم کھانا

سوال: ہم تقریباً بارہ لوگ ایک روم میں رہتے ہیں، جو ہماری کمپنی کی طرف سے مہیا کیا گیا ہے، ایک ساتھی کے ۲۳۰۰/ ریال چوری ہو گئے، باہر سے آنے جانے والے پر شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس لیے ہمارے ساتھی نے ہم سب سے فرداً فرداً پوچھا، سبھی نے انکار کیا، یقین نہ آنے پر سب کو حرمِ مکہ لے جا کر قسم کھلوائی، ظاہر ہے کہ اگر کوئی وہاں جا کر قسم کھانے سے انکار کرتا تو سب اسی پر شک کرتے، لہٰذا سبھی نے وہاں چل کر قسم کھائی؛ شرعاً اس عمل کی کیا حیثیت ہے؟ کیا ہم سب کا اس طرح قسم کھا کر یقین دلانا درست ہے اور ہمیں قسم کھانے پر جس طرح مجبور کیا گیا وہ صحیح و درست ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرما کر ہم سب کی ذہنی پریشانی دور فرمائیں۔

(سید حسن خان، جدہ)

جواب: اس طرح کے باہمی اختلافات میں فریق مخالف کے بیان پر اعتماد نہ ہو تو شک و شبہ اور بد گمانی سے بچنے کے لیے اس سے قسم لی جا سکتی ہے، تاہم جس شخص کی رقم چوری ہو گئی، اس کے لیے زیادہ عزیمت کی بات یہ تھی کہ قسم پر مجبور کیے بغیر ساتھیوں کے سادہ بیان پر یقین کر کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر لیتا اور صبر سے کام لیتا، صحیح احادیث میں کسی چیز کے گم ہو جانے، چوری ہو جانے پر بھی صدقہ و خیرات کے ثواب کی بشارت ہے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں یقین ہو کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر بھی جھوٹ بولے گا اور جھوٹی قسم کھائے گا، تو اسم الٰہی کی عظمت و احترام کے پیش نظر قسم پر مجبور کرنا درست نہیں، ہاں شرعی قاضی اور جج کو اس کا حق حاصل ہے، کیوں کہ شرعاً مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو فریق مخالف کی قسم پر ہی فیصلہ کا دار و مدار ہوتا ہے۔

جن ساتھیوں نے قسم کھائی ہے، اگر انہوں نے سچی قسم کھائی ہو تو انہیں بہر حال کسی ذہنی پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ اپنے

اوپر سے الزام یا شک وشبہ دور کرنے کے لیے بچی قسم کھانا جائز ہے، ہاں اگر ساتھیوں میں سے ہی کسی نے رقم چوری کی اور پھر جھوٹی قسم کھائی تو انہیں ذہن میں اب بھی رکھنا چاہیے کہ جھوٹی قسم گناہِ کبیرہ ہے، بالخصوص حرمِ محترم میں جاکر قسم کھانا اور بھی خطرناک ہے، عذابِ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب آسکتا ہے، ایسے شخص کو اللہ کے سامنے اپنی اس غلط حرکت پر انتہائی ندامت کے ساتھ استغفار ضروری ہے، کیوں کہ صحیح احادیث میں جھوٹی قسم کی بڑی سخت وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ایسے شخص کے لیے جنت حرام قرار دی گئی جو اپنے کسی مسلمان بھائی کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھاتا ہو، پھر چوری خود ایسا سنگین جرم ہے، جس کی سزا شریعت نے قطع ید (ہاتھ کاٹنا) مقرر کی ہے، لہٰذا مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ رقم واپس کر کے ساتھی سے بھی معافی مانگے اور اللہ تعالیٰ سے بھی توبہ واستغفار کرے۔

نذر کا پورا کرنا ضروری ہے

سوال: میرے ہاں جب پانچویں اولاد متوقع تھی، تو میں نے اللہ سے نذر مانی تھی کہ اولادِ نرینہ ہوگی تو اسے حافظ قرآن بناؤں گا، نیز مجھ سے بڑی ایک بہن لاولد ہو، وہ اسے گود لیں گی، چوں کہ میرے یہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں موجود تھے، اس لیے میں ان کی خواہش پوری کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا، چنانچہ اپنی والدہ اور بیوی کے مشورہ سے حامی بھر لی، ساتھ ہی یہ واضح کر دیا کہ اولادِ نرینہ ہونے کی صورت میں اسے حافظِ قرآن بنانے کی میں نے نذر مانی ہے، انہوں نے بھی وعدہ کر لیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، الحمد للہ لڑکا ہوا اور بہن نے گود لے لیا، لیکن انہوں نے وعدہ اپنا پورا نہیں کیا اور بچے کو قرآن حفظ نہیں کرایا، اس بات کو تقریباً دس سال ہو چکے ہیں، اس وقت بچے کی ذہنی کیفیت بھی ادھر مائل نہیں ہے اور مجھے امید نہیں کہ لڑکا قرآن حفظ کر سکے گا،

ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟ اگر ہے تو کیسے ادا کرنا ہوگا؟ مجھے یا میری بہن کو؟

جواب: چوں کہ آپ نے نذر مانی ہے اور بیٹا بھی آپ کا ہے، لہٰذا آپ اپنی طرف سے پوری کوشش کریں کہ یہ نذر پوری ہو اور اپنی بہن کو سمجھائیں کہ شرعی طور پر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے، جو انسان کی استطاعت میں ہو اور گناہ کے کام کی نذر نہ ہو۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ اب بچے کی ذہنی کیفیت حفظِ قرآن کے قابل نہیں ہے، چنانچہ اگر کوشش کے باوجود لڑکا حفظِ قرآن نہ کر سکے تو آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں، البتہ نذر پوری کرنے کا کفارہ دینا پڑے گا اور نذر چوں کہ آپ نے مانی ہے، لہٰذا یہ کفارہ آپ کو ادا کرنا ہوگا نہ کہ آپ کی بہن کو، نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم توڑنے کا ہے۔(۱)

نذر کسی بھی وقت پوری کی جاسکتی ہے

سوال: اچانک میری والدہ کی طبیعت خراب ہوگئی، تو میں نے یہاں کئی مرتبہ اللہ سے یہ منت مانی تھی کہ والدہ صحت یاب ہو جائیں گی تو گاؤں (محلہ) والوں کو کھانا کھلاؤں گا، اب الحمد للہ والدہ کی صحت بڑی حد تک ٹھیک ہے، گھر والوں کا کہنا ہے کہ وطن آنے کے بعد کھانا کھلایا جائے جب کہ مجھے وطن جانے میں ایک سال باقی ہے! ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟

(عبد اللطیف، نجران)

جواب: اگر آپ نے اپنی منت کو کسی وقت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو یا منت نہ مانی ہو کہ صحت ہونے کے بعد فوراً بعد کھانا کھلاؤں گا تب تو ایسی صورت میں اس نذر اور منت کو سال بھر بعد بھی پورا کیا جا سکتا ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ ابھی اس کو پورا کر دیا جائے، اس لیے کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے اور وجوب کے بعد واجب کی ادائیگی میں عجلت مستحب ہے۔

❁❁❁❁❁

---

(۱) در مختار ۴/ ۴۴

سوال وجواب

حصہ : سوم

پانچواں باب

قربانی — احکام ومسائل

بسم الله الرحمن الرحيم
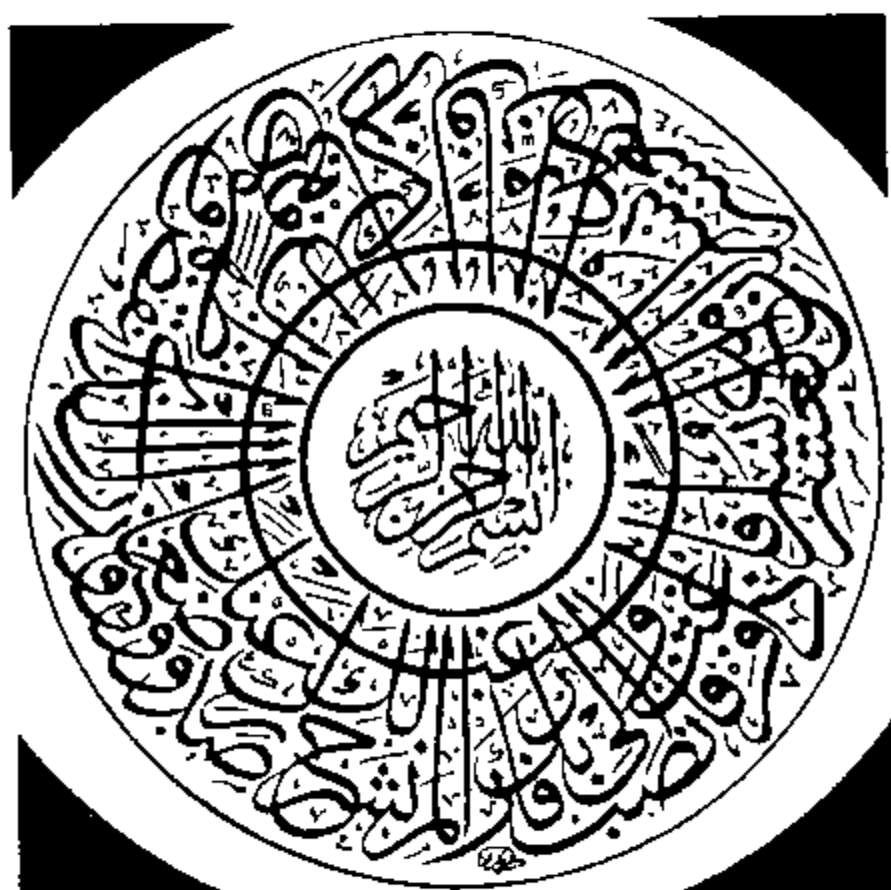
عیدالاضحیٰ کی قربانی ضروری نہیں

سوال: ہم لوگوں نے حج تمتع کیا اور قربانی بھی دی، کیا دمِ تمتع کے علاوہ بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی دینی ہوگی؟

(دمدار عادل خاں، کراچی)

جواب: آپ نے جو صورتِ حال لکھی ہے، اس طرح سے حج پر جانا شرعاً جائز نہیں اور اس طرح حج نہیں ہوتا، پہلی بات تو یہ ہے کہ بینک کا پیسہ حرام ہے اور حرام مال سے حج نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ لوگوں سے جبراً چندہ لیا جاتا ہے، سو یہ بھی حرام ہے۔

میت کی طرف سے قربانی

سوال: کیا ہم قربانی کا جانور اپنے کسی مرحوم کی طرف سے ذبح کر سکتے ہیں؟ کچھ لوگوں نے بتایا کہ مرحوم کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی۔

(محمد طاہر، جدہ)

جواب: ایصالِ ثواب کی نیت سے کسی مرحوم کی طرف سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے، سنن ابی داؤد میں ایک روایت حنش تابعی سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ مینڈھوں کی قربانی کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے

قربانی کیا کروں، لہٰذا میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں، مسندِ احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: "مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، اس لیے میں آپ کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا ہوں، کبھی نہیں چھوڑتا۔ یہ بات کہ مرحوم کی طرف سے قربانی درست نہیں، بالکل غلط ہے۔

مرحومین کی طرف سے قربانی

سوال: میری والدہ نے میرے مرحوم والد کے نام پر عید الاضحیٰ میں قربانی کرنا چاہی، لوگوں نے کہا کہ ایک قربانی اپنے نام پر دو اور دوسری اپنے شوہر کے نام پر، ورنہ صرف مرحوم کے لیے قربانی کرنا جائز نہیں؛ اس بارے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

(جاوید امجد رانا، ریاض)

جواب: عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر سنت ہے، بعض علماء نے اسے واجب قرار دیا ہے، (۱) اگر قربانی کا جانور گائے، بھینس، اونٹ، بیل وغیرہ ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور اگر قربانی کا جانور بکرا یا دنبہ وغیرہ ہے تو قربانی ایک آدمی کی طرف سے دی جائے گی (۲) آپ کی والدہ گائے کی قربانی میں دو حصے ڈال سکتی ہے، ایک حصہ اپنی طرف سے اور ایک حصہ اپنے مرحوم والد کی طرف سے، صرف مرحوم کی طرف سے بھی ایک حصہ لیا جا سکتا ہے، یہ سمجھنا کہ صرف میت کی طرف سے حصہ لینا جائز نہیں، غلط ہے۔

میاں بیوی کی طرف سے الگ الگ قربانی ضروری ہے

سوال: میاں بیوی کی طرف سے ایک ہی قربانی کافی ہو گی یا دونوں کو الگ الگ قربانی کرنی ہو گی؟

جواب: قربانی ہر صاحبِ نصاب پر (جو مسلمان اور عاقل و بالغ بھی ہو) مستقل واجب ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا بیان ہے:

---

(۱) المغنی ۹م۳۴۵ ط بیروت (۲) المغنی ۹ ۳۴۷ ط بیروت

" اتفق الفقهاء على أن المطالب بالاضحية هو المسلم الحر البالغ العاقل المقيم المستطيع . " (۱)

"فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ قربانی کا مکلف وہ شخص ہے جو مسلمان ہو، آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، مقیم ہو اور استطاعت بھی رکھتا ہو۔"

لہٰذا شوہر و بیوی دونوں صاحبِ نصاب ہوں، یعنی ان میں سے ہر ایک کی ملکیت میں ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد روپوں یا دیگر جائداد کی شکل میں ہو، تو ہر ایک پر قربانی واجب ہے، دونوں کی طرف سے ایک قربانی کافی نہیں، اپنے زیر کفالت بچوں وغیرہ کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں، وہبہ زحیلی کا بیان ہے:

" و فى ظاهر الرواية عند الحنفية و هو الاظهر لدى بعضهم و عليه الفتوى ان الاضحية تستحب و لا تجب عن الولد الصغير ، و ليس للأب ان يفعله من مال الصغير لأنها قربة محضة ، و الاصل فى العبادات ان لا تجب على أحد بسبب غيره . " (۲)

"احناف کے نزدیک ظاہر روایت اور مفتی بہ رائے یہی ہے کہ قربانی مستحب ہے، بچہ کی طرف سے واجب نہیں ہے اور نہ باپ کے لیے جائز ہے کہ بچہ کے مال سے اس کے نام کی قربانی کرے کہ یہ عبادت ہے اور عبادات میں اصل یہ ہے کہ وہ کسی کی وجہ سے دوسرے پر واجب نہ ہو۔"

قربانی کے وجوب کیلئے نصاب پر سال گزرنا بھی شرط نہیں بلکہ اگر قربانی کے دن بھی کوئی شخص صاحبِ نصاب بن جائے تو اس سال کی قربانی بھی اس پر واجب ہوگی۔

قربانی خود کرنا بہتر ہے

سوال: ہم ملک سے باہر رہنے والوں کو قربانی یہاں کرنی چاہیے یا اگر

---

(۱) الفقه الاسلامى ۳ : ۶۰۳ نیز ملاحظہ ہو کشاف القناع ۳ : ۱۷ ، مغنى محتاج ٤ : ۲۸۳

(۲) الفقه الاسلامى ۳ : ٦٠٤

رقم ملک بھیج دی جائے اور گھر والے وہاں ہماری طرف سے بھی قربانی کردیں تو صحیح ہے؟

جواب: اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے یا اپنے سامنے ذبح کروانا بہتر و مستحب ہے، لہٰذا بہتر تو یہی ہے کہ قربانی یہیں کی جائے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں، رقم بھیج کر گھر والوں کے ذریعہ اپنے ملک میں بھی قربانی کروائیں تو ادا ہو جائے گی، اس میں کوئی حرج نہیں۔

تمتع اور عید الاضحیٰ کی قربانی

سوال: ہم لوگ حج تمتع کی نیت سے حج کر رہے ہیں اور پاکستان سے یہاں حج کرنے آئے ہیں، کیا ہم تمتع کی قربانی کے علاوہ عید الاضحیٰ کی بھی قربانی دیں یا ایک ہی قربانی کافی ہے؟

جواب: حج تمتع کے اختتام پر ہدی (قربانی) واجب ہے، جسے "دم تمتع" بھی کہتے ہیں، لیکن عید الاضحیٰ کی قربانی آپ پر واجب نہیں، اس لیے کہ آپ مسافر ہیں، البتہ اگر آپ یہ قربانی بھی کرانا چاہیں تو یہ بہتر اور عزیمت پر عمل ہوگا۔

گائے کی قربانی

سوال: بعض جگہوں پر گائے کی قربانی قانوناً جرم ہے، کیا ایسی جگہوں پر ہم خفیہ طور پر گائے ذبح کر کے کھا سکتے ہیں؟

(محمد اسلم انصاری، ریاض)

جواب: جی ہاں! گائے شریعتِ مطہرہ میں حلال ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو، اسے کوئی حرام نہیں کر سکتا، اگر کہیں اس کا ذبح کرنا سرکاری طور پر ممنوع ہو اور وہاں کے ایسے حالات ہوں کہ آپ اس جانور کو ذبح نہ کر سکتے ہوں تو احتیاط ہی بہتر ہے، لیکن کہیں آپ خفیہ طور پر سہی اس کے ذبح کرنے پر قادر ہوں تو اس کو ذبح کر سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

خصی کیا ہوا جانور

سوال: جس جانور میں کوئی نقص ہو، اس کی قربانی جائز نہیں ہوتی، کیا خصی کیے ہوئے جانور کی قربانی جائز ہے؟

جواب: جواب سے پہلے اتنی بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کیا خصی کرنا ایسا عیب ہے جس سے خصی کردہ جانور کی قربانی درست نہ ہو، اس کے لیے عیوب کے بارے میں فقہاء نے ایک اصول بیان کیا ہے:

"کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أوالجمال علی الکمال یمنع الاضحیة و ما لایکون بهذه الصفة لایمنع ."(۱)

"ہر وہ عیب جو مکمل طور پر منفعت کو زائل کردے یا جمال و خوبصورتی کو مکمل طور پر ختم کردے تو ایسا عیب قربانی کے صحیح ہونے میں رکاوٹ بنتا ہے۔"

اس اصول کی روشنی میں دیکھا جائے تو خصی کرنا کوئی ایسا عیب نہیں جو اس سے حاصل ہونے والی جنس منفعت فوت ہوئی ہو، اس لیے خصی کردہ جانور کی قربانی درست ہے۔

ایام قربانی میں جانور ذبح کرنا

سوال: میں جب سے سعودی عرب آیا اکثر تارکین وطن کو دیکھا کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر چند دوست مل کر ایک بکرا خرید لیتے ہیں اور بغیر کسی کے نام قربانی کیے اس کو حلال کر لیتے ہیں؛ کیا قربانی کے ایام میں بغیر کسی کی طرف سے قربانی کیے جانور حلال کرنا اور اس کا گوشت کھانا جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارہ بجے سے قبل اگر جانور ذبح کر لیا ہو تو جائز ہے ورنہ اس کا گوشت کھانا جائز نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ شرعی طور پر وضاحت فرمائیں۔

---

(۱) ھندیة: ۲۹۹/۵

جواب: جس (حلال) جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اس کا گوشت حلال اور جائز ہے، چاہے یہ ذبح قربانی کے دنوں میں ہو یا اس کے علاوہ دنوں میں، نیز اس سلسلے میں وقت کی بھی کوئی قید نہیں، کسی بھی وقت حلال جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے اس کا گوشت حلال ہو جاتا ہے، قربانی اگر واجب نہ ہو اور اس کی استطاعت نہ ہو تو چند دوست مل کر جانور خرید لیں اور قربانی کے دنوں میں اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کر لیں تو ان کا یہ عمل درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ سب مل کر کسی کی طرف سے قربانی کی بھی نیت کر لیں یا سب اپنی طرف سے نفل قربانی کی نیت کر لیں تو بھی یہ درست اور بہتر ہے، اگر ہر ایک پر قربانی واجب ہو تو مجموعی طور پر سب کی طرف سے ایک قربانی کافی نہیں، گوشت بہر حال حلال ہے۔

قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا

سوال: قربانی کے جانوروں (گائے بیل وغیرہ) میں عقیقہ کے لیے بھی حصہ شامل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قربانی کے وہ جانور جس میں سات افراد شریک ہو سکتے، اس میں عقیقہ کی نیت سے بھی حصہ لیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں قربانی اور عقیقہ دونوں درست ہیں، البتہ اگر سات شرکاء میں سے کوئی شریک صرف گوشت حاصل کرنے کی نیت سے قربانی کے جانور میں حصہ لے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہو گی۔(۱)

قربانی کے گوشت پر فاتحہ

سوال: ہمارے یہاں جب قربانی کی جاتی ہے، تو اس کو اس وقت تک غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا، جب تک کہ مولوی صاحب کو بلا کر اس گوشت پر فاتحہ نہ دلائی جائے، بعض لوگ قربانی کے جانور کے گلے میں پٹے اور ہار ڈال کر اسے بازار میں گھماتے

---

(۱) هندية ۳۰٤/٥

پھراتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ کسی مرنے والے کے لیے کیسے ایصالِ ثواب کیا جائے؟

(ملک عشرت اقبال، نجران)

جواب: یہ عمل ہندوانہ ہے، ان کے یہاں کوئی ذبیحہ یا کھانا اس وقت باعثِ ثواب نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ کھانا پنڈتوں اور مذہبی پیشواؤں کے سامنے پیش نہ کر دیں، اس لیے یہ عمل ہندوانہ عمل کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور دوسری قوموں کی مشابہت اختیار کرنے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

قربانی کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانا جائز نہیں، کیا یہ بات درست ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد منشا، جدہ)

جواب: قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ دنوں محفوظ کر کے رکھنا اور کھانا جائز ہے۔ ابتداء میں بعض مصلحتوں کی بنا پر اس کی ممانعت تھی، لیکن بعد میں رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری و مسلم کی ایک روایت میں سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس حال میں صبح نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی کا گوشت موجود ہو۔" (یعنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے) پھر جب دوسرا سال آیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا ہم اس سال بھی ایسا کریں جیسا کہ پچھلے سال کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ کھلاؤ اور جمع کر کے رکھو۔ دراصل پچھلے سال لوگ محنت و مشقت اور محتاجگی (قحط) میں مبتلا تھے، اس لیے میں نے (جمع کرنے سے منع کر کے) یہ چاہا تھا کہ تم لوگ ان ضرورتمندوں کی مدد کرو(۱)،

---

(۱) بخاری عن سلمة بن الاكوع باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي و ما يتزود : ۲/۸۳۵

اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ہم تمہیں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وسعت ہو (یعنی تمہارے فقراء بھی اس گوشت سے فائدہ اٹھائیں)، اب اللہ نے وسعت بخش دی ہے، اس لیے تم جب تک جی چاہے کھاؤ اور جمع کر کے رکھو، نیز اس گوشت کے صدقہ و خیرات کے ذریعہ) ثواب حاصل کرو اور یاد رکھو یہ دن کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔(۱) ان دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قربانی کے گوشت کو جمع رکھنے کی ممانعت عارضی اور وقتی تھی، اب یہ ممانعت باقی نہیں رہی، البتہ آج بھی اگر کہیں قحط سالی ہو یا غربت اور فقراء و مساکین زیادہ ہوں اور قربانی کی استطاعت رکھنے والے مالدار کم ہوں تو ایسی جگہوں پر قربانی کرنے والوں کے لیے جائز یا کم از کم بہتر نہیں ہوگا کہ وہ فقراء و مساکین پر گوشت تقسیم کرنے کے بجائے فریج میں محفوظ کر کے مہینوں خود ہی اس کو کھاتے رہیں۔

ادارہ کے اجتماعی نظم میں قربانی

سوال: اگر حج نہ بھی کرنا ہو تو کیا الراجحی بینک میں قربانی کے پیسے جمع کروا دیئے جائیں تو درست ہوگا؟ (محمد ارشد محمود، جدہ)

جواب: اس قربانی کا حج سے کوئی تعلق نہیں، قربانی خود کرنے کے بجائے کسی دوسرے کے ذریعہ بھی کروائی جاسکتی ہے، لہٰذا آپ اگر کسی باعتماد آدمی یا ادارہ کو قربانی کی رقم دے دیں کہ وہ آپ کی طرف سے ایام نحر میں جانور ذبح کر دے تو آپ کی قربانی ادا ہو جائے گی۔

دوسرے کی طرف سے قربانی

سوال: میں چند سال سے یہاں سعودی میں مقیم ہوں، اس سال عید الاضحیٰ کی قربانی کے لیے میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ وہ میری طرف سے انڈیا میں قربانی کر دیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! آپ کی طرف سے آپ کے والد یا کوئی اور شخص بھی ہندوستان میں قربانی کر سکتے ہیں۔

عقیقہ کی حقیقت

سوال: ہمارے پاس یہ رسم ہے کہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

(ح ش، جدہ)

جواب: بچہ کی ولادت کے بعد ساتویں دن یا اس کے بعد جو جانور بچہ کے نام سے ذبح کیا جاتا ہے، اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔ عقیقہ کرنا مسنون ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عقیقہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے، خود آپ ﷺ نے سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کا عقیقہ کیا تھا۔ اس سے بچے بہت سی تکلیفوں اور مصیبتوں سے نجات پا جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

"كل غلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع و يحلق راسه" (۱)

"بچہ اپنے عقیقہ کا گروی ہوتا ہے، ساتویں دن اس کا عقیقہ کردو اور اس کا نام رکھ دو اور سر منڈاؤ۔"

دوسری حدیث شریف میں ہے:

" فاهريقوا عنه دما و أميطوا عنه الأذى. " (۲)

"اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے تکالیف اور گندگی دور کردو۔"

آپ نے سوال میں جو دعوت کے بارے میں پوچھا ہے، اگر یہ عقیقہ کی دعوت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر رسم کے طور پر ہو جیسا کہ چھٹی اور چلے کی رسمیں انجام دی جاتی ہیں تو پھر جائز نہیں۔

عقیقہ کا طریقہ

سوال: عقیقہ کا طریقہ کیا ہے؟

(عبدالغفار چودھری، جیزان)

---

(۱) ابن ماجه عن سمره باب العقيقة أبوب الذبائح (۲) بخاری: حدیث نمبر: ٥٤٧٢

جواب: عقیقہ "عق" سے ہے، جس کے معنی ہے کاٹنا، بچے کی پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت ہے، مسنون یہ ہے کہ نومولود کی پیدائش کے ساتویں دن اس کے سر کے بال مونڈے جائیں، بالوں کے وزن کے برابر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کی جائے اور بچے کا نام رکھا جائے، تو مولود لڑکا ہے تو دو بکرے ذبح کیے جائیں، لیکن اگر کسی کی مالی حالت دو بکروں کا بوجھ برداشت نہ کرسکتی ہو تو ایک بکرے سے عقیقہ کرنا بھی جائز ہے، لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا ذبح کیا جائے۔(۱)

حنابلہ، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک عقیقہ سنت ہے (۲) بعض علماء نے اسے واجب بھی کہا ہے، جب کہ احناف کے یہاں عقیقہ کرنا مباح ہے، (۳) اگر کسی وجہ سے ساتویں دن عقیقہ نہ کیا جاسکے تو پھر چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے، اس کے بعد عقیقہ کرنا مسنون و مستحب نہیں، بلکہ عام صدقہ بن جاتا ہے۔

عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑی نہ جائیں، بلکہ انہیں جوڑ سے کاٹا جائے، عقیقہ کا گوشت خود بھی کھایا جاسکتا ہے دوستوں کو بھی دیا جاسکتا ہے اور اسے کسی کو ہدیتاً بھی پیش کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی عقیقہ کے گوشت کو پکا کر اپنے دوست احباب اور غریب و نادار لوگوں کو کھانا کھلائے تو یہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔(۴)

عقیقہ میں گائے کی قربانی

سوال: اگر غربت کی وجہ سے والدین اولاد کا عقیقہ نہ کرسکیں تو کیا ان پر کوئی گناہ ہوگا؟ نیز لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا وغیرہ مشروع ہے، اسی طرح عقیقہ کے سات حصے کرکے مثلاً دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ میں ایک گائے ذبح کی جاسکتی ہے، یا ہر لڑکے اور لڑکی کی طرف سے الگ الگ جانور ہی ذبح کرنا ضروری ہے، اسی طرح بچے اگر بڑے ہو جائیں تو عقیقہ کرنا درست ہے؟

---

(۱) هندية: ۳۰۴/۵ (۲) بداية المجتهد: ۴۴۸/۱ (۳) بدائع الصنائع: ۶۹/۵ (۴) المغني ۳۴۷/۹ ط: بيروت

جواب: والدین پر اولاد کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے، اگر غربت و افلاس کی وجہ سے نہ کر سکیں تو کوئی گناہ نہیں، بعد میں حالات بہتر ہو جائیں لیکن بچے بڑے ہو جائیں تو بھی بعض علماء نے عقیقہ کرنے کی اجازت دی ہے اور یہ ضروری نہیں، گائے کے ساتوں حصے عقیقے کے ہوں یا بعض قربانی کے اور بعض عقیقہ کے، دونوں صورتیں درست ہیں۔(۱)

عقیقہ کب تک؟

سوال: عقیقہ کب تک کر سکتے ہیں اور اس کی مدت کیا ہے؟

جواب: عقیقہ اصلاً لڑکا یا لڑکی کی ولادت کے ساتویں دن مسنون ہے جب کہ بعض فقہاء نے ساتویں دن نہ کر سکنے کی صورت میں چودھویں دن یا اکیسویں دن بھی عقیقہ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اگر کوئی شخص ساتویں دن عقیقہ نہ کر سکے تو ایک قول کے مطابق بعد میں اس کی حیثیت سنت کی نہیں رہتی، جب کہ بعض دوسرے فقہاء کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے چودھویں دن یا اکیسویں دن بھی اگر کوئی عقیقہ نہ کر سکے تو اس عقیقہ کی حیثیت عام صدقہ وخیرات کی سی ہوگی، امام ترمذی اپنی سنن میں لکھتے ہیں:

و العمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع فإن لم يتهيا يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهيا عق عنه يوم إحدى و عشرين. (۲) یعنی ساتویں دن یا چودھویں اور اکیسویں دن عقیقہ کرنے کا جو ثواب ہے وہ اس کو حاصل نہ ہو سکے گا بلکہ یہ ایک نفل کام کی طرح ہوگا۔

صدقہ وکفارے کا گوشت کھانا

سوال: دم ادا کرنے یا صدقہ وخیرات کی نیت سے جو جانور ذبح کیا جائے، اس کا گوشت خود یا رشتہ دار وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں یا سارا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنا ہوگا؟

(محمد احسن، مکہ مکرمہ)

---

(۱) المغني ۹/ ۳۴۷ ط: بیروت (۲) ترمذی قبیل ابواب النذور و الایمان ۱/ ۲۷۸ ط دیوبند

جواب : قربانی و عقیقہ کا گوشت تو خود یا رشتہ دار وغیرہ کھا سکتے ہیں، لیکن جو جانور صدقۂ واجبہ کی نیت سے ذبح کیے جائیں، جیسے کسی غلطی کا کفارہ ادا کرنا مقصود ہو یا منذورہ ہو تو ان کا گوشت خود استعمال کرنا صحیح نہیں، سارا گوشت غریبوں میں تقسیم کرنا ضروری ہے، رشتہ داروں میں اگر غریب و مستحق لوگ ہوں تو انہیں بھی دیا جاسکتا ہے، بعض لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ نانا، نانی، دادا، دادی اور ماں باپ کو عقیقہ کا گوشت نہیں کھانا چاہیے، یہ بالکل غلط ہے اور جاہلانہ بات ہے۔(۱)

ولیمہ کے ساتھ عقیقہ

سوال : زید کے والدین نے کسی مجبوری کی وجہ سے زید کا عقیقہ نہیں کیا تھا، اب جبکہ زید نکاح کا ارادہ رکھتا ہے وہ اس خیال سے پریشان ہے کہ نکاح سے پہلے عقیقہ کرے یا نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ پر عقیقہ کر کے اسی گوشت کو ولیمہ کے دن استعمال کرے اور ساتھ ہی عقیقہ کے متعلق کسی کو بتانا نہیں چاہتا، کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ کیا زید ایسا کر سکتا ہے؟

(حسین قادری، ثقبہ)

جواب : عدم استطاعت کی بناء پر اگر زید کا عقیقہ نہیں کیا جا سکتا تو اس میں کوئی حرج یا گناہ نہیں اور اب اس خیال سے زید کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، سنتِ ولیمہ سے اس کو نہ جوڑا جائے۔

---

(۱) اسلامی فقہ ۱/۵۲۱ از : مولانا مجیب اللہ ندوی

سوال و جواب

حصہ : سوم

ساتواں باب

حلال و حرام
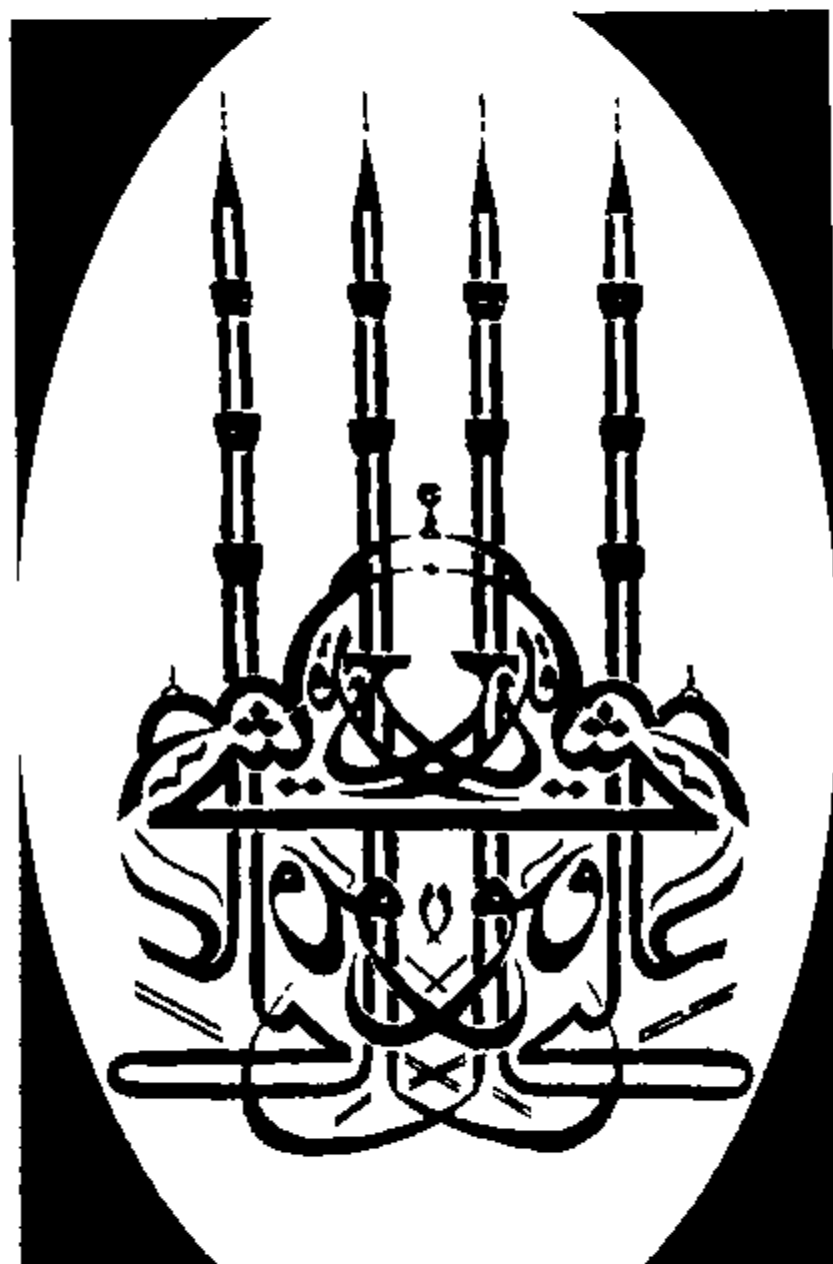
بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

سوال: پاکستان میں میرا گھر مسجد سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے، میں اپنے مکان سے متصل چھوٹی مسجد بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں، کیا تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک مسجد کے ہوتے ہوئے اپنے گھر کے ساتھ کوئی مسجد بنائی جاسکتی ہے، جبکہ ہمارا علاقہ پہاڑی ہے؟

(محمد صادق، عباسی، خمیس، مشیط)

جواب: اگر پرانی مسجد میں جگہ موجود ہے تو پھر اس کے مقابل یا محض نام ونمود اور فخر وشہرت کے لیے دوسری مسجد بنانا درست نہیں، اس کے بنانے سے ثواب نہ ہوگا، اس سلسلہ میں یہ تفسیری عبارت آنکھ کھولنے کے لیے کافی ہے:

" و قيل كل مسجد بني مباهاة أو رياء أو سمعة أو لغرض سواء ابتغاء وجهه لله بمال غير طيب فهو لاحق بمسجد ضرار، قال صاحب الكشاف وعن عطاء لمافتح الله الا مصار على عمر أمر المسلمين أن يبنوا المساجد و أن لايتخذوافي مدينة مسجدين يضار احدهما صاحبه هذا لفظه . فالعجب من المشائخين المتعصبين في زماننا يبنون في كل ناحية مساجد طلباً للاسم و الرسم و استعلاءً لشانهم و لم يتاملوا ما في هذه الاية و القصة من شناعة حالهم و سوء أفعالهم . (۱)

---

(۱) الأكليل - ٤/٢٨٤

"کہا گیا کہ ہر وہ مسجد جو مباہات اور ریاکاری اور نام و نمود یا رضاء خداوندی کے علاوہ کسی اور غرض سے بنائی جائے، یا حرام مال سے بنائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے، مدارک صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ عطاءؒ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر شہروں کو فتح فرمایا، انہوں نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم فرمایا اور یہ بھی کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنائی جائیں کہ ایک سے دوسری کو نقصان پہنچے، بلفظہ، پس تعجب ہے ہمارے زمانہ کے متعصب مشائخ سے کہ نام و نمود اور اپنی بلندیٔ شان اور اپنے آباء و اجداد کی اقتدار میں ہر ہر کنارہ میں مسجدیں بناڈالتے ہیں اور اس آیت و قصہ میں غور نہیں کرتے کہ اس میں ان کی حالت و فعل کی کتنی برائی ظاہر کی گئی ہے۔"

تاہم اگر ناپسندیدگی کے باوجود کوئی دو مسجدیں بنا ہی لیے اور بستی بڑی نہ ہو تو وہ باقاعدہ مسجد شمار ہوگی اور نماز وغیرہ درست ہوگی۔

مسجد کا قدیم سامان

سوال: پرانی مسجد کا پرانا سامان جواب فالتو ہے، اس کا کیا کیا جائے؟

(طاہر دبیر کوکنی، بحرین)

جواب: ایسا سامان فروخت کر کے اس کی رقم مسجد میں لگائی جائے، اگر بعینہ سامان اپنی جگہ لگانا دشوار ہو تو اسے فروخت کر دیا جائے اور اس کی قیمت مرمت میں لگادی جائے، ان تعذر اعادة عينه الخ.(۱)

مسجد میں باتیں کرنا اور سونا

سوال: کیا مسجد میں سونا جائز ہے؟ اور کیا مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھ کر باتیں کر سکتے ہیں؟

---

(۱) هدايه: ۲/ ۶۲۲

جواب: مساجد میں دنیا کی باتیں کرنے کے لیے بیٹھنا ناجائز ہے، البتہ اگر نماز یا دوسری عبادتوں کیلئے مسجد آنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو مباح کی حد تک آہستہ گفتگو کرنے کی گنجائش ہے کہ کسی نمازی کو اذیت نہ ہو اور غیر مباح باتیں کرنا، جیسے فحش گفتگو اور جھوٹے قصے کسی طرح درست نہیں، یہ مسجد کے ادب کے خلاف ہے۔(۱)

مسجد کے اوپر مکان کی تعمیر

سوال: کیا مسجد کے اوپر رہائش کے لیے مکان بنوانا جائز ہے؟
(نجم القمر، ریاض)

جواب: اگر مسجد کی تعمیر کے وقت بانی مسجد یہ نیت کرے کہ مسجد کے نیچے مسجد کے مفاد کے لیے دکانات اوپر کے حصہ میں مؤذن و امام کے لیے کمرے بنانے ہیں، گویا ابتداء ہی میں مسجد کے نقشہ میں دکان اور کمرے وغیرہ شامل ہوں اور مسجد کے مفاد کے لیے دقت ہو تو بنا سکتے ہیں اور یہ دکانات و مکانات شرعی مسجد سے خارج ہوں گے، وہاں حائضہ اور جنبی کو آنے کی اجازت ہو گی (۲) مگر جب مسجد بن گئی ہو اور اس کے نقشہ میں مکان اور دکان نہ ہو تو اب مسجد کے اوپر کا حصہ آسمان تک اور نیچے کا حصہ تحت الثریٰ تک مسجد کے حکم میں ہو گا، اس میں مسجد کے مفاد کے لیے سہی، دوکان اور مکان درست نہیں ہو گا، علامہ حصکفی لکھتے ہیں: لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع .(۳)

مسجد یا گھر میں لوبان کی خوشبو

سوال: مسجد یا گھر کو لوبان کی خوشبو سے معطر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟
(لیاقت سرنائیک، ریاض)

جواب: مسجد یا گھر کو لوبان، عود یا کسی اور خوشبو سے معطر کرنا جائز ہے۔

---

(۱) نفع المفتی والسائل: ۱۲۹ (۲) درمع الرد: ۵۵۳
(۳) در مختار مع الرد: ۵۵۴/۴ ط: بیروت

اگر مسجد اور قبر ایک جگہ ہوں

سوال : جہاں مسجد اور کسی بزرگ کی قبر اکٹھی ہو تو وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ (نذیر شاہد، خمیس مشیط)

جواب : ہاں ایسی مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں، البتہ قبر کے قریب یا اس طرح رخ کر کے نماز نہ پڑھے اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے جائے نہ کہ قبر پر حاضری کی نیت سے۔

مسجد کی جگہ بدلنا

سوال : ہمارے گاؤں میں چھوٹی مسجد ہے، نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے گاؤں والوں کا ارادہ ہے کہ مسجد کی توسیع کی جائے، مسجد کے چاروں طرف ہماری زمین ہے، ہمارے والدین مسجد کے لیے مزید زمین بلا قیمت دینے کو تیار ہیں، جس میں ہم سبھی بھائیوں کا اتفاق ہے، لیکن جس جگہ مسجد ہے، کیا اس جگہ کو تبدیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جگہ تبدیل کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم چار بھائی ہیں، اگر کبھی گھر الگ کرنا پڑا تو سبھی بھائیوں کا گھر صحیح نہیں بنے گا۔

(ایس اے خان، جدہ)

جواب : جو جگہ مسجد کے لیے وقف کر دی جائے اور وہاں مسجد بنا دی جائے، وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہی کے حکم میں رہے گی، اس کو بدلنا اور تبدیل کرنا جائز نہیں، یہی مسلک امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالک رحمہم اللہ کا ہے، یہی رائے جمہور فقہاء کی ہے، البتہ امام احمد کے بعض اقوال میں کسی قدر گنجائش ہے (۱) فی زمانہ مسجد کی حرمت کے بقاء کے لیے ضروری ہے کہ جمہور کی رائے پر فتویٰ دیا جائے، بالخصوص برصغیر کے ممالک میں اس کا اہتمام اور زیادہ ضروری ہے، ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت کا ناقابل فراموش سانحہ ہم سب کے سامنے ہے، اس لیے اس مسئلہ میں ذرا بھی تساہل سے اعداء اسلام کو غلط اشارے ملیں گے، اس لیے آپ مسجد کی تعمیر و توسیع اس انداز سے

---

(۱) فقہ السنۃ مبحث الوقف

کریں کہ مسجد کی موجودہ جگہ بھی مسجد ہی میں شامل رہے، چاہے صحن مسجد کے طور پر ہو یا وضوخانہ کے طور پر، البتہ اس جگہ حمامات اور بیت الخلاء کی تعمیر سے گریز کیا جائے۔

تعمیرِ مسجد میں غیر مسلم کی اعانت

سوال: وطن میں میرے ایک دوست کے علاقہ میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے، اس سلسلے میں ان صاحب نے یہاں فنڈ جمع کیا، تو اس میں کمپنی کے دوست احباب نے حصہ لیا، جس میں ہندو اور کرسچن وغیرہ بھی شامل ہیں، عام طور پر لوگ مسجد کے لیے رقم جمع کرتے ہیں تو غیر مسلموں سے تعاون لینے میں احتراز کرتے ہیں، لیکن اس آدمی نے دانستہ یا نادانستہ ایسا نہیں کیا، بہر حال کتاب وسنت کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کی مالی اعانت کا کیا حکم ہے؟

جواب: مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور یہ عبادت کی جگہ ہے، مسجد میں نماز، تلاوت اور ذکر ہوتے ہیں، لہٰذا مسجد کی تعمیر کے لیے کسی مشرک یا کافر سے چندہ لینا درست نہیں ہے، سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "مشرکوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر میں حصہ لیں۔" اگرچہ بعض علماء وفقہاء نے مشروط طور پر کسی غیر مسلم سے مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ لینا جائز لکھا ہے، لیکن جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، امام رازیؒ لکھتے ہیں: دلت الآية على أن الكفار ممنوعون من عمارة مسجد من مساجد المسلمين. (۱) آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کفار کو مسلمانوں کی مسجدوں میں سے کسی مسجد کی تعمیر ممنوع ہے۔ اگر یہ صورت اختیار کرے کہ غیر مسلم اپنا روپیہ کسی مسلمان کو دے دے اور وہ مسلمان اس روپیہ کو مسجد میں دے دے تو اس صورت میں اس روپیہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے۔ (۲)

مساجد دور ہوں تو کیا کیا جائے؟

سوال: ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے مساجد کافی

---

(۱) تفسیر کبیر: ۱۴/۵۹۷ ط: قاہرہ (۲) فتاویٰ محمودیہ: ۲/۲۷۶

فاصلے پر ہیں اور ہمارے گھر کافی دور جگہ یعنی کوئی پہاڑ کے اوپر ہے اور کوئی بہت نیچے اور راستہ بھی کافی دشوار گزار ہے، چنانچہ ہر نماز پر مسجد میں پہنچنا محال ہے، جب کہ اذان کی آواز بذریعہ اسپیکر ہم تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے، ایسی صورت میں ہمیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

(محمد عثمان، جدہ)

جواب: کسی قریبی جگہ دو تین آدمی بھی جمع ہو سکتے ہوں تو اس جگہ کو نماز کے لیے مختص کر کے وہاں جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں اور اگر گھر میں ایک سے زیادہ افراد ہوں تو اہل و عیال کے ساتھ بھی جماعت کی جا سکتی ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنالی جائے، بلکہ جہاں تک ہو سکے مسجد میں حاضری کی کوشش کی جائے۔

مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا کام کرنا

سوال: کیا مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کام کر سکتا ہے؟

جواب: بہتر وافضل تو یہی ہے کہ اللہ کے مقدس اور پاکیزہ گھر کی تعمیر میں جہاں تک ہو سکے مسلمان انجینئر اور مسلمان مزدوروں سے کام لیا جائے، لیکن اس بات کی بھی اجازت اور گنجائش ہے کہ تعمیر مسجد میں غیر مسلم انجینئر یا غیر مسلم مزدوروں سے مدد لی جائے اور ان سے اجرت و معاوضہ دے کر کام کرایا جائے۔

مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ

سوال: کیا کوئی غیر مسلم دینی بات سننے کی غرض سے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، جب کہ وہ طہارت سے نہ ہو؟

(اہلیان سعودی گلاس، جدہ)

جواب: اگرچہ حالتِ جنابت میں مسجد میں داخلہ جائز نہیں، لیکن فی نفسہ غیر مسلم ہونا بھی مسجد میں داخلہ ممنوع ہونے کا سبب نہیں، صحیح احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، امام ابوداؤدؒ نے تو اپنی سنن میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا: "باب ما جاء

فی المشرك یدخل المسجد" یعنی مسجد میں مشرک کے داخلے کا بیان، پھر اس باب کے تحت انہوں نے تین احادیث ذکر کیں، جن سے رسول کریم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں یہود و مشرکین کا مسجد میں داخل ہونا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اسلام سے متعارف ہونے یا دین اسلام کی بات سننے کے لیے غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، البتہ کسی غیر مسلم کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ اس وقت حالتِ جنابت میں ہے اور جنابت کے بعد غسل نہیں کیا ہے تو اسے ادب وحکمت کے ساتھ مسجد میں داخلے سے پہلے غسل کرنے کی ترغیب دی جانی چاہیے، لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو تو اس معاملے میں شدت مناسب نہیں، کیوں کہ غیر مسلم پہلے اسلام لانے پھر اسلام کے فروعی احکام پر عمل کرنے کا مکلف ہے اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے داعی کو ہر وقت حکمت وموعظت سے کام لینا چاہیے، فروعی احکامات یا اختلافات میں الجھا کر غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کرنا یا اس سے دور کرنا داعی کی شان نہیں۔

بخاری ومسلم اور ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث میں ایک یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان اعرابی مسجد میں آئے، دو رکعت نماز پڑھی، پھر واپسی میں مسجد کے ایک گوشے میں پیشاب کرنے بیٹھ گئے، بعض صحابۂ کرامؓ جو وہاں تشریف فرما تھے، اس کی طرف دوڑ پڑے، لیکن رسولِ کریم ﷺ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، تنگی اور دشواری پیدا کرنے کے لیے نہیں، پھر وہ دیہاتی پیشاب سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ نے پیشاب کی جگہ پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم فرمایا اور اس دیہاتی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مسجد اللہ کے ذکر اور نماز کے لیے بنائی جاتی ہے، اس میں پیشاب نہیں کیا جاتا، چنانچہ وہ شخص بھی آپ کی نرمی سے بہت متاثر ہوا۔

واضح رہے کہ حرمین شریفین کا معاملہ اس سے مختلف ہے، سورہ توبہ آیت نمبر: ۲۸ / اور صحیح احادیث میں اس کی صراحت ہے کہ حدودِ حرم میں کسی کافر مشرک کا داخلہ جائز نہیں۔

مسجد میں جوتے پہن کر داخلہ

سوال: ایک مرتبہ یہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جوتے اتارے بغیر مسجد میں داخل ہو گیا اور اسی حالت میں نماز بھی پڑھی، ہمیں بڑا تعجب ہوا، ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اگر جوتے صاف ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیا یہ بات صحیح ہے؟ جوتے چپل پہن کر مسجد میں داخل ہونا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

(عالمگیر، بلجرشی)

جواب: جوتے چپل اگر پاک صاف ہوں تو اس کو اتارے بغیر مسجد میں داخل ہونا اگرچہ جائز ہے، لیکن خلافِ ادب ہے، اسی طرح اگر کوئی پاک صاف جوتے چپل پہنے ہوئے ہی نماز پڑھ لے تو نماز بھی درست ہے(۱) ہاں اگر جوتے چپل ناپاک ہوں تو اس میں نماز درست نہیں اور اس کو اتارے بغیر مسجد میں داخل ہونا بھی درست نہیں۔

۞☆۞☆۞☆۞

(۱) ابوداؤد شریف، حدیث نمبر: ۶۵۳ نیز دیکھئے: ھندیہ ۱/ ۶۲

سوال وجواب

حصہ : سوم

چھٹا باب

مساجد اور اس کے احکام

اسلام اور کھیل کود

سوال : آج کل کھیل کود کے مختلف طریقے مروّج ہیں، جیسے کرکٹ، فٹ بال وغیرہ، جن میں مسلمان بلکہ مسلم حکومتیں بھی دیوانہ وار حصہ لے رہی ہیں اور ان کھیلوں میں ہار جیت کو قومی عزت وذلت کا مقام دیا جارہا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کھیلوں میں شرکت کرنے والی ٹیم کے لیے کامیابی کی دعا مانگی جاسکتی ہے؟ اور کیا ان کی کامیابی پر اللہ کا شکر اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے جس طرح کسی نعمت کے حصول پر ادا کیا جاتا ہے؟

(انور علی قاسم، دمام)

جواب : اسلام نے انسان کی تفریح طبع کے لیے محدود اور مشروط کھیلوں کی اجازت دی ہے بلکہ بعض اہم کھیلوں مثلاً نیزہ بازی اور تلوار بازی جیسے کھیلوں کا حکم بھی دیا ہے، تاکہ مسلمان چست وچوکس رہے اور بدن میں سستی وکاہلی پیدا نہ ہو، (۱) اصولی طور پر ہر وہ کھیل جائز ہے جو شرعی حدود کے اندر ہو۔ اسلام میں کھیلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے لیے دو تین باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں: اوّل: یہ کہ کھیل ایسا ہو جس سے جسمانی قوت یا سواری میں مہارت ہو۔ دوم: وہ کھیل جن سے دفاع اور حفاظت کی

---

(۱) بخاری، باب التحریض علی الرمی : ۱/۴۰۸ ط : دیوبند

قوت پیدا ہوتی ہو۔ سوم: جوانہ ہو۔ چہارم: دینی مسائل و فرائض سے اور دیگر بنیادی ذمہ داریوں سے غافل کرنے والا نہ ہو۔

پہلے اصول کی روشنی میں گھوڑ دوڑ، کبڈی، فٹ بال، والی بال اور گاڑیوں کی ریس وغیرہ کھیل کی یہ تمام قسمیں جائز ہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے ثنیۃ الوداع اور مسجد بنو حنیف کے درمیان گھوڑ دوڑ کرائی ہے۔ (۱) دوسرے ضابطے کی روشنی میں تیر اندازی، شمشیر زنی، بندوق چلانا، کشتی کھیلنا، کراٹے، لاٹھی چلانا، بشرطیکہ احکامِ ستر کی پوری رعایت ہو اور لڑکے لڑکیوں کا اختلاط نہ ہو تو یہ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہیں، کہ اس سے آدمی اپنی حفاظت کے لائق ہو جاتا ہے۔ تیسرے قاعدہ کی روشنی مین شطرنج میں جوا ہے، اس لیے وہ حرام ہے اور فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر جوا نہ ہو تو بھی شطرنج حرام ہے۔ چوتھے ضابطہ کی روشنی میں کرکٹ، لوڈو اور کیرم بورڈ جس کے رسیا اپنے بنیادی ذمہ داریاں اور دینی فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں، اس لیے اس طرح کے کھیل نہ حرام سہی، تاہم مکروہ ضرور ہیں۔ (۲)

اگر کسی کھیل کی وجہ سے نمازوں یا دوسرے کسی دینی امور کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا کسی کھیل کی وجہ سے گناہ و نافرمانی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو مسلمان کو ایسے کاموں سے منع کیا گیا ہے، کھیلوں کی ہار جیت کو پوری مسلم امت اور پوری مسلمان قوم کے لیے ہار جیت سمجھنا یقیناً نہ صرف جہالت و نادانی ہے بلکہ پرلے درجے کی حماقت بھی ہے، البتہ اگر مسلمان ٹیم غیر مسلم ٹیم سے اس نیت و ارادے سے کھیلے کہ اس کھیل کا مقصد غیر مسلموں اور اسلام دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب اور دھاک بٹھانا ہو تو یہ نیت درست اور جائز ہے۔ یہاں ہمیں ایک اہم اصول کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مسلمان کا ہر کام عبادت و نیکی ہے، بشرطیکہ اس کام کی نیت صحیح ہو، اخلاص پر مبنی ہو اور یہ کام مکمل شرعی آداب کے ساتھ انجام دیا جائے۔

کھیل کا مقصد اگر ایک طرف بدن میں چستی و نشاط ہے اور دوسری طرف یہ

---

(۱) نسائی، باب اخمار الحیل للسبق (۲) ملاحظہ ہو حلال و حرام: ۲۴۱ تا ۲۴۳

رادہ بھی ہے کہ اس طرح سے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی دعوت و تبلیغ بھی کی جاسکے گی اور اس طرح اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کو محض اسلام کا نام لینے اور مسلمان ہونے کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو تو ایسے لوگوں کو ہرا کر ذلیل کیا جائے گا، اگر نیت و ارادے میں یہ باتیں موجود ہیں تو یہ کھیل بذات خود ایک عبادت ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ ارادے اس مسلم کھلاڑی کے ہو سکتے ہیں جو نمازی ہو، صالح و متقی ہو، حرام کاموں اور دوسرے بڑے گناہوں سے دور ہو، لیکن صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ کاش کہ ہمارے کھلاڑی اچھے کھلاڑی ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مسلمان بھی بنیں کہ ہر کھلاڑی بہ یک وقت کھلاڑی بھی ہو اور داعی و مبلغ بھی ہو، مسلمان ٹیم چوں کہ اسلامی ملک اور مسلم قوم کی نمائندگی کرتی ہے، لہٰذا اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و عروج کے لیے (خواہ وہ کھیل ہی کیوں نہ ہو) دعا کرنا جائز ہے اور اسی ارادے کی وجہ سے مسلمان ٹیم کی جیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا بھی جائز ہے۔

ٹی وی اور ویڈیو پر فلم بینی

سوال: کیا ٹی وی دیکھنا اور ویڈیو فلم دیکھنا گناہ ہے، کیمرہ کے ساتھ تصویر بنانا اور لوگوں کی ویڈیو فلم بنانا کیسا ہے؟ نیز آپ لوگ خواہ مخواہ ٹی وی اور ڈش کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں کہ اسے حرام قرار دے رہے ہیں جب کہ ان میں اچھے پروگرام بھی آتے ہیں؟

(ایس ایم ہارون جدہ، محمد وسیم جعفر، ریاض)

جواب: ایسے کام جن کے بارے میں علماء کی اکثریت فتویٰ دے چکی ہو اور خود ہمیں بھی ان کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں علم ہو پھر بھی بار بار اور ادھر ادھر ہر عالم دین سے ان مسائل کے بارے میں سوالات کرنا دل لگی نہیں تو اور کیا ہے؟ بعض لوگوں کو دینی معاملات میں بھی ہنسی مذاق کی سوجھتی ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بنی اسرائیل کے اس سنگین جرم کی شدید مذمت کی ہے اور امتِ مسلمہ کو اس طرح کے بے تکے فضول اور لایعنی سوالات کرنے سے منع

کیا ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ آیت ۱۰۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے، خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے پہلے لوگ اس لیے تباہ و ہلاک کر دیئے گئے کہ انہوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور کثرت سے سوالات پوچھا کرتے تھے۔" (۱) ایک اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کثرتِ سوالات سے منع فرمایا ہے۔

ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر وغیرہ وہ آلات ہیں جو تصویر محفوظ کرنے اور اسے دوسرے مشاہدین و سامعین تک پہنچانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، علماء کا ایک بڑا گروہ جو محقق و مستند مانا جاتا ہے، تصویر کی حرمت کی وجہ سے اور بعض دوسرے فتنوں کی وجہ سے جو ان آلات سے متعلق ہیں، یک جنبش قلم ان تمام چیزوں کا سننا اور دیکھنا حرام قرار دیتا ہے، جب کہ انہی محققین علماء کا ایک گروہ مشروط طریقے پر اس کے جواز کا فتویٰ دیتا ہے، ٹی وی کے پروگرام اور ویڈیو کیسٹس کو اگر دینی، اصلاحی، سائنسی، معلوماتی، تعلیمی اور سماجی شعبوں کے طور پر عوام و خواص کی رہنمائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا جواز موجود ہے بشرطیکہ یہ تمام پروگرام موسیقی اور عورتوں کی شرکت (یعنی عورتوں کا پردہ اور اسکرین پر آنا) سے پاک ہوں۔

ہمارے ملکوں کے ٹی وی پروگرام اور بازار میں ملنے والے ویڈیو کیسٹس کون کون سے اچھے پروگرام پیش کر رہے ہیں، اس کا علم مجھ سے زیادہ خود آپ کو ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج ہمارے ٹی وی پروگرام اور بازار میں ملنے والے ویڈیو کیسٹس سوائے فحاشی و آوارگی، بے پردگی و حرام کاری پھیلانے کے اور کوئی کام نہیں کر رہے ہیں، ایک صاحب علم نے برسوں قبل اخبارات و جرائد میں فلمی صفحات اور عورتوں کی رنگین تصاویر کے بعد کہا تھا کہ اب تو ہم جیسے شرفاء لوگ اخبار خرید کر گھر بھی نہیں جا سکتے کہ کہیں ہماری شرافت اور ہمارا علم و عمل بھی مشکوک نہ ہو جائے۔ آج ٹی وی اور وی سی آر کا معاملہ تقریباً وہی ہے جو اس بزرگ نے اخبارات کے بارے میں لکھا تھا کہ علماء و شرفاء کے لیے ان آلات کو گھروں میں رکھنا باعثِ شرم بن گیا ہے، تفریح طبع

---

(۱) متفق علیہ

کے نام پر ہر قسم کی حرام کاری وبے حیائی کو نشر کیا جارہا ہے، حالانکہ اسلام نے کبھی بھی محدود اور مباح تفریح کی مخالفت نہیں کی، بلکہ رسول کریم ﷺ نے تو اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ آج مسلم معاشرے کو ایسے مخلص لوگوں کی ضرورت ہے جو اس میدان میں قوم کی صحیح رہنمائی کریں اور میڈیا کو مشرف بہ اسلام کریں، ان آلات کو مثبت انداز میں اصلاح وتعلیم کے لیے استعمال کرنے کی مہم شروع کریں اور میڈیا پر شیطانی قیادت کے بجائے صالح قیادت کو سامنے لائیں۔

سالگرہ کی شرعی حیثیت

سوال: سالگرہ کا اسلام میں کوئی وجود ہے یا نہیں؟ یہ رسم کب ایجاد ہوئی اور اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ چند روز قبل ایک دوست کی سالگرہ کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں لوازماتِ اکل وشرب کے ساتھ ناچ گانا اور ڈانس کا بھی اہتمام تھا، جب دوستوں سے اس موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ سالگرہ صرف مکروہ ہے، یہ حرام نہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

(حافظ علی اکبر، جدہ)

جواب: سالگرہ کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، نہ یہ رسولِ کریم ﷺ ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام یا سلفِ صالحین میں سے کسی نے اس فضول اور بے مقصد رسم کا اہتمام کیا ہے، بلکہ یہ غیر مسلم یہود ونصاریٰ کی ایجاد کردہ رسم اور مغربی ثقافت کی دین ہے، احادیث میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم اور غیر مسلم اقوام کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت صراحتاً منقول ہے، ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ (اس کا شمار) انہی میں سے ہوگا، من تشبہ بقوم فھو منھم .(۱) عبادات اور مذہبی شعائر میں غیر اقوام کی مشابہت جائز نہیں، البتہ

---

(۱) ابوداؤد عن ابن عمر، باب فی لبس الشھرۃ، کتاب اللباس

معاشرتی اور سماجی زندگی اور باہمی تعلقات میں اسلام کا منشا ہے کہ مسلمان اپنے طور طریق سے ممتاز رہیں، مثلاً اسلام میں یہودیوں اور عیسائیوں کے تشبہ سے روکا گیا، پس ایسی چیزیں کہ جن کے لیے شریعت نے خود اس کے لیے اصول و قواعد ذکر کر دیئے ہیں جیسے کھانا پینا، داڑھی مونچھ، آداب ملاقات، ان امور میں اسلامی طریقے کو نظر انداز کر کے کسی خاص قوم کی وضع کو اختیار کر لینا مکروہ ہوگا۔(۱)

سالگرہ کی حیثیت بھی معاشرتی ہی کی ہے، اس لیے یہ عمل مکروہ ہے اور اس کی کراہت شدید ہے۔ مسلم معاشرے میں اس طرح کے رسوم ورواج اور ایسی محفلوں کا انعقاد دراصل اسلامی تہذیب و تمدن کے سلسلے میں احساسِ کمتری اور مغربی ثقافت کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، جو بڑی خطرناک اور مذموم ذہنیت ہے، اس پس منظر میں بسا اوقات معمولی مسائل بھی بڑی اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔

بہر حال کسی خوشی کے موقع پر یا کسی جائز مناسبت سے دوستوں کا اجتماع اور کھانے پینے کا اہتمام یقیناً ناجائز نہیں، لیکن سالگرہ کا چوں کہ اسلام میں کوئی وجود نہیں اور پھر یہ غیر اسلامی تہذیب کا حصہ ہے جس میں یہود و نصاریٰ کی تقلید اور ان سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے، اس لیے اس مناسبت سے کسی محفل کا انعقاد شدید مکروہ ہوگا، البتہ اس موقع پر جو دوسری لغویات انجام دی جاتی ہیں جیسے ناچ گانا اور ڈانس وغیرہ، ان کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے۔؟

راستے میں پڑی چیز پانے کا مسئلہ

سوال: نمازِ جمعہ کے بعد ہم تین دوست واپس لوٹ رہے تھے، ایک دوست کو راستہ میں "ہلالہ" (سکہ) پڑا نظر آیا، جو اس نے فوراً اٹھالیا، میں نے کہا کہ یہ آپ کی ملکیت نہیں اسے اسی جگہ رکھ دیں، اس نے میری بات مان لی اور اسے پھینک دیا لیکن چند قدم آگے بڑھنے کے بعد کہنے لگا کہ اگر آپ کو یہاں پچاس ہزار کی رقم پڑی ہوئی ملے تو آپ

---

(۱) حلال و حرام: ۱۹۵ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اسے فوراً اٹھالیں گے، میں نے جواب دیا کہ میں ہرگز نہیں اٹھاؤں گا، پھر اس پر کچھ تکرار ہونے لگی؛ شرعی طور پر ہماری رہنمائی فرمائیں کہ راستہ میں ایسی لاوارث چیز کو اٹھالینا جائز ہے یا نہیں؟

(محمد اعجاز، جدہ)

جواب: راستہ میں گری پڑی چیز معمولی اور کمتر درجہ کی ہو، جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اس کے مالک کو اس کی حاجت نہیں یا وہ اس کی تلاش و جستجو نہیں کرے گا اور کسی کے ہاں دیکھ لے تو اس کا مطالبہ نہ کرے گا، تو ایسی معمولی گری پڑی راستہ کی چیز کو اٹھالینا اور خود استعمال کرنا بھی جائز ہے، مسندِ احمد اور ابوداؤد کی روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لاٹھی، رسّی اور اس جیسی چیز کو اٹھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی، ایک اور روایت میں ہے کہ: "نبی کریم ﷺ کا گزر راستہ میں پڑی ایک کھجور پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔"(۱)

راستہ میں پڑی ہوئی چیز اگر قیمتی ہو جس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کا مالک اس کا مطالبہ کرے گا یا اسے اس کی تلاش و جستجو رہے گی تو ایسی چیز کو اٹھالینا مستحب ہے، بشرطیکہ اپنے آپ پر یہ اعتماد ہو کہ اس کی تشہیر کر کے مالک کے حوالے کر دے گا، اگر اپنے اوپر یہ اعتماد نہ ہو تو اسے وہیں چھوڑ دیا جائے، لیکن اگر اس چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو اٹھالینا اور اس کی تشہیر کرنا ضروری ہے، بعض روایات میں سال بھر اعلان کرانے کا ذکر بھی ہے، جس کی بنا پر بعض علماء ایک سال تک اس کی تشہیر ضروری قرار دیتے ہیں،(۲) جب کہ بعض کے نزدیک ملنے والی چیز کی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اتنی مدت تشہیر کی جانی چاہیے کہ اٹھانے والے کو یہ یقین ہو جائے کہ اب اس کا مالک (اتنے دنوں کے بعد) اس کا مطالبہ نہیں کرے گا،(۳) اگر کوئی کھانے پینے والی یا خراب ہونے والی چیز ہو تو اس کے خراب اور ضائع ہونے سے پہلے تک ہی تشہیر

---

(۱) ابوداؤد عن انس باب الصدقة على بنى هاشم كتاب الزكوة (۲) هدايه ۲/۶۰۴، مختصر الطحاوی ۱۳۹ (۳) بدائع الصنائع ۵/۲۹۸ ط: بیروت

کی جائے گی،(۱) اب اگر اس اعلان کے بعد بھی مالک کا پتہ نہ چلے تو اس چیز کا کیا کیا جائے ؟اس سلسلہ میں بعض صحابہ کرامؓ اور اہل علم کا رجحان تو یہ ہے کہ اٹھانے والا شخص خود ہی اس چیز کا مالک بن جاتا ہے، چاہے وہ مالدار ہو یا مفلس،(۲) جب کہ بعض صحابہ کرامؓ کا قول اور احناف کا مسلک بھی یہ ہے کہ اٹھانے والا شخص اگر محتاج و مسکین نہ ہو بلکہ مالدار ہو تو وہ خود استعمال نہ کرے بلکہ کسی فقیر و مسکین پر صدقہ کردے(۳)، اس صدقہ کے بعد بھی اگر اصل مالک آجائے تو اسے اپنی چیز واپس لینے اور مطالبہ کرنے کا حق رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی معمولی و حقیر چیز آدمی کو ملے تو وہ اٹھا کر چاہے تو خود استعمال کرلے یا کسی مسکین کو صدقہ کردے (تشہیر و اعلان کی ضرورت نہیں) اور اگر کوئی قیمتی چیز ملے تو، یا تو اسے نہ اٹھائے، اسی حالت میں چھوڑ دے یا اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا کسی غلط شخص کے ہاتھ لگنے کا اندیشہ ہو تو اس کو اٹھا کر مناسب مدت تک اس کی تشہیر و اعلان کے ذریعہ مالک کا پتہ چلانے کی کوشش کرے، جب یقین ہو جائے کہ اب اس کا مالک نہیں آئے گا تو اس چیز کو یا تو مالک کے انتظار میں بطورِ امانت رکھے رہے یا پھر کسی محتاج و مسکین اور ضرورت مند شخص پر صدقہ کردے، اگر خود ہی مفلس ہو تو اپنے استعمال میں بھی لا سکتا ہے، لیکن وہ مالک بہر حال نہیں ہوگا، اصل مالک پہنچ جائے تو اس کو مطالبہ کرنے کا حق برقرار رہے گا۔

دو نام رکھنا

سوال: ہمارے پاس اکثر لوگ بچوں کے دو نام رکھتے ہیں، مدرسہ میں ایک نام ہوتا ہے اور گھر میں دوسرا، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

جواب: یہ درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کا خیال رہے کہ وہ نام با معنی ہو، بدشگونی اور بدفالی نہ ہو۔(۴)

---

(۱) بدائع : ۲۹۸/۵ (۲) نیل الاوطار : ۳۸۱/۵ (۳) ھدایہ : ۶۱۹/۲ ، بدائع : ۳۹۹/۵
(٤) بخاری عن سعید بن مسیب باب اسم الحزن

کسی کو رحمان کہہ کر پکارنا

سوال: اکثر لوگ اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ کسی شخص کو رحمان کہہ کر پکارنا درست ہے یا نہیں؟ آپ کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(رحمت اللہ، ریاض)

جواب: الرحمٰن اللہ تعالیٰ کے مقدس و مبارک ناموں میں سے ایک مبارک نام ہے، بعض علماء نے اسے اسم ذات قرار دیا ہے، کسی کو صرف رحمٰن کہہ کر پکارنا مناسب نہیں ہے، یہ سخت گناہ ہے کہ صرف رحمٰن کہہ کر پکارا جائے،(۱) بلکہ اس کے ساتھ عبد کی نسبت لگا کر عبدالرحمٰن کہنا چاہیے۔

رسولِ کریم ﷺ کے نام پر انگوٹھے چومنا

سوال: اذان واقامت میں جب رسول اللہ ﷺ کا نام گرامی آتا ہے تو بعض لوگ اپنے انگوٹھے چومتے اور آنکھوں پر لگاتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

(عظمت علی، طائف)

جواب: اذان واقامت کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے اسم گرامی پر آنکھوں پر انگلیاں پھیرنا اور انگوٹھا چومنا بے اصل بدعت ہے، اس سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کا عمل بعض لوگ نقل کرتے ہیں وہ بالکل موضوع اور من گھڑت ہے، علامہ طاہر پٹنی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے،(۲) علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں:

" مسح العينين بباطن أعلى السَّبَّابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن " أشهد أنَّ محمد رسول الله " لا يصح . " (۳)

"شہادت کی انگلیوں کے اوپری حصہ کا بوسہ لے کر مؤذن کے

---

(۱) ملاحظہ ہو: حلال و حرام : ۴۴۹ (۲) تذکرۃ الموضوعات : ۳۴

(۳) مختصر المقاصد الحسنۃ : ۱۸۲

"اشهد ان محمدا رسول الله" کہنے کے وقت آنکھوں پر
پھیرنا درست نہیں ہے۔"

یہی رائے سخاویؒ، ابن ربیع، غرس الدین خلیلیؒ جیسے بلند پایہ ناقدین کی بھی ہے۔(۱)
اس حدیث کے موضوع یعنی جھوٹی ہونے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے کہ اذان اور اس میں کلمۂ شہادت ایک ایسی چیز ہے جو بار بار سامنے آتی ہے اور پوری امت اس سے وابستہ ہے، اس کے باوجود صحابہؓ کی اتنی کثیر تعداد میں یہ صرف سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ بھی ایسے راویوں کے ذریعہ جو اپنی نااعتباری میں اس درجہ آگے ہیں کہ محدثین ان کی روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

قرآن و حدیث میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ عمل بدعت ہے۔

نام کے بجائے کنیت

سوال: میں نے دیکھا کہ عربی لوگ ایک دوسرے کو ابو علی، ابو حسین اور ابو یعقوب وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں، چھوٹی عمر کے لڑکوں کو بھی ایسے نام لے کر پکارتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(محمد ارشد خان، بحرین)

جواب: عربوں میں شروع سے یہ رواج موجود ہے کہ ایک دوسرے کو کنیت سے پکارتے ہیں، مثلاً ابو احمد، ابو خالد، ابو عبداللہ وغیرہ، اس کنیت کی دو قسمیں ہیں، بعض اوقات اولاد میں بڑی اولاد کے نام پر یہ کنیت رکھی جاتی ہے، مثلاً اگر سب سے بڑے بیٹے کا نام احمد ہے تو احمد کے والد کی کنیت ابو احمد ہوگی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ ویسے ہی کسی مخصوص کام کی وجہ سے یا ویسے ہی مخصوص کنیت سے ہو جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چوں کہ بلیوں سے محبت کرتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انہیں ابو ہریرہ کہا اور یہ ابو ہریرہ کی کنیت سے مشہور ہوئے، ام المومنین

---

(۱) دیکھئے سخاوی کی: المقاصد الحسنة: ۳۸۲، ابن ربیع کی "تمیز الطیب: ۱۵۹ اور غرس الدین کی کشف الالتباس: ۱/۲۰۶

عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں اولاد نہیں ہوئی، لیکن انہوں نے اپنے بھانجے (سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے بیٹے) عبداللہ کی وجہ سے اپنے لیے امّ عبداللہ کی کنیت پسند کی تھی، کوئی بھی شخص اپنے لیے کوئی بھی کنیت پسند کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کنیت کا معنی غلط نہ ہو۔(۱)

غیر اسلامی نام

سوال :اگر کوئی عورت یا مرد مسلمان ہو جائے تو کیا سب سے پہلے اس کا نام اسلامی نہیں رکھنا چاہیے ؟ایک شخص کی بیوی کا نام ابھی تک اسلامی نہیں، کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے ؟(ارشد محمود، الخبر)

جواب : یقیناً کوئی عورت یا مرد مسلمان ہو جائے تو قبولِ اسلام کے بعد سابقہ نام غیر اسلامی ہو تو اسے بدل کر اسلامی نام رکھنا چاہیے ، رسولِ کریم ﷺ بھی نامناسب ناموں کو بدل کر اچھے نام رکھا کرتے تھے ،(۲) ناموں کا اثر انسانی شخصیت پر بھی پڑتا ہے، اس لیے بہتر ناموں کا انتخاب کرنا چاہیے ، تاہم مسلمان ہونے کے لیے اسلامی نام کا ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی اسلام قبول کر کے اپنا نام نہ بدلے یا کوئی غیر اسلامی نام رکھے تو صرف اس بناء پر اس کے اسلام کی نفی نہیں کی جا سکتی، وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔

مناسب وقفہ

سوال: گوناگوں حالات اور وقتی اخراجات کی بناء پر اولاد کی پیدائش کے درمیان کتنا وقفہ کرنے کی گنجائش ہے اور اس سلسلے میں دوائی اور ٹیکے وغیرہ کا استعمال درست ہے ؟

جواب : سورۃ الاسراء آیت :۳۱، سورۃ الانعام آیت :۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ کا صریح حکم ہے کہ ”اپنی اولاد کو فقر و فاقہ اور تنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی۔“ اسی ڈر سے ولادت سے قبل حمل ضائع کرنے یا حمل قرار نہ پانے کی کوششوں کو بھی قتل اور زندہ درگور کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے جیسا

---

(۱) دیکھیے حلال و حرام : ۴۴۸ ط حیدر آباد (۲) ابو داؤد ، باب فی تغییر الاسم القبیح

کہ احادیثِ رسول ﷺ میں اس کی صراحت موجود ہے، چنانچہ بلا شدید عذر و مجبوری کے علماء نے اس کی اجازت نہیں دی، البتہ ماں اور بچہ کی صحت کے پیش نظر مناسب وقفہ اور اس سلسلہ میں عارضی منع حمل کی ادویہ استعمال کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے۔(۱) اس لیے کہ فقہاء نے بچوں سے متوقع نافرمانی اور بدسلوکی کے خوف سے بھی عزل کی اجازت دی ہے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے:

" رجل عزل عن امرأته بغير إذنها يخاف من الولد السوء في هذا الزمان فظاهر جواب الكتاب أن لايسعه و ذكر ههنا يسعه بسوء الزمان . " (۲)

مسلمانوں کے لیے ختنہ ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص نے اسلام قبول کیا مگر ختنہ نہیں کی، مسلمان ہونے کے بعد اس کے ہاں اولاد بھی ہوئی، کیا مسلمان کیلئے ختنہ ضروری ہے؟

(سید منیر حسین، جدہ)

جواب: ختنہ کرنا سنت ہے، فرض و واجب نہیں، ایک روایت میں اس کو "امورِ فطرت" میں شمار کیا گیا ہے، البتہ اس کا شمار اسلامی شعائر میں ہوتا ہے، اگر کسی جگہ یا شہر کے لوگ اجتماعی طور پر اس کو ترک کر دیں تو نہیں اس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے اور ان کے خلاف حاکم وقت جنگ بھی کر سکتا ہے، البتہ انفرادی طور پر اس کا حکم اور اس کا شمار سنت اور امورِ فطرت میں ہوتا ہے، مسلمان ہونے کے لیے ختنہ ضروری نہیں ہے، بعض علماء کے نزدیک ختنہ ساتویں دن کر دینا چاہیے، بعض کے نزدیک سات سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت تک ختنہ کی جا سکتی ہے اور بعض کے نزدیک عمر کی کوئی قید نہیں، تاہم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سلسلے میں ۱۲/ سال سے پہلے ختنہ کرانے کی شرط ہے،(۳) کیوں کہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب

---

(۱) دیکھیے: حلال و حرام: ۳۱۳ - (۲) بخاری عن ابی ہریرۃ، باب تقلیم الاظفار

(۳) ہندیہ ۵/ ۳۵۷

ہے، اس لیے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لیے واجب کو ترک کر دیا، حالانکہ سنت کی ادائیگی کے لیے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں ہے، اگرچہ بعض علماء نے ختنہ کے "شعائر" میں ہونے کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے بالغ نومسلم کے لیے بھی ختنہ کی اجازت دی ہے۔

خون کا عطیہ

سوال : ہمارے یہاں خون کی منتقلی کا رواج بہت عام ہے یعنی کسی مریض کو خون کی ضرورت ہو تو اس کے عزیز و اقارب اپنا خون دیتے ہیں یا پھر بازار سے خون خرید کر دیا جاتا ہے، کیا اس طرح مریض کو کسی دوسرے کا خون دینا جائز ہے؟

(عبدالصمد ہارون، جدہ)

جواب : جائز ہے، کتبِ فقہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ از راہِ علاج رضاعت کی مدت ختم ہونے کے بعد بھی عورت کے دودھ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، ہندیہ میں ہے:

" لا باس بأن يسعط الرجل بلبن المرأة و يشربه للدواء " (۱)

دودھ ہی پر قیاس کرتے ہوئے اکثر علماء نے ایک انسان کے جسم میں دوسرے انسان کا خون چڑھانے کی اجازت دی ہے، دودھ اور خون میں یہ امر قدرِ مشترک ہے کہ یہ دونوں انسانی جسم سے اخراج کے بعد دوبارہ بہت جلد اپنی کمی پوری کر لیتے ہیں۔ (۲)

مرد کی آواز کا حکم

سوال : کیا عورت کے لیے مرد کی آواز سننا جائز ہے؟ مثلاً کوئی عورت گھر میں بیٹھ کر مرد کی آواز میں تلاوتِ قرآن پاک کی کیسٹ وغیرہ سن سکتی ہے یا نہیں؟

جواب : مرد کی آواز میں تقریر، تلاوتِ قرآن وغیرہ سننا جائز ہے، مرد کی آواز عورت کے لیے حرام وناجائز نہیں۔

---

(۱) ہندیۃ ۵ : ۳۵۵ (۲) دیکھئے : حلال و حرام ۱۷۸

داڑھی کی مقدار

سوال: میں داڑھی رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں لیکن چھوٹی یعنی ایک آدھ انچ، میں نے حج کے دنوں میں اتنی داڑھی رکھنے کا ارادہ کیا تھا، تاکہ جو میں شیو بناتا ہوں اس سے نجات حاصل کروں لیکن ابھی کتاب میں پڑھا کہ داڑھی منڈوانا اور کاٹنا دونوں حرام ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ داڑھی کی مسنون مقدار کتنی ہے؟ بعض لوگ جو چھوٹی داڑھی رکھتے ہیں کیا وہ درست ہے؟

(ایم نعیم، نجران)

جواب: داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، یہ رسول کریم ﷺ کی مستقل سنت ہے، اسی لیے بعض علماء نے اسے واجب بھی کہا ہے جب کہ بعض علماء نے اسے (بعض مخصوص حالات میں) شعائرِ اسلام میں سے بھی قرار دیا ہے، داڑھی رکھنے کے وجوب پر یوں تو کئی اور دلائل بھی موجود ہیں لیکن سب سے بڑی دلیل جو ہر صحیح مسلمان اور اسلامی ذوق والے مؤمن کے لیے کافی ہے وہ یہ ہے کہ یہ عمل اس ہستی کی سنت ہے جس کی محبت واطاعت کے بغیر ایمان کی تکمیل ناممکن ہے، خود جناب رسول کریم ﷺ داڑھی کو اتنی اہمیت دیتے ہیں اور داڑھی کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے یمن کے والی کے دو نمائندوں کو اسلام کی دعوت قبول کرلینے سے قبل داڑھی رکھنے کی رغبت دلائی، طبقات ابن سعد اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ والیٔ یمن کے دو نمائندے جب رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا گیا کہ ان کے چہرے بالکل صاف ہیں یعنی داڑھی اور مونچھیں دونوں کی شیو کی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے سوالیہ انداز میں پوچھا یہ تمہیں کیا ہوا؟ تمہیں اس طرح کا حلیہ اختیار کرنے کا حکم کس نے دیا؟ نمائندوں نے جواب دیا کہ ہمیں کسریٰ نے یہ حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیکن میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کتراؤں۔

رسولِ کریم ﷺ کے کئی ارشاداتِ عالیہ کا مفہوم جو کئی احادیث میں موجود ہے

کہ اچھی فطرت کے کئی اہم اچھے کام ہیں، یہ کام ایسے ہیں ملتِ ابراہیمی سے ہمیں ملے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ داڑھی بڑھائی جائے اور مونچھیں کتروائی جائیں، کئی صحیح احادیث سے یہ ارشادِ مبارک بھی ثابت کہ داڑھی بڑھاؤ، (۱) جب کہ بعض احادیث میں داڑھی بڑھانے یعنی داڑھی رکھنے اور مونچھیں کتروانے کو مخالفتِ یہود بھی کہا گیا ہے، داڑھی کے وجوب اور اس کے مستقل سنت ہونے اور اس کے اچھی فطرت کے مطابق ہونے کا ایک ثبوت اور اہم دلیل یہ بھی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے داڑھیاں رکھی ہیں۔

داڑھی نہ رکھنا رسول کریم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی ہے اور آپ ﷺ کے حکم کی نافرمانی ہے، قرآن ہمیں بار بار اس نافرمانی سے ڈراتا ہے کہ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوگیا، قرآن ہی نے سنت کی مخالفت کو فتنہ اور فتنوں میں پڑ جانا قرار دیا ہے، سنت کی مخالفت کو قرآن پاک میں باعثِ عذابِ الٰہی بھی کہا گیا ہے، (۲) اس مستقل سنت کا ترک کرنا اس لیے بھی شدید خطرے والی بات ہے کہ آپ ﷺ نے سنت کو (بلا عذرِ شرعی) ترک کرنے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے، ارشاد فرمایا: چھ قسم کے لوگوں پر میں نے بھی لعنت بھیجی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی ان پر لعنت ہے، (ان میں ایک وہ ہے) جس نے میری سنت کو ترک کردیا۔ (۳)

داڑھی منڈانا نہ صرف کبیرہ گناہ ہے بلکہ حرام ہے، اس گناہ کی حرمت اس لیے بھی شدید ہے کہ یہ وہ گناہ ہے جو تسلسل سے روزانہ کیا جاتا ہے اور کسی بھی کبیرہ گناہ کے بارے میں احادیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ کوئی بھی بڑا گناہ کرنے سے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے، اگر صدق دل سے توبہ کی جائے (اور آئندہ یہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا جائے) تو یہ نقطہ محو کردیا جاتا ہے، یعنی مٹادیا جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کی جائے اور مسلسل کبیرہ گناہ کیے جائیں تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور پھر دل کو زنگ کی بیماری لگ جاتی ہے اور آخر میں ایسے دل پر مہر لگ جاتی ہے جس

(۱) بخاری، باب تقليم الاظفار، نسائی عن عائشه، كتاب الزينة من السنن الفطرة: ۲/۲۳٤

(۲) ملاحظه هو: احزاب: ۳٦ (۳) ترمذی ابواب القدر

سے یہ دل مرجاتا ہے اور ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ داڑھی کتنی مقدار میں رکھی جائے تو اس بارے میں علماء نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ علماء کا ایک گروہ احادیث کے ظاہری الفاظ اور کثرتِ روایات کی بناء پر داڑھی کو چھوٹا کرنا یا طول و عرض سے کم کرنا جائز نہیں سمجھتا اور ان کا کہنا یہ ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور اسے کم نہ کیا جائے کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ داڑھی بڑھاؤ جب کہ علماء کے دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ کئی روایات سے یہ ثابت ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض صحابہؓ اپنی داڑھی کو جب زیادہ بڑھتا ہوا دیکھتے تو طول و عرض سے اسے چھوٹی کر لیا کرتے تھے،(۱) لیکن یہ مقدار ایک مشت سے کم نہیں ہوتی تھی، اسی لیے فقہاء نے ایک مشت داڑھی کو مسنون قرار دیا ہے اور ایک مشت سے کم کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، علماء کے تیسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کی مقدار مقرر نہیں فرمائی، لہٰذا داڑھی اتنی ہو کہ ذرا فاصلے سے نظر آئے اور بہت زیادہ چھوٹی نہ ہو (جیسا کہ آج کل فیشن بن گیا ہے کہ بالکل چھوٹی داڑھی رکھ لی جاتی ہے) تو یہ عمل بھی درست ہی ہوگا اور اسے داڑھی ہی کہا جائے گا۔

احناف کے مشہور امام اور شارح بخاری امام بدر الدین العینیؒ نے عمدۃ القاری میں فرمایا: ”سلف میں داڑھی کی مقدار اور حد کے معاملے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ اگر لمبائی یا چوڑائی میں زیادہ پھیل جانے کی وجہ سے اچھی معلوم نہ ہو تو اسے چھوٹا کر لیا جائے، بعض نے کہا ہے کہ ایک مشت سے زیادہ ہو تو اسے کم کر لیا جائے،(۲) سیدنا ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں ہے کہ یہ حضرات بھی اپنی داڑھی کو طول و عرض سے کم کیا کرتے تھے،(۳) بعض نے کہا ہے کہ اتنی چھوٹی بھی نہ کی جائے کہ بالکل ہی چھوٹے چھوٹے بال ہو جائیں، لیکن انہوں نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں

---

(۱) فتح الباری اوّل باب تقلیم الاظفار (۲) عمدۃ القاری، باب تقلیم الاظفار، کتاب اللباس

(۳) نصب الرایہ: ۴۵۸/۲، بخاری، کتاب اللباس: ۸۷۵/۲

فرمائی، اس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کا کم کرنا (ترشوانا) اس حد تک جائز ہے کہ عرف عام میں اسے داڑھی ہی سمجھا جائے، امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس بارے میں کئی اقوال لکھے ہیں اور فرمایا ہے کہ بعض صحابہؓ جب اپنی داڑھی کو بڑھتا ہوا دیکھتے تو طول و عرض سے اسے چھوٹی کر لیا کرتے تھے۔

ہمیں داڑھی کی وضع قطع میں اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ ایک تو یہ بہت چھوٹی نہ ہو اور دوسرا یہ کہ موجودہ دور میں بعض منافقوں اور فاسق و فاجر قسم کے لوگوں نے جو فیشنی داڑھیاں رکھ لی ہیں ان کی طرح نہ ہو، بلکہ رسول کریم ﷺ کی پسندیدہ مستقل سنت کے طور پر ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں سنت کا عامل بنائے اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما کر ہمیں دامن عفو و رحمت سے ڈھانپ دے۔ (آمین)

اشاروں کے ذریعے سلام

سوال: آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ السلام علیکم کہنے کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن ناچیز کی نظر سے ایک حدیث گزری، جس میں رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جو شخص ہمارے غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں، تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ، یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلیوں سے اشارہ کی صورت میں ہوتا ہے'' اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

(انوار الحق، مدینہ منورہ)

جواب: اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی سلام کے معاملہ میں صرف ہتھیلی یا انگلیوں کے اشارہ پر اکتفا کرتے تھے، السلام علیکم نہیں کہتے تھے، جیسے آج بھی بعض غیر مسلم جب کسی سے ملتے ہیں تو ہاتھ جوڑ کر استقبال کرتے ہیں، بہرحال غیر مسلم اقوام کی مشابہت کسی بھی معاملے میں جائز نہیں، لہٰذا انگلیوں یا

ہتھیلیوں کے اشارے سے سلام کرنا بھی یقیناً جائز نہ ہوگا،(۱) ہمارے گزشتہ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دور ہو اور سلام کی آواز اس تک نہ پہنچ سکتی ہو تو السلام علیکم کہنے کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اشارہ بھی کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ اشارہ سلام وتحیہ نہیں ہے بلکہ سلام پر دلالت کرنے والا ہے اور السلام علیکم کے تابع ہے، چنانچہ تنہا اشارہ کرنے پر اکتفا کرنا، اسی طرح قریب ہونے کی صورت میں ہاتھ سے اشارہ کرنا درست نہ ہوگا۔

غیر مسلم کو سلام

سوال: اگر کوئی غیر مسلم سلام کرے تو اس کو کیسے جواب دینا چاہیے؟ اگر کسی کے بارے میں پتہ ہی نہ ہو کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم تو اس کو کیسے سلام کیا جائے؟ پورا جملہ السلام علیکم کہیں یا صرف سلام کہنا کافی ہے؟

(عبد القادر، دمام)

جواب: غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنی چاہیے، اگر وہ خود سلام کریں تو صرف "وعلیکم" کہا جا سکتا ہے،(۲) اسی طرح جس شخص کے بارے میں اطمینان نہ ہو کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں اس کو بھی سلام نہ کیا جائے، سلام اللہ تعالیٰ کا نام مبارک بھی ہے اور اللہ کی طرف سے سلامتی کا مستحق صرف مسلمان ہی ہے، سورۂ طٰہٰ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" اور سلامتی (سلام) ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے،(۳) رسولِ کریم ﷺ جب امراء وسلاطین کو دعوتِ اسلام کے سلسلے میں خطوط روانہ فرماتے تو یہی سلام لکھواتے، جیسا کہ کتبِ احادیث میں مذکور ہے۔

غیر مسلموں سے مصافحہ

سوال: اکثر نماز کے لیے گھر سے وضو کرکے نکلتے ہیں، لیکن بعض اوقات راستہ میں غیر مسلموں سے ملاقات ہونے پر مصافحہ کرنا پڑتا

---

(۱) ترمذی عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده . باب ماجاء فی کراهیة اشارة الید فی السلام

(۲) ابو داؤد عن ابن عمر ، باب فی السلام علی أهل الذمة (۳) طبقات ابن سعد : ۱۶/۳

ہے، کیا ایسی صورت میں غسل و وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

(عبدالقادر داؤد، بریدہ)

جواب: غیر مسلموں سے مصافحہ کرنے اور ہاتھ ملانے کی وجہ سے غسل اور وضوء پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا ایسی صورت میں نہ غسل کے اعادہ کی ضرورت ہے اور نہ وضو کے اعادہ کی۔

گرم چیز میں پھونک مارنا

سوال: کسی گرم چیز میں ٹھنڈی کرنے کی غرض سے پھونک ماریں تو کیا اس کا استعمال مکروہ ہو جاتا ہے؟ اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔

(اسلام اللہ راجہ، طائف)

جواب: ٹھنڈی کرنے کی غرض سے کسی گرم چیز میں پھونک مارنا مکروہ ہے، البتہ اس چیز کا استعمال جائز ہے، ٹھنڈی و گرم کی کوئی قید نہیں، کسی بھی مشروب (پینے کی چیز دودھ پانی وغیرہ) میں پھونک مارنے سے رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔(۱) ایک شخص نے سوال کیا کہ: "یا رسول اللہ اگر میں برتن میں کچرا دیکھوں؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے بہادو۔" (۲)

دستر خوان کے طور پر اخبار کا استعمال

سوال: ہم دو آدمی ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہیں، کھانے کے وقت اکثر میرا ساتھی دستر خوان کی جگہ اخبار بچھاتا ہے، میں نے منع کیا کہ اس میں قرآن کی آیتیں، اللہ، رسول کے نام وغیرہ لکھے ہوتے ہیں، لیکن میرے بار بار منع کرنے کے باوجود نہیں مانتا، کیا اس طرح اخبار کا استعمال درست ہے؟

(غ. ر. عباسی، جدہ)

جواب: اگر اخبار میں حدیث مبارکہ یا قرآن مجید کی آیت وغیرہ ہو تو یقیناً دستر خوان

---

(۱) جمع الفوائد: ۱/ ۲۹٤ عن ابن عباس بسند ضعیف (۲) ترمذی عن ابی سعید الخدری باب ماجاء فی کراهیة النفخ فی الشراب، کتاب الاشربة

کے طور پر ایسے اخبار کا استعمال قرآن و حدیث کی بے حرمتی کے مترادف ہے اور خلافِ ادب ہے، اس کے علاوہ عام حالات میں بھی دستر خوان کی جگہ اخبار کا استعمال مناسب نہیں، چنانچہ حاکم نے امام ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ کھانے کے بعد ہاتھ پوچھنے کے لیے اخبار کے کاغذ کو استعمال کرنے کو مکروہ کہتے تھے اور آپؒ اس قدر شدت فرماتے کہ ایسا کرنے والے کو زجر و توبیخ بھی فرماتے، **حکی الحاکم عن الامام أنه کان یکره استعمال الکواغذ فی ولیمة لیمسح بها الاصابع و کان یشدد فیه و یزجر عنه زجرا بلیغا** .(۱) ہندیہ ہی میں ایک مسئلہ نقل کیا گیا ہے کہ جس کتاب میں خبریں ہوں ان کو تکیہ بنانا جائز نہیں: **التوسد بالکتاب الخ**.(۲)

لہٰذا ان مسائل کے پیش نظر اخبار کا دستر خوان کے طور پر استعمال کرنا کاغذ کی بے حرمتی کی وجہ سے مناسب نہیں اور اگر اس میں قرآن کی آیتیں، ترجمہ یا احادیث ہوں یا اسلامی مضامین ہوں تو کتابوں کی طرح ان کا بھی احترام لازم ہے، دستر خوان کے طور پر ان کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

غیر مسلم کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا

سوال: میرے دوستوں میں بعض ہندو بھی شامل ہیں، مسلم ساتھیوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلم کے ہاتھ کی پکائی ہوئی کوئی چیز نہیں کھانی چاہیے، اسی طرح ان کے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑے بھی ناپاک ہوتے ہیں، کیا یہ خیال درست ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(عبد القادر، داؤد، عنبر پیٹ)

جواب: حلال چیز اگر غیر مسلم پکائے تو اس کے پکانے کی وجہ سے وہ حرام نہیں ہو جاتی، لہٰذا غیر مسلم کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے(۳) بشرطیکہ وہ فی نفسہ حلال و

---

(۱) ہندیۃ: ۵/۳۲۲، الباب الخامس کتاب الکراھیۃ
(۲) حوالہ سابق (۳) دیکھئے: حلال و حرام: ۱۱۶

مباح ہو، اسی طرح شرعی طور پر ناپاکی دور کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو تو غیر مسلم کے ہاتھ سے دھلے ہوئے کپڑے بھی پاک ہوں گے، کپڑوں کی پاکی کے لیے دھونے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

سیدھے ہاتھ سے پانی پینا

سوال: کھانے کے دوران چوں کہ سیدھا ہاتھ جھوٹا ہوتا ہے، اس لیے پانی پینا ہو تو بائیں ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑنا ہوتا ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟

(عبدالقادر داؤد، عنیزہ)

جواب: سیدھے ہاتھ سے پانی پینا سنت ہے، کھانے کے دوران اگر اس پر عمل ممکن نہ ہو تو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی یا پشت سے اسے سہارا دیں، اس طرح سیدھے ہاتھ سے پانی پینے کی سنت پر بھی عمل ہو جائے گا۔

پاؤں دھو کر پینا

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت اگر اپنے خاوند کے پیر دھو کر پینا چاہے تو یہ جائز ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

(محمد منشا، جدہ)

جواب: یہ عامیانہ باتیں ہیں، شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں، بعض جگہ یہ لفظ بطورِ محاورہ اور خاوند کی نہایت درجہ عظمت واحترام کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے حقیقی معنی مقصود نہیں ہوتے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا

سوال: بھوکوں کو کھانا کھلانا یا فقیروں، غریبوں کو جمع کر کے اپنے گھر میں کھانا کھلانا کیسا ہے؟

(محمد حسین، جدہ)

جواب: بھوکوں کو کھانا کھلانا خواہ یہ بھوکے نافرمان و گنہگار ہی کیوں نہ ہوں ایک بڑی

نیکی اور قابل قدر عبادت ہے، سورۃ الحج میں خاص طور پر ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت کو مساکین میں تقسیم کریں یعنی ان کو کھلائیں۔(۱) سورۃ الانسان میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کی ایک خاص اہمیت اور فضیلت کے ساتھ ذکر موجود ہے۔(۲)جب کہ سورۃ المدثر میں بعض لوگوں کے جہنم میں جانے کا سبب یہی بتلایا گیا ہے کہ وہ دنیا میں قدرت واستطاعت کے باوجود بھوکوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔(۳)اسی طرح قرآن نے ان لوگوں کی شدید مذمت کی ہے اور ان کے اس عمل کو جرم قرار دیا ہے جو دوسروں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ جیسا کہ سورۃ الفجر آیت نمبر ۱۸، سورۃ الماعون آیت نمبر ۳ اور سورۃ الحاقہ آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ایک مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا: ''لوگو! (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ، سلام پھیلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تم نماز (تہجد) پڑھو (اگر تم لوگ یہ تین اہم نیکیاں انجام دینے لگو) تو جنت میں سہولت سے داخل ہو جاؤ گے''(۴)

ایک طویل حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے سے ارشاد فرمائے گا کہ اے میرے بندے میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا اس پر بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب! آپ کیسے بھوکے رہ سکتے ہیں کہ آپ تو رب ہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا (تیری دنیا کی زندگی میں) میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا (یا تجھے اس کا بہترین اجر وثواب ملتا۔(۵)

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تاریخ وسیر کی بعض کتب میں لکھا ہے کہ وہ کبھی بھی بغیر مہمان یا مسکین کے اکیلے کھانا نہیں کھایا کرتے تھے، اسی طرح سیّدنا عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں صحیح بخاری میں ہے کہ آپؓ اس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتے تھے جب تک کوئی مسکین تلاش کر کے اسے اپنے ساتھ کھانے پر نہ بٹھاتے۔

---

(۱) حج: ۲۸، ۳۶ (۲) دھر: ۸، ۹ (۳) مدثر: ۴۴ (۴) ابوداؤد عن عبداللہ بن سلام باب اطعام الطعام، ابواب الطعمة (۵) مسلم عن ابی ھریرة باب فضل عبادة المریض، کتاب البر والصلة والادب

یہ آیات واحادیث ہمیں رغبت دلاتی ہیں کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، خواہ وہ عمل کے لحاظ سے کمزور یا فاسق وفاجر ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اگر کوئی عادی مجرم ہو تو اس کے کھانے پینے میں اس کی مدد کرنے یا اسے کھلانے پلانے سے اجتناب کیا جائے کہ اگر اس کا پیٹ بھرے گا تو یہ پھر تازہ دم ہو کر جرم وگناہ کرے گا اور زمین میں فساد پھیلائے گا۔ اس بارے میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک بھی ہمارے سامنے رہنا چاہیے کہ "مؤمن (کامل) کے علاوہ دوسرے کسی کو اپنا دوست مت بناؤ اور متقی کے علاوہ دوسرے کسی کو اپنا کھانا مت کھلاؤ۔"(۱)

کسی پیاسے کو پانی پلانا یا بھوکے کو کھانا کھلانا ایک بڑی نیکی ہے اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ بعض لوگوں کی نجات اور مغفرت کے لیے ان کی یہی نیکی سبب بن سکتی ہے، رسول کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کا ذکر کیا ہے کہ اس فاحشہ عورت نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا، جس پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔(۲) کتے کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے تو کسی انسان اور کسی مسلمان کے ساتھ نیکی کرنا، اس کی خدمت ومدد کرنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں کس قدر پسندیدہ عمل ہوگا؟۔

کھاتے وقت بات چیت

سوال: ہمارے دفتر میں کافی مسلمان کھانا کھاتے وقت باتیں کرتے رہتے ہیں، مشروبات بائیں ہاتھ سے پیتے ہیں اور بیٹھا ہوا آنے والے کو سلام کرتا ہے، سنت طریقہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(غلام حسین الاکھو، جدہ)

جواب: کھاتے وقت بات چیت جائز ہے، کثرت سے باتیں کرنا مناسب نہیں، نیز کھانے کے دوران اللہ تعالیٰ کی تعریف وشکر بھی زبان سے ادا ہونا چاہئے اور یہ دعا پڑھنی چاہئے: " اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ " (اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف

---

(۱) ابو داؤد حدیث نمبر: ۴۸۳۲ (۲) بخاری باب فضل سقی الماء، کتاب المساقاۃ

ہے اور تیرے ہی لیے شکر) پانی یا کوئی بھی مشروب سید ھے یعنی دائیں ہاتھ سے پینا سنت ہے، کھانا کھاتے وقت چوں کہ دایاں ہاتھ مشغول رہتا ہے، اس لیے بائیں ہاتھ سے پانی پیا جاسکتا ہے، لیکن گلاس وغیرہ کو دائیں ہاتھ کی پشت سے سہارا دینا چاہیے، تاکہ ممکنہ حد تک سنت کی ادائیگی ہو سکے، اگر روٹی یا کوئی اس طرح کی چیز کھائی جارہی ہو تب تو مکمل طور پر دایاں ہاتھ پانی پینے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے، اسی طرح سلام کے بارے میں بھی سنت یہ ہے کہ آنے والا شخص بیٹھے ہوئے کو سلام کرے لیکن اگر وہ بھول جائے تو بیٹھا ہوا شخص سلام کا انتظار نہ کرے بلکہ سلام میں پہل کرے، اسے سلام میں پہل کرنے کا ثواب ملے گا۔

خواتین اور سونے کے زیورات

سوال: ایک کتاب میں ابوداؤد، مستدرک حاکم کے حوالے سے یہ حدیث پڑھنے کا اتفاق ہوا، جس میں رسول کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے" جو کوئی اپنی لاڈلی کو آگ کی بالی پہنانا چاہے اسے سونے کی بالی پہنادے اور جو کوئی اپنی پیاری کو آگ کا کنگن پہنانا چاہے وہ اسے سونے کا کنگن پہنادے، اس لیے تم بس چاندی کو اپنالو، اسی سے جی بہلاؤ، ہاں اسی سے جی بہلاؤ" اسی طرح اس (کتاب) میں یہ حدیث بھی مذکور ہے:" سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنتِ ہبیرہ (رضی اللہ عنہا) خدمتِ اقدس رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کی بڑی انگوٹھی تھی، رسول اللہ ﷺ ان کے ہاتھ پر (ایک چھڑی سے جو آپ کے دستِ مبارک میں تھی) مارنے لگے اور ان سے فرمایا: کیا تو چاہتی ہے کہ تیرے ہاتھوں میں آگ کی انگوٹھی ہو؟) پھر یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت کے لیے حاضر ہوئیں، ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابھی میں وہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ

سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے، اس وقت سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کی زنجیر پڑی ہوئی تھی، انہوں نے عرض کیا ابوالحسن (یعنی آپ کے شوہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے یہ مجھے دیا ہے، جب آپ یہ کہہ رہی تھیں تو زنجیر کے حلقے آپ کی انگلیوں میں دبے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فاطمہ! کیا تمہیں پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) کے گلے میں آگ کی زنجیریں ہیں؟ (پھر آپ نے انہیں سرزنش کی) اور سخت سست کہا، پھر بیٹھے نہیں، اٹھ کر چلے گئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا اٹھیں، زنجیر لی اور اسے فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا، رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔" (نسائی، ابوداؤد طیالسی، حاکم وغیرہ) ان روایات کی روشنی میں صاحبِ کتاب نے اپنے یہ رائے ظاہر کی کہ سونے کا استعمال عورتوں سمیت سب پر حرام ہے اور بظاہر ان روایات سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے تو کیا خواتین کے لیے سونے کا استعمال اور سونے کے زیورات پہننا منع ہے؟ جب کہ خواتین میں اس کا عام استعمال ہے اور ان پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، براہِ کرم وضاحت فرمائیں اور حکم شرعی سے آگاہ کریں۔

(محمد وحید الدین، جدہ)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض احادیث سے عورتوں کے لیے بھی سونے کے زیورات کی حرمت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ بعض حضرات اسی کے قائل ہیں کہ عورتوں کے لیے سونے زیورات (ہار، کنگن اور سونے کی بالیاں) حرام ہیں، جن کا ذکر مذکورہ بالا حدیث میں موجود ہے۔ ان حدیثوں کے علاوہ بھی ایک دو حدیثیں اور ہیں جن سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں کے لیے بھی سونے کا استعمال حرام ہے جس طرح مردوں کے لیے حرام ہے مسند احمد کی روایت ہے: "ام المومنین

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سونے کے کچھ منکے بنوا کر انہیں گلے میں ڈال لیا، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ نے مجھ سے بے التفاتی فرمائی، میں نے عرض کیا: آپ ان کی سج دھج کو نہیں دیکھ رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اسی سے تو گریز کر رہا ہوں "لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: "اس سے کوئی نقصان نہ ہوتا اگر چاندی کی بالیاں بنوا کر اسے زعفران سے رنگوا لیتیں (۱) یعنی پیلا زعفرانی رنگ اس پر چڑھا لیتیں) اس مفہوم کی حدیث سنن نسائی میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو ارشاد فرمایا: انہیں نکال دو اور اس کی جگہ چاندی کے دو کنگن بنوا کر انہیں زعفران سے رنگوا لو۔ (۲)

یہ وہ احادیث ہیں جن سے مردوں کے ساتھ عورتوں کے لیے بھی سونے کے زیورات کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، جب کہ جمہور علماء کا یہ مسلک نہیں بلکہ تقریباً ہر دور کے علماء کی یہ متفقہ رائے رہی ہے کہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات جائز ہیں، اس نقطۂ نظر کی تائید میں قرآن و حدیث سے کئی دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان دلائل اور روایات کا ذکر کریں گے جن سے عورتوں کے لیے سونے کے استعمال کی اباحت (جائز ہونا) معلوم ہوتی ہے، پھر اباحت و حرمت کی متضاد روایتوں کے درمیان علماء نے جمع و تطبیق اور ترجیح کی جو کوشش کی ہے، اس کا خلاصہ ذکر کریں گے، تاکہ ہمارے قارئین اور بالخصوص خواتین یہ جان جائیں کہ عورتوں کے حق میں سونے کے زیورات کی آپ ﷺ نے اجازت دی ہے۔

جہاں تک قرآن پاک سے دلیل کا تعلق ہے تو سورۃ الزخرف آیت ۱۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور کیا وہ جس کی نشو و نما ہی زیورات میں ہوئی اور جو (جھگڑے کے وقت) کلام میں غیر واضح ہو۔" زیور سے محبت عورت کی فطرت میں ودیعت کی

---

(۱) مسند احمد عن امّ سلمه: ۶/۳۶۳، حدیث: ۲۶۷۲۸، باب حدیث امّ سلمه زوج النبی صلی اللہ وسلم (۲) نسائی عن عائشة، باب ما جاء فی للنساء فی اظهار الحلی والذهب

گئی ہے، گویا بچپن سے اس کی نشو و نما ہی اس در میان ہوتی ہے، اس آیت کی تفسیر میں ترجمان القرآن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زیور سے سونے چاندی کے زیور مراد ہیں(۱) علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ عبد بن حمید نے ابوالعالیہ سے یہ روایت ذکر کی کہ ان سے عورتوں کے سونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (۲)

اسی طرح سورہ الرعد آیت ۱۷ میں حق و باطل کی ایک مثال دی گئی کہ جس طرح سونا چاندی وغیرہ کو بھٹی میں تپایا جاتا ہے تو اصل اور کھوٹ الگ الگ ہو جاتے ہیں، اسی طرح حق و باطل ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، حق آتا ہے تو باطل ختم ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں ارشادِ باری ہے: "اور اس میں سے جس کو وہ آگ میں تپاتے ہیں زیور بنانے کے لیے۔" یہاں بھی لفظِ زیور کی مناسبت سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اس سے سونا چاندی مراد ہیں۔ ان آیات کے عموم اور ظاہری مفہوم سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ عورتوں کے لیے سونا چاندی کا ہر طرح کا زیور جائز و مباح ہے۔

جہاں تک احادیثِ رسول ﷺ کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلے میں اور زیادہ صاف و صریح ہیں، ہم یہاں صرف چند احادیث کے ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا رکھ کر فرمایا: "یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔" (۳) ابن ماجہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ: "ان کی عورتوں کے لیے حلال ہے۔" (۴)

صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ایک مرتبہ عید کے موقع پر رسول کریم ﷺ عورتوں میں تشریف لائے اور ان سے خصوصی خطاب فرمایا، جس میں انہیں صدقہ کی ترغیب دی، راوی کہتے ہیں کہ عورتیں اپنی انگوٹھیاں

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن ۱۶/۷۱ (۲) تفسیر الدر المنثور (۳) نسائی عن ابن زریر، باب تحریم الذهب علی الرجال (٤) ابن ماجه عن زریر، باب لبس الحریر و الذهب للنساء

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی چادر میں ڈالنے لگیں، دوسری بعض روایتوں میں بالی اور ہار کا بھی ذکر ہے کہ عورتیں اپنے گلے کا ہار اور کان کی بالیاں صدقہ کرنے لگیں۔(۱)

مسندِ احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بیان کی گئی کہ: "نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا، جس میں سونے کی انگوٹھی تھی، آپ ﷺ نے اس (انگوٹھی) سے اعراض کرتے ہوئے اسے لے لیا، پھر آپ ﷺ نے اپنی نواسی امامہ کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ: "اسے پہن لو۔" (۲)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سونا مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کے لیے جائز ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی انگوٹھی سے گریز کرتے ہوئے خود تو نہیں پہنا لیکن اپنی نواسی کو پہنایا۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں تعلیقاً ذکر کیا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔ ابن سعدؒ نے عمرو بن ابی عمر کی سند سے موصولاً ذکر کیا، وہ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں قاسم بن محمد سے میں نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو معصفر (زرد رنگ کا کپڑا) اور سونے کی انگوٹھیاں پہنتے دیکھا ہے۔" (۳) اباحت کے سلسلے میں یہ دلیل بھی زیادہ قوی ہے کہ کیونکہ اگر یہ حرام ہوتا تو اس سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کیسے غافل رہتیں، جو کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور جنہوں نے مدینہ منورہ میں احکامات کے نزول کے زمانہ میں آپ ﷺ کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔

ابوداؤد و بیہقی میں یہ روایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نے سونے کی اوضاح (ایک قسم کا زیور بعض نے کہا کہ اس سے مراد پازیب ہے) پہنتی تھی، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کنز (خزانہ) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب یہ نصابِ زکوٰۃ تک پہنچ جائے پھر اس کی زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ کنز نہیں (۴)

۔ سورۃ التوبہ آیت ۳۴/۳۵ میں سونے چاندی کی زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے لیے

---

(۱) بخاری، باب الخاتم للنساء کتاب اللباس (۲) مصنف ابن ابی شیبۃ عن عائشۃ (۳) الفتح الربانی: ۲۳۰/۱۰ (٤) ابوداؤد عن ام سلمہ باب الکنز ماھو کتاب الزکوۃ

وعید ہے، وہاں ارشادِ باری ہے کہ: "جو لوگ سونا چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے جس دن کہ اس کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور ان کے پشت داغے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ کنز (دولت) ہے جسے تم نے جمع کر رکھا تھا، اب اس کا مزہ چکھو۔" امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ زیور بھی کیا "کنز" میں شامل ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو پھر یہ کنز نہیں کہ اس کی وجہ سے دردناک عذاب بھگتنا پڑے، اگر عورتوں کے لیے یہ زیور ناجائز و حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سے منع فرماتے، کیوں کہ کسی غلط کام کو دیکھ کر آپ ﷺ خاموش نہیں رہ سکتے، لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات کا استعمال بھی جائز ہے، البتہ جب وہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ فرض ہے، اگر زکوٰۃ نہ دی جائے تو سخت عذاب کی وعید ہے۔

یہ اور اس طرح کی احادیث جو زیادہ مشہور ہیں، واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات مباح ہیں اور مردوں کے لیے سونا حرام ہے۔ یہی جمہور علماء کا مسلک ہے اور پر تقریباً امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

اس سے قبل بعض وہ احادیث بھی ذکر کی گئیں جن سے عورتوں کے لیے بھی سونے کے زیورات کی حرمت معلوم ہوتی ہے یا اس کے استعمال پر عذابِ جہنم کی وعید ہے۔ اس سلسلے میں بعض محدثین کا یہ رجحان ہے کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا پھر یہ منسوخ ہو کر عورتوں کے لیے سونا حلال کر دیا گیا، جیسا کہ اس سے قبل ایک روایت ذکر کی گئی جس میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام کیا گیا ہے اور ان کی عورتوں کے لیے حلال۔

بعض علماء نے وعید کی احادیث کو ان زیورات پر محمول کیا جن کی زکوٰۃ نہ دی جائے، جن کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو وہ اس وعید کا مستحق نہیں۔ ان کی دلیل امّ سلمہ

رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو اس سے قبل ذکر کی گئی۔

بعض علماء نے ان روایات کو ان عورتوں پر محمول کیا جو ان زیورات کو (غیر محرموں کے سامنے) ظاہر کرتی ہیں نہ کہ ان کے لیے جو شوہروں کے لیے زینت اختیار کرتی ہیں۔ سورۃ النور آیت ۳۱ میں عورتوں کے لیے غیر محرموں کے سامنے زیب وزینت کے اظہار کی سخت ممانعت مذکور ہے اور ابوداؤد و نسائی میں عورتوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی منقول ہے کہ: "تم میں سے جو کوئی اپنے زیور کو ظاہر کرے گی اسے اس کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔"

بعض نے اسے زہد و تقویٰ پر بھی محمول کیا ہے نہ کہ شرعی اور قانونی حکم پر یعنی آپ ﷺ کا مقصد اس امر کی طرف رہنمائی کرنا ہے کہ جہاں تک ہو سکے دنیوی زیب وزینت سے بے رغبتی اور کنارہ کشی ہی افضل و بہتر ہے، چنانچہ اپنے اہل و عیال کو خصوصاً آپ ﷺ اسی نقطۂ نظر سے بہت سی باتوں سے منع فرماتے تھے، تاکہ وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں۔ سنن نسائی میں سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ اپنے اہل کو زیور اور ریشم سے منع فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ اگر تم جنت کے زیور اور اس کا ریشم پسند کرتی ہو تو اس کو دنیا میں نہ پہنو۔" (۱)

اس کے علاوہ جن احادیث سے حرمت معلوم ہوتی ہے اس پر علماء نے سند اور متن کے لحاظ سے بھی کلام کیا ہے، البذا یہ قوت کے لحاظ سے اس درجہ کی نہیں، لہٰذا وہ احادیث ہی راجح ہوں گی جن سے کہ اباحت یعنی جواز معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ اباحت کی احادیث بہت زیادہ اور مشہور ہے بخلاف حرمت کی احادیث کے۔ مشہور مفسر جصاص نے سورۃ الزخرف آیت ۱۸ کی تفسیر میں حرمت والی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "نبی کریم ﷺ سے عورتوں کے لیے سونے کی اباحت کے سلسلے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ زیادہ واضح اور مشہور ہیں بمقابلہ ممانعت والی احادیث کے۔" (۲)

اباحت کے قائل جمہور علماء ہیں بلکہ اس پر تقریباً صحابہؓ و تابعین کا اتفاق ہے جیسا

---

(۱) .... (۲) احکام القرآن ۳/ ۲۷۳، دار الکتاب العربی، بیروت

کہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اور علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاوی میں اور ان کے علاوہ اور علماء نے بھی ذکر کیا ہے۔ اگر سونے کا کوئی زیور عورتوں کے لیے حرام ہوتا تو ضرور یہ چیز صحابہؓ کے درمیان مشہور ہوتی اور ہم تک پہنچتی، کیوں کہ ان سے چھوٹے چھوٹے مختلف فیہ مسائل بھی ہم تک منقول ہوئے ہیں، جب کہ سونے یا اس کے بعض زیور کی حرمت کا مسئلہ تو اہم اور لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے والا ہے، چنانچہ جصاص رازیؒ کہتے ہیں: "عورتوں کا زیور پہننا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے وقت سے عام ہے ان پر کسی کی طرف سے نکیر کے بغیر۔"(۱)

امام نوویؒ نے المجموع میں صراحت کی ہے کہ: "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے تمام زیورات جائز ہیں، جیسے انگوٹھی، کنگن، ہار، پازیب وغیرہ، ان میں سے کسی کے بارے میں اختلاف نہیں۔"(۲)

(اس موضوع پر مزید تفصیل کی گنجائش ہے، چنانچہ بعض علماءِ عصر نے اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے ہیں، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ عام آدمی کے لیے انشاء اللہ یہ تحریر کافی ہوگی۔)

سر ڈھانپنا اور پائنچے اوپر رکھنا

سوال: سر ڈھانپنا اور شلوار وغیرہ کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر رکھنا، صرف نماز کے لیے ضروری ہے یا ہر وقت؟

جواب: اسلام چاہتا ہے کہ انسان کے ہر عمل سے بندگی اور تواضع کا اظہار ہو، تواضع سے بڑھ کر اللہ کو کوئی چیز محبوب نہیں اور تکبر سے زیادہ کوئی بھی چیز اللہ کے نزدیک مبغوض نہیں، لباس اور پوشاک میں بھی شریعت کا مزاج ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے تواضع اور بندگی ظاہر ہو، کبر و غرور کا مظاہرہ نہ ہوتا ہو، اسلام سے پہلے بادشاہوں، فرماں روایانِ مملکت، نوابوں، رؤساء اور سرداروں کی عادت یہی تھی کہ اپنے لباس زمین تک لٹکتے ہوئے رکھتے تھے اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے، رسول اللہ

---

(۱) احکام القرآن ۳/۲۷۳، دار الکتاب العربی بیروت (۲) المجموع شرح مهذب: ۶/۴۰

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا:

" إياك و اسبال الازار فإنها من المخيلة و إن الله لايحب المخيلة . " (۱)

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

" من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيمة . " (۲)

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے بھی نیچے ہو جائے وہ حصہ جہنم میں ہے،ما أسفل من الكعبين من الازار ففي النار .(۳)

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ پائینچے ٹخنوں سے اوپر رکھنا ہر وقت ضروری ہے، البتہ ہر وقت سر ڈھانپنا یا ٹوپی پہنے رہنا ضروری نہیں، نماز کے وقت ٹوپی پہن لینا چاہیے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ اور خلافِ ادب ہے، لیکن مذہبی رہنما اور علماء کے لیے یہ خلافِ مروّت بات ہے کہ ننگے سر ہمہ وقت رہیں، بالخصوص ہند و پاک کے عرف میں اور ان علاقوں کے عرف میں جہاں دیندار طبقہ عموماً ٹوپی پہن کر رہتا ہو۔

کالا کپڑا پہننا

سوال: کیا کالا کپڑا پہننا جائز ہے؟ (یونس، جدہ)

جواب: کپڑے کے رنگ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ سفید رنگ کے بعد آپ ﷺ کا پسندیدہ رنگ سیاہ تھا، فتح مکہ کے دن جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو یہی سیاہ عمامہ سر مبارک پر زیب تن کے ہوئے تھے، (۴) رسول اللہ ﷺ نے سیّدہ امّ خالد بنت خالد کو بھی ایک سیاہ لباس تحفہ میں عطا فرمایا تھا، اسی لیے فقہاء سیاہ رنگ کے لباس کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ (۵) البتہ میت پر اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس کا استعمال جائز نہیں، چنانچہ ہندیہ میں یہی لکھا ہے:

---

(۱) ابوداؤد ،باب ماجاء في اسبال الازار (۲) ابوداؤد عن سالم بن عبدالله عن أبيه، باب ما جاء في اسبال الازار (۳) بخاری باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار ،كتاب اللباس (٤) ترمذی باب ما جاء في العمامة السوداء كتاب اللباس (٥) بخاری مع الفتح باب القميصة السوداء : ١٠/ ٢٧٩ ، كتاب اللباس

" و لایجوز صبغ الثیاب الاسود أو اکھب تاسفا علی المیت . " (۱)

البتہ جن شہروں میں روافض کی آبادی ہو، وہاں محرم کے مہینہ میں سیاہ لباس کا استعمال مناسب نہیں ہے کہ اس میں روافض سے تشبہ ہے، جو افسوس کے اظہار کے لیے سیاہ لباس کا استعمال کرتے ہیں۔ (۲)

خوبصورتی کے لیے ناخن بڑھانا

سوال: ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن بڑھالینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی نیت خوبصورتی و جمال ہو تو کیا اس صورت میں بھی ناجائز ہے؟ کیا مرد و عورت دونوں کے لیے ناخن کترنے کا یکساں حکم ہے؟

(ارم کنول عباسی، رحیمہ)

جواب: اسلام اپنے ماننے والوں (مرد و عورت دونوں) کو ہمیشہ پاک صاف اور وقار و متانت والی زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے، اسلام نے بعض چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی خاص توجہ دی ہے، تاکہ یہ چھوٹی بات اور ہلکا پھلکا گناہ مستقبل کا بڑا گناہ اور سنگین جرم نہ بن سکے، بدن کے دوسرے مخصوص حصوں کی صفائی کے ساتھ ناخنوں کے کترنے یعنی انہیں چھوٹا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، رسول کریم ﷺ نے اس عمل کو فطرت یعنی صحیح اسلامی انسانی فطرت قرار دیا ہے۔ (۳)

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے لیے چالیس دن کا وقت مقرر کیا تھا کہ ہم ہر چالیس دن میں کم از کم ایک بار ضرور اپنے ناخن کتر لیں اور بدن کے دوسرے حصوں کی صفائی کریں۔ (۴) چونکہ عموماً ناخن فوراً بڑھ جاتے ہیں، لہٰذا علماء فقہاء نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک بار یعنی ہر سات دن بعد اپنے ناخن کتر لیے جائیں اور یہ حکم مردوں، عورتوں دونوں کے لیے یکساں ہے۔

---

(۱) ھندیة : ۵/ ۳۳۰، الباب التلسع فی مایکرہ ذلك ومالا یکرہ (۲) حلال وحرم: ۱۹۲
(۳) ابوداؤد باب فی أخذ الشارب (۴) مسلم عن أنس، باب خصال الفطرة

یہود ونصاریٰ کی تقلید میں جو عورتیں اپنے ناخن بڑھالیتی ہیں یا جو مرد اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا ناخن بڑھائے رکھتے ہیں، یہ حرام ہے۔ یہود ونصاریٰ کی تقلید کے بارے میں ایک تفصیلی درس ہو چکا ہے جس میں ہم نے ان تمام رسموں کو بیان کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں یہود ونصاریٰ کی تقلید میں انجام دی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جانوروں کے ذکر میں رسول کریم ﷺ نے بڑے ناخنوں کا ذکر کر کے اس عمل کو اور ایسے شخص کو حیوانات سے تشبیہ دی ہے، گویا کہ ناخن بڑھانا حیوانوں کا کام ہے، کسی بھی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ حیوانوں کی طرح اپنے ناخن بڑھائے اور حرام (کام) کا ارتکاب کرے۔

بازو گدوانا

سوال: جہالت کی وجہ سے میرے بازو پر بچپن میں نام گدوالیا گیا تھا جو کہ ابھی بھی موجود ہے، میں اسے ختم کروانا چاہتا ہوں، ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ ختم نہیں ہو سکتا، کیا میں نام کی جگہ کوئی پھول وغیرہ بنوا سکتا ہوں؟

(عبدالقیوم عفراء)

جواب: بلا ضرورت بازو پر نام لکھوانا یا کچھ اور نقش ونگار گدوانا جائز نہیں، جہالت کی وجہ سے نام گدوایا گیا تو اس کو ویسے ہی رہنے دیں، دوبارہ غلطی کا اعادہ نہ کریں، اگر ضرورتاً اور علاج کے طور پر ہو، یہ عقیدہ نہ ہو کہ مؤثرِ حقیقی یہی ہے تو اس طرح علاج کرانے کی اجازت ہے، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح گدوا کر علاج کرایا تھا۔(۱)

عورتوں کے لیے خوشبو کا استعمال

سوال: میں ایک طالبہ ہوں، میرے ایک عزیز کا کہنا ہے کہ عورت خوشبو استعمال کرے تو وہ زانیہ کہلاتی ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ جب کہ میں اسکول جاتی ہوں تو خوشبو استعمال کرتی ہوں، تاکہ

(۱) دیکھئے: ابو داؤد عن جابر باب فی الکی ابواب الطب

میرے ساتھ بیٹھنے والی طالبات کو مجھ سے گھن نہ آئے اور گھر میں بھی
کبھی اپنی خوشنودی کے لیے خوشبو استعمال کرتی ہوں، جب کہ کوئی
غیر محرم نہ ہو، کیا یہ میرا یہ عمل درست ہے؟

(ایک سائلہ، جدہ)

جواب: رسول کریم ﷺ کو خوشبو بے حد پسند تھی اور آپ کثرت سے اس کا استعمال فرمایا کرتے تھے، لہٰذا خوشبو نہ صرف جائز بلکہ بہتر و پسندیدہ ہے، عورتوں کے لیے بھی گھر میں (جہاں کہ غیر محرم مرد نہ ہوں) خوشبو کا استعمال جائز ہے، البتہ حدیث شریف میں عورتوں اور مردوں کی خوشبو میں فرق بتایا گیا ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" طیب الرجال ماظهر ريحه و خفي لونه و طيب النساء
ماظهر لونه و خفي ريحه ۔ " (۱)

"مردوں کی خوشبو ایسی ہو کہ جس کی خوشبو ظاہر ہو، دوسروں کو بھی
پہنچ رہی ہو اور اس کا رنگ پوشیدہ ہو اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو کہ جس کا
رنگ نظر آرہا ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو یعنی بہت معمولی خوشبو آرہی ہو۔"

ناخن پالش کا حکم

سوال: کیا ناخن پالش لگا کر وضو کرنے سے وضو ہو جائے گا؟

(محمد سلیم، ریاض)

جواب: ایسے پینٹ جو جسم تک پانی کے پہنچنے میں مانع ہوں، چوں کہ ان کے لگانے سے اصل چمڑے تک پانی نہیں پہنچتا، اس لیے پینٹ یا اس طرح کی پالش لگانے سے وضو نہیں ہوتا، ہاں وضو کی حالت میں لگایا جائے تو دوبارہ وضو سے پہلے اس کو کھرچ کر صاف کرنا ضروری ہوگا ورنہ وضو درست نہ ہوگا، اگر وضو صحیح نہ ہو تو نماز بھی صحیح نہ ہوگی، عورتیں اگر استعمال کرنا ہی چاہیں تو ان دنوں میں لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں جن میں نماز کا حکم ان سے متعلق نہیں۔

---

(۱) ترمذی عن أبی هريرة، باب ما جاء فی طیب الرجال والنساء، أبواب الاستئذان والآداب

خواتین کا بھنویں بنانا

سوال : بعض خواتین بھنویں بناتی ہیں، کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟ اگر کسی کو منع کیا جائے تو وہ کہتی ہیں کہ شوہر کی اجازت سے بھنویں بنانا جائز ہے جب کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نوچنے والوں اور نچوانے والیوں پر لعنت بھیجی گئی ہے، نیز قرآن میں صراحت موجود ہے کہ: ''جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔'' (الحشر آیت: ۷) اب جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم موجود ہوں تو وہاں شوہر کی کیا وقعت رہ جاتی ہے، اس سلسلے میں وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ گناہ کا کام ہے یا نہیں؟

(امّ عثمان، ثمیس مشیط)

جواب : اسلام نے خواتین کو آرائش اور حسن و جمال کو بر قرار رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن یہ اجازت محدود و مشروط ہے، تاکہ مسلم تشخص بر قرار رہے، مسلم خواتین کو غیر اسلامی اقدار و افعال سے سختی سے منع کیا گیا ہے، انہی غیر شرعی افعال میں سے ایک بھنوؤں کے بالوں کا صاف کرنا، انہیں نوچنا یا باریک پٹی بنانا ہے، بلکہ جیسا کہ سوال میں صحیح بخاری کی حدیث کا حوالہ موجود ہے کہ ایسا کام کرنے والی اور کروانے والی دونوں قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ اتنی سخت لعن والی حدیث کے بعد بھی اگر کوئی عورت اس گناہ سے باز نہیں آتی تو وہ خود اپنے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرلے کہ ایمان کہاں باقی رہا، ہم نے اس سے قبل بھی اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے کہ عورتوں کے لیے بھنوؤں کے بال لینا شرعاً ناجائز ہے اور کبیرہ گناہ ہے، مسلم خواتین کو اس گناہ سے بچنا چاہیے۔

مردوں کے لیے مہندی کا استعمال

سوال : کیا مردوں کے لیے مہندی لگانا جائز ہے؟ نیز مہندی لگا کر نماز

پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟ میں اپنے تلوؤں کی گرمی سے بے انتہا پریشان ہوں، میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ مہندی لگانے سے آرام ہو گیا، کیا میرے لیے مہندی لگانا جائز ہو گا؟

(عبدالقوی، عمان)

جواب: مہندی لگا کر نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، مہندی، وضو اور نماز کے لیے رکاوٹ نہیں، البتہ یہ زینت کی چیز ہے اور زیبائش و آرائش صرف عورتوں کے لیے رکھی گئی ہے، اس لیے وہ ہاتھ اور پاؤں دونوں میں مہندی استعمال کر سکتی ہے، مردوں کے لیے خواہ یہ بچہ کیوں نہ ہو مہندی کا استعمال درست نہیں، تاہم علاج کے لیے اس کو استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ اگر آپ ﷺ کو زخم ہو جاتا تو آپ اس پر مہندی لگانے کا حکم دیتے تھے، عن علي بن عبيد الله عن جده و كانت تخدم النبي صلى الله عليه وسلم قالت : ما كان يكون برسول الله صلى الله عليه وسلم قرحة و لا نكبة إلا أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضع عليها الحناء ."(۱)

سرمہ لگانا سنت ہے

سوال: کیا مرد حضرات آنکھوں میں سرمہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(ایم این صمد ناز، ریاض)

جواب: مرد و عورت دونوں سرمہ لگا سکتے ہیں، سرمہ لگانا بالخصوص رات میں سونے سے قبل رسول کریم ﷺ کی سنت ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ "اثمد" نام کا سرمہ سونے سے دونوں آنکھوں میں تین مرتبہ استعمال فرماتے تھے، (۲) اور نہ صرف یہ کہ خود استعمال فرمایا، بلکہ امت کو بھی ہدایت فرمائی اور اس کے فوائد بتائے کہ اس سے بصارت بڑھتی ہے اور پلکوں کے بال اگتے ہیں۔

---

(۱) ترمذی، باب ما جاء في التداوي بالحناء، كتاب الطب (۲) شمائل عن ابن عباس، باب ما جاء في كحل رسول الله صلى الله عليه وسلم

"اکتحلوا بالاثمد فانه یجلوا البصر و ینبت الشعر ۔" (۱)
اس لیے عورت اور مرد دونوں کے لیے سرمہ کا استعمال درست ہے۔

عورتوں کا مردوں سے مصافحہ

سوال: ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ اگر کوئی رشتہ دار مرد ملنے آئے تو گھر کی تمام خواتین اس غیر محرم کے ساتھ ہاتھ ملاتی ہیں، اگر کوئی خاتون اس مرد سے ہاتھ نہ ملائے تو یہ رشتہ دار ناراض ہو جاتے ہیں؛ شرعاً یہ عمل کیسا ہے؟

(شوکت علی، ابہا)

جواب: اسلام میں کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم مرد سے (خواہ وہ رشتہ دار ہو، جیٹھ دیور ہو یا اور کوئی بھی ہو) ہاتھ ملائے، رسول کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں اس عمل کی سختی سے مخالفت فرمائی، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی مرد کے سر میں لوہے کی آری چلادی جائے، یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کو چھوئے" (۲) خود آپ ﷺ کا اسوہ تمام مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔" (۳) امام نوویؒ نے فرمایا: کسی بھی غیر محرم عورت کے بدن کے کسی بھی حصہ کو چھونا حرام ہے۔ (۴)

آپ کے علاقے میں یہ جو رواج ہے کہ عورتیں مردوں سے ہاتھ ملاتی ہیں، یہ رواج غلط اور غیر اسلامی رواج ہے، اگر ہاتھ نہ ملانے کی وجہ سے کوئی رشتہ دار ناراض ہوتا ہے تو اسے ناراض ہونے دیں لیکن لوگوں کو خوش کر کے اللہ کو ناراض مت کیجئے۔

غیر محرموں سے عورت کا ہاتھ ملانا

سوال: میری بہن اپنے ملک کے ایک اہم سفارتی عہدے پر فائز ہے، اس مجبوری کی بناء پر اسے بعض اوقات مردوں سے مصافحہ بھی کرنا پڑتا ہے، عورتوں اور مردوں کی مخلوط پارٹیوں میں شرکت بھی کرنی

(۱) سوالۂ سابق (۲) الطبرانی والبیقهی (۳) مسند احمد: ۳۵۶/۶ (٤) الاذکار ۲٤۰

پڑتی ہے؟ کیا یہ اسلام میں جائز ہے؟

(عائشہ رضی نقوی، ریاض)

سوال: میں شادی شدہ عورت ہوں، میرے شوہر الحمد للہ بہت ہی اچھے شوہر ہیں، میں خود بھی پردے کی پابندی کے ساتھ ایک گرلز اسکول میں بچیوں کو پڑھاتی ہوں، چوں کہ والدین کا انتقال ہو گیا ہے، لہٰذا چھوٹی بہنوں کی کفالت بھی میں نے اپنے ذمے لے لی ہے کہ ہمارا کوئی بھائی نہیں، چھوٹی بہن ابھی تعلیم کے آخری مراحل میں ہے کہ اچانک اسے ایئر ہوسٹس بننے کا شوق پیدا ہو گیا ہے اور وہ یہ جاب کرنا چاہ رہی ہے، جب کہ میں اس کی شدید مخالف ہوں، کیا شرعاً کسی مسلم خاتون کے لیے یہ کام کرنا جائز ہے؟

(فرحین خان لودھی، ذہران)

جواب: مسلم خاتون کا اصل مرکز و مقام اس کا اپنا گھر اور شوہر و اولاد ہے، مسلمان عورت کو اپنا تمام وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد اپنے گھر میں اپنے شوہر کی خدمت اور اولاد کی تربیت پر صرف کرنی چاہیے، گو شریعت نے پردے کی پابندی کے ساتھ مسلمان عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے، لیکن غیر محرم مردوں کے سامنے بلا حجاب آنا، ان سے ہاتھ ملانا اور مخلوط پارٹیوں میں شرکت کرنا مسلم خاتون کے لیے ناجائز ہے، مسلمان عورت کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ غیر محرم مرد سے ہاتھ ملائے، اسی طرح مسلمان خاتون کے لیے یہ بھی ہرگز جائز نہیں کہ وہ عزتِ نفس کو پامال کر کے غیر محرم کے سامنے اپنی مسکراہٹیں بکھیرے اور لوگ اسے دل بہلانے کی ایک چیز سے زیادہ اہمیت نہ دیں، اسلام نے عورت کو عزت و تکریم عطا کی ہے، اسے عفت و حیا کا زیور دیا ہے، تقدس، طہارت اور عصمت سے اسے مزین اور صاحب جمال و کمال بنایا ہے، لہٰذا یہ جائز نہیں کہ عورت ایئر ہوسٹس اور کسی ملک کی سفیر بنے، امور سفارت کی انجام دہی میں پردہ کا اہتمام ہو سکتا ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن فی

زمانہ اس میں احتیاط مشکل ہی نہیں امر محال ہے، اس لیے عورت کا سفارتی عہدہ کا سنبھالنا اور امورِ سفارت انجام دینے میں غیر محرم سے بے پردہ گفتگو اور بے حجابانہ ملاقات غیر اسلامی طرزِ عمل ہے، ان عہدوں پر مردوں ہی کو متعین کیا جانا چاہیے۔

مصافحہ کس طرح کیا جائے؟

سوال: کیا مصافحہ کرنا سنت ہے؟ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک ہاتھ سے؟

جواب: مصافحہ ہاتھ سے ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں، (۱) رہا یہ سوال کہ کیا مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک ہاتھ سے، تو اس سلسلہ میں امام بخاریؒ نے صحیح بخاریؒ، کتاب الاستئذان میں اس موضوع پر مستقل ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: "باب الأخذ بالیدین" مصافحہ کے وقت دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا، پھر اس باب میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے میرے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا، (یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) امام بخاریؒ نے اسی باب میں مشہور تابعی حماد بن زید اور عبداللہ بن المبارک کے بارے میں لکھا ہے کہ حماد بن زید نے ابن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا جائے، ایک ہاتھ سے بھی مصافحہ کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں نے اس مسئلہ کو بہت اہمیت دے رکھی ہے، حالانکہ دونوں ہی طریقے روایات سے ثابت ہیں، اس لیے اس معاملہ میں فرض و واجب سی شدت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔

عورتوں کو سلام

سوال: کوئی مرد کسی اجنبی عورت کو بھی سلام کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) ترمذی عن انس، باب ماجاء فی المصافحہ، ابوداؤد عن براء، باب فی المصافحہ

جواب: غیر محرم عورتوں کو سلام کرنا بہتر نہیں ہے، اگر غیر محرم عورت سلام کر ہی دے تو دل ہی دل میں جواب دے دے، زبان سے جواب نہ دے، اگر بوڑھی عورت ہو تو زبان سے بھی جواب دے سکتے ہیں، در مختار اور شامی میں لکھا ہے کہ اجنبی عورت سے گفتگو نہ کرے سوائے اس کے کہ بوڑھی ہو، لا یکلم الاجنبیة إلا عجوزاً." (۱)

ہاتھ کے اشارے سے سلام

سوال: موجودہ انتہائی مصروفیت کے دور میں اکثر لوگ ہاتھ کے اشارے سے سلام کہہ دیتے ہیں اور اگر قریب ہوں تو ہاتھ ملا لیتے ہیں، کیا اس طرح سلام ہو جاتا ہے؟

(چنگیز اقبال ثاقب، جدہ)

جواب: بوقت ضرورت سلام کے لیے یا جواب کے لیے ہاتھ اٹھانا درست ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے ضرورتاً اشارہ سے سلام کرنا ثابت ہے البتہ اس کے ساتھ سلام کے الفاظ بھی کہے جائیں۔ (۲) ضرورت سے مراد یہ ہے کہ کسی کو دور سے پکارے یا دور سے جواب دے یا مثلاً جس کو سلام کر رہا ہے یا جواب دے رہا ہے، وہ آواز نہیں سن سکتا، بلا ضرورت ایسا کرنا تجدد پسندوں اور روشن خیالوں کا طریقہ ہے، جو مکروہ ہے۔

نیز عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح سلام کے لیے اشارہ کے استعمال کی عادت بنالینا درست نہیں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا (۳) اسی حکم میں ملاقات کے وقت ہندوؤں کی طرح ہاتھ جوڑنا شامل ہے کہ یہ بھی منع ہے۔

غیر مسلم کو سلام

سوال: کیا غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے؟ نیز اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کو سلام کرے تو وہ کس طرح جواب دے؟ اگر کوئی شخص

---

(۱) در مختار وردالمحتار: ۶/۶۸۶، نیز ملاحظہ ہو: ھندیہ: ۵/۳۶۶ (۲) ترمذی عن صھیب باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلوۃ (۳) ترمذی باب ما جاء فی کراھیۃ اشارۃ الید فی السلام۔

رفع حاجت کے لیے حمام میں ہو تو کیا وہ سلام کا جواب دے سکتا ہے؟
(محمد اسلم سردار، ابہا)

جواب: سلام کرنا اسلامی شعار اور مسلمانوں کی نشانی و علامت ہے، یہ صرف مسلمان کا مسلمان پر حق ہے، غیر مسلم نہ تو سلام کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے سلام کا جواب دیا جائے گا، جو تعارفی کلمہ یا تعارفی جملہ عام طور پر مشہور ہو غیر مسلموں کے لیے وہی استعمال کیا جائے گا، اگر کسی غیر مسلم کو سلام کرنا ہو تو اسے السّلام علی من اتبع الھدی (ہدایت قبول کرنے والے پر سلام ہو) کہا جائے گا۔(۱)

اگر کوئی غیر مسلم سلام کرے یا کچھ اور کہے تو مسلم اس کے جواب میں کہے: "وعلیکم"(۲) اگر کوئی شخص نماز میں مشغول ہو یا قضاءِ وغیرہ میں مشغول ہو تو اسے سلام نہ کیا جائے، جب وہ فراغت سے ہو تو اسے سلام کیا جا سکتا ہے، ایسی حالت میں اگر کوئی سلام کرے تب بھی جواب دینا صحیح نہیں۔(۳)

بحری جانوروں کی حلت و حرمت

سوال: جو جانور پانی میں رہتے ہیں اور پانی میں زندہ رہ سکتے ہیں ان کے کھانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ وہ حلال ہیں یا حرام؟ پانی میں کچھ، سانپ وغیرہ ہر طرح کے جانور ہوتے ہیں، نیز جھینگے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے آگاہ کریں کہ پانی کے کون سے جانور حلال ہیں اور کون سے حرام؟
(شاہد رفیع الدین خان، القصیم)

جواب: دریائی جانوروں کے بارے میں علماء نے جو کچھ کہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف کے ہاں دریائی جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے، بقیہ جانور حلال نہیں، مچھلی بھی اگر طبعی موت مرجائے اور پانی کی سطح پر اس طرح اوپر آجائے کہ پیٹ اوپر ہو اور

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب کتاب النبی صلی الله علیه وسلم هو قل الخ (۲) صحیح بخاری عن انس باب کیف یرد علی أهل الذمة السلام، کتاب الاستئذان
(۳) ملاحظه ہو: الاذکار للنووی: ۲۲۱ ط: قاهره

پیٹھ نیچے تو یہ حرام ہے، اسی کو حدیث میں سمک طافی قرار دیا گیا ہے، ہاں اگر اس کے برعکس پشت کا حصہ اوپر ہو تو یہ حلال ہے، (۱) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (۲) امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں مینڈک کے علاوہ تمام دریائی جانور حلال ہیں، (۳) امام مالکؒ کے یہاں دریائی سور مکروہ ہے باقی حلال ہیں۔ (۴) جب کہ امام شافعیؒ سے اس بارے میں تین اقوال ملتے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ تمام دریائی جانور حلال ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں اور تیسرا یہ کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں اسی طرح کے دریائی جانور حلال اور جو خشکی والے جانور حرام ہیں اسی طرح کے دریائی جانور حرام ہیں۔ پہلا قول فقہاءِ شوافع کے یہاں زیادہ صحیح ہے۔ (۵) اس کی تفصیل کتب حدیث و فقہ میں موجود ہے۔

سور حرام ہونے کی حکمت

سوال: سور کا گوشت کھانا مسلمانوں کے لیے اتنی سختی سے کیوں حرام قرار دیا گیا؟ جب کہ دوسرے بہت سے جانوروں کا گوشت کھانا بھی حرام ہے، لیکن سور کے معاملے میں کچھ زیادہ پابندی معلوم ہوتی ہے اس کا نام لینا بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

(مہتاب علی انصاری، بحرین)

جواب: اللہ تعالیٰ نے وہی چیزیں انسانوں کے لیے حرام کی ہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں، چاہے وہ نقصانات ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، لیکن اللہ کی ذات حکیم و خبیر ہے، اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، لہٰذا وہی اپنی مخلوقات کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے، سورۃ الملک آیت ۱۴ میں فرمایا گیا: ''کیا وہ نہ جانے جس نے خود پیدا کیا؟ اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تو بہت ہی باریک بیں اور خبر رکھنے والا ہے۔''

یقیناً لحم خنزیر کے استعمال میں مفاسد زیادہ ہیں، اس لیے قرآن پاک میں کئی جگہ

---

(۱) درّ مختار علی هامش الرد: ۶/۶۱۸ (۲) ابن ماجه عن جابر باب الطافی فی صید البحر
(۳) المغنی: ۹/۳۳۸ (٤) المیزان الکبری: ۲/۶٦ (٥) المجموع شرح مهذب: ۹/۳٤

شدت کے ساتھ اس کی حرمت کو بیان کیا، پھر دورِ جدید کی سائنسی تحقیقات نے بعض تواس کے چند نقصانات کو ثابت کر دیا ہے، اس کے علاوہ بھی نہ جانے اس میں اور کیا نقصانات اور بیماریاں پوشیدہ ہیں۔ ڈاکٹر محمد کمال عبد العزیز استاذ کلیۃ الطب جامعہ ازہر میں "لماذا حرّم الله هذه الأشياء؟" (اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو کیوں حرام کیا؟) کے نام سے محرماتِ قرآنی کا طبی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا ہے، اس میں ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ خنزیر میں کچھ ایسے جراثیم پائے جاتے ہیں کہ وہ اگر انسانی جسم میں داخل ہو جائیں تو وہاں پرورش پا کر طرح طرح کے امراض کو جنم دیتے ہیں، جن کے علاج کے لیے اب تک علم جدید کی رسائی نہ ہو سکی، نیز یہ کثیر مقدار میں چکناہٹ پر مشتمل ہونے کی بنا پر ثقیل اور دیرہضم ہے، اس کے علاوہ ڈاکٹر موصوف نے مشہور عرب عالم امام محمد عبدہ کے حوالے سے ایک عملی تجربہ نقل کر کے یہ بات بیان کی ہے کہ خنزیر ایک ایسا بد اور برا جانور ہے جس کے اندر غیرت اور شرم وحیاء نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی اور ان اوصاف کا آج اس مغربی معاشرے میں بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، جو خنزیر کے دلدادہ ہیں اور جن کے جسم کی نشو ونما میں لحم خنزیر کا بہت بڑا حصہ ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خنزیر ان جانوروں میں سے ہے جو نجاست اور مردار چیزیں بھی کھاتا ہے، نیز فطری طور پر گندگی جگہوں پر رہنا پسند کرتا ہے، لہٰذا ہر سلیم الطبع شخص حقیقتاً اس سے نفرت کرتا ہے، الا یہ کہ کسی کا ذوق ہی بدل جائے۔

مچھلی حلال ہونے کی حکمت

سوال مچھلی کیوں حلال ہے؟ اس کو ہم زندہ اور مردہ بھی کھا سکتے ہیں؟

(صلاح الدین خان)

جواب: مچھلی اس لیے حلال ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، حلال و حرام کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، وہ جسے حلال قرار دے وہ حلال اور وہ جس کو حرام قرار دے وہ حرام، بندے کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں، اس کا کام اطاعت اور تسلیم و رضا

ہے، ہاں اگر آپ اس کی حکمت جاننا چاہتے ہوں تو اس کی بے شمار حکمتیں بیان کی جاسکتی ہیں، اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم حکمت و مصلحت سے خالی نہیں، سب سے بنیادی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی چیزوں کو حلال کیا جو اچھی، پاکیزہ اور لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوں اور ان چیزوں کو حرام کیا جو ناپاک و خبیث اور لوگوں کے لیے نقصان دہ ہوں، آج کے دَور میں مچھلی کی افادیت محتاجِ بیان نہیں۔

پھر مچھلی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، حدیث ہی میں اس کی صراحت ہے کہ مچھلی پانی سے باہر آنے کے بعد اگر خود بخود طبعی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے (وہ مردار اور حرام نہیں ہوتی) اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ مچھلی میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، اس کے برخلاف دیگر جانوروں میں "دم مسفوح" (بہایا ہوا خون) ہوتا ہے، جو ناپاک اور حرام ہے، اگر جانور کو ذبح نہ کیا جائے اور وہ طبعی موت مر جائے تو چوں کہ وہ خون اس کے جسم اور رگ و ریشوں میں سرایت کر جائے گا، اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔ واضح رہے کہ مچھلی اگر شکار سے پہلے پانی ہی میں مر جائے اور اس طرح سطح آب پر تیرنے لگے کہ پیٹ اوپر ہو اور پشت نیچے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

کیکڑا اور جھینگے کا حکم

سوال: میں ساحل سمندر پر رہتا ہوں، ماہی گیری میرا پیشہ تو نہیں لیکن سمندر سے ملنے والی ہر طرح کی مچھلی تقریباً استعمال کر چکا ہوں، لیکن کیکڑے کے بارے میں کئی لوگوں سے سنا ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، جب کہ یہ پانی میں بھی رہتا ہے اور خشکی میں بھی اور جھینگے کو مکروہ کہا جاتا ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے اور ان کے کھانے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(شاہ نواز حسین، شیخ الصناعیہ)

جواب: سمندری جانوروں کے بارے میں امام شافعیؒ و امام احمدؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ چند چیزوں کے استثناء کے ساتھ تقریباً تمام ہی بحری جانور حلال ہیں، جن میں کیکڑا

اور جھینگا بھی شامل ہیں، لیکن اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ سمندر کی ہر طرح کی مچھلی حلال ہے، مچھلی کے علاوہ سمندر کی کوئی چیز حلال نہیں، اس طرح کیکڑا کھانا احناف کے یہاں جائز نہیں، البتہ جھینگے کے بارے میں اس اختلاف کی وجہ سے کہ آیا یہ مچھلی ہی کی جنس سے ہے یا نہیں؟ متاخرین احناف میں اس کی حلت و حرمت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جو اس کو مچھلی کی جنس سے قرار دیتے ہیں وہ اس کی حلت کے قائل ہیں اور جو اس کو مچھلی نہیں قرار دیتے وہ اس کو حرام کہتے ہیں، پھر اس اختلاف کے پائے جانے کی وجہ سے اسے مکروہ کہا جاتا ہے، جہاں تک جھینگے کی جنس کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں علم الحیوان کے ماہرین کا خیال یہی ہے کہ وہ مچھلی کی جنس سے نہیں ہے، اس لیے احتیاط اگرچہ اس کے نہ کھانے ہی میں ہے لیکن بہر حال علماء کی ایک جماعت اس کے بلا کراہت جائز اور بعض کراہت کے ساتھ جائز ہونے کی قائل ہے، اس لیے اس میں شدت اور سختی مناسب نہیں۔(۱)

کیا غلہ کا ذخیرہ کیا جاسکتا ہے؟

سوال: اگر کسی سال ضرورت سے زیادہ فصل ہوئی، میں نے اس کو اسی وقت فروخت نہ کیا بلکہ اس فصل کو اسٹاک کر لیا اور اس فصل کو اگلی فصل بونے کے وقت فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا، تاکہ پیسہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ نہ ہو جائے بلکہ وہ اناج کی شکل میں محفوظ رہے، تو کیا یہ عمل گناہ میں شمار ہوگا؟ کیوں کہ اگلی فصل تک اس اسٹاک کیے ہوئے مال کی قیمت دگنی ہو جاتی ہے، جب کہ میں نے اس فصل کو قیمت بڑھانے کے لیے اسٹاک نہیں کیا۔

(نواب حفظ الرحمٰن، ریاض)

جواب: فصل کٹنے کے بعد اس کی زکوۃ (عشر یا نصف عشر) ادا کر دی جائے تو دوبارہ سال گزرنے کے بعد اس پر پھر عشر واجب نہیں، جب تک کہ اسے فروخت نہ کر دیا

---

(۱) اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی ۴/ ۱۰۳، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۵۷، اور فتاوی عبدالحئی ص ۴۱۱ ط دیوبند

جائے، فروخت کرنے کے بعد اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہے تو اپنے مال کی جس وقت وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے اسی وقت غلہ کی اس قیمت کو بھی شامل کر کے زکوٰۃ دی جائے گی، البتہ اس طرح غلہ و اناج کا اسٹاک کرنا بازار میں اس کی ضرورت اور کھپت کے باوجود قیمت بڑھانے کے لیے ہو تو ناجائز اور گناہ ہے ورنہ اس میں کوئی گناہ نہیں، یعنی اگر کوئی شخص اپنی پیداوار کو اپنی ضروریات یا جائز مقصد کے لیے روکے رکھتا ہے تو یہ ذخیرہ اندوزی نہیں اور اس میں کوئی گناہ نہیں، لیکن اگر اس نیت سے روکے کہ جب گرانی ہوگی تو بیچوں گا یا بازار میں قلت کے باوجود مزید گرانی کے انتظار میں اپنی چیز پیداوار وغیرہ روکے رہے تو یہ ذخیرہ اندوزی ہے، جو کہ ناجائز اور گناہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی خود غرضی کا نتیجہ ہے اور ہر زمانہ میں ایسے خود غرض لوگ رہے ہیں (اور آج کل ان کی کثرت ہے) جو دوسروں کی تکلیف و مشقت کا خیال کیے بغیر ذاتی فائدہ حاصل کرنے کیلئے بعض ضروری چیزوں وافر مقدار میں خرید کر ذخیرہ کر لیتے ہیں، جب بازار میں ان کی قلت ہوتی ہے اپنا مال نکال کر من مانی قیمت میں اس سے فروخت کر کے کثیر فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ یہی لوگ عام طور پر مہنگائی اور گرانی کا سبب بنتے ہیں، اس لیے شریعت نے ذخیرہ اندوزی کو سخت ناپسند کیا ہے، ایک حدیث میں ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو ملعون کہا گیا ہے، (۱) ایک اور حدیث میں رسول کریم ﷺ نے بھاؤ اور قیمت میں گرانی کا سبب بننے سے منع فرمایا۔ (۲) اسی بنا پر ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ ذخیرہ اندوزی جائز نہیں، لیکن جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا بازار میں کوئی غلہ زیادہ مقدار میں ہے اور کسی کے اپنا غلہ روکنے سے قیمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو یہ صورت جائز ہے اور ذخیرہ اندوزی کے حکم میں نہیں۔

صحابیات اور زیب و زینت

سوال: ایک صاحب نے کہا کہ عورتیں کان، ہاتھ اور ناک میں زیور

---

(۱) ابن ماجه عن عمر باب الحكرة و الجلب (۲) ابن ماجه عن ابی هریرة، باب لا یبیع الرجل علی بیع أخیه

نہیں پہن سکتیں، کیوں کہ صحابیات سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے اور
پھر یہ جسم میں تبدیلی ہے، جو کہ ناجائز ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟
(عفیفہ محمود سومرو، جدہ)

جواب: عورت کے لیے زیور اور آرائش و زینت کا ہر وہ طریقہ و سامان اختیار کرنا جائز ہے جو مباح و حلال ہو اور جو خلافِ شرع و خلافِ حیاء و حجاب نہ ہو، جہاں تک کانوں، گلے اور ناک ہاتھ وغیرہ میں زیور پہننا ہے تو اس کے بارے میں کئی احادیث سے ثبوت ملتا ہے کہ صحابیات حتی کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اجمعین زیور پہنا کرتی تھیں، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا: عورتوں کے لیے ریشم (خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو) اور سونے کے زیورات جائز ہیں، چاندی کے زیورات بھی عورتیں پہن سکتی ہیں، زیورات پہننے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عورت مالدار ہو یا جوان شادی شدہ ہو کہ کنواری کوئی بھی عورت کسی بھی قسم کا زیور پہن سکتی ہے، امّ المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گلے کا ہار تو معروف ہے ہو جو انہوں نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز میں دیا تھا۔

۞☆۞☆۞☆۞

سوال وجواب

حصہ : سوم

آٹھواں باب

میراث ــ احکام ومسائل

زندگی میں جائیداد کی تقسیم

سوال : میرے تایا کی چار بیٹیاں ہیں جبکہ لڑکا کوئی نہیں چاروں بیٹیاں شادی شدہ ہیں، ان چاروں میں سے ایک کے ساتھ میں نے شادی کی ہے، اب یہ میرے تایا بھی ہیں اور سسر بھی، میرے تایا میرے ساتھ عرصہ ۲۵ سال سے رہ رہے ہیں، میری تائی صاحبہ وفات پاچکی ہیں، اب میرے تایاجان نے اپنے ساتھ رہنے والی بیٹی داماد کو اپنی ساری جائداد (۱۰۰ کنال) عدالت میں لکھ کر دیدی ہے، دوسری تین بیٹیاں اپنا حصہ مانگ رہی ہیں لیکن باپ کے بیان کے مطابق میرے ساتھ رہنے والی بیٹی اور داماد (بھتیجے) میری ۲۵ سال سے خدمت کر رہے ہیں اور میری بیوی (یعنی میری تائی) کی بھی خدمت کی ہے، اور علاج وغیرہ بھی کرایا ہے، لہٰذا میں اس بیٹی اور داماد کو اپنی ساری جائداد کا حقدار سمجھتا ہوں، کیا ان کا یہ خیال درست ہے؟ میرے تایا کا ایک بھائی بھی ہے اور زندہ ہے، اس جائداد کی تقسیم کیسے ہوگی؟ (طارق - ریاض)

جواب : کسی بھی شخص کے انتقال کے بعد اس کی منقولہ و غیر منقولہ ساری جائداد شریعت کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط اور حصوں کے مطابق اس مرحوم کے ورثاء

کے درمیان تقسیم ہوگی، لیکن اگر کوئی شخص مرنے سے قبل زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کردینا چاہتا ہے، تو اس کے لئے ورثاء کے درمیان برابری اور عدل وانصاف کرنا ضروری ہے، ظلم وزیادتی اور ناانصافی کہ کسی کو بالکل کم دے یا کسی کو محروم کردے درست نہیں۔

عام طور پر گھروں میں لڑکوں کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے، اور لڑکیوں کا کم، یہ صحیح نہیں ہے سب کو برابر حصہ دینا چاہئے، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں اماموں کا یہی مسلک ہے، البتہ امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح وراثت کی تقسیم ہوتی ہے اسی طرح ہبہ بھی کرنا چاہئے، یعنی لڑکوں کو دو حصہ اور لڑکیوں کو ایک حصہ۔ ائمہ ثلاثہ کے پیش نظر نعمان بن بشیر کی وہ روایت ہے جو بخاری اور مسلم دونوں نے ذکر کیا ہے واقعہ یہ ہے کہ نعمان کے والد بشیر نے ان کو اپنی کچھ جائیداد ہبہ کرنی چاہی، نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے تصدیق چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا:

أكل ولد نحلته مثل هذا؟ کیا تم نے سارے بچوں کو اتنا ہی ہبہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے ناگواری کے ساتھ فرمایا: جاؤ کسی اور کو گواہ بنالو (۱)، دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فاتقوا الله واعدلوا بین اولادکم۔

اللہ سے ڈرو اور اولاد کے درمیان مساوات کیا کرو۔ (۲)

البتہ امام احمدؒ نے قرآن کی آیت للذكر مثل حظ الانثیين (نساء:۱۱) کے پیش نظر یہ رائے دی ہے۔

عند اللہ ایسے شخص سے باز پرس ہوگی، ہاں اللہ کے ہاں اپنے کو جوابدہ سمجھتے ہوئے کسی معقول وجہ سے ورثاء کے درمیان معمولی سی زیادتی کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

---

(۱) بخاری عن حميد بن عبدالرحمن، باب الهبة للولد، كتاب الهبة، مسلم عن نعمان بن بشير باب كراهة تفضيل بعض الاولاد

(۲) بخاری عن حصين بن عامر، باب الاشهاد في الهبة، ص ۳۵۲

مثلاً کوئی بیٹا معاشی اعتبار سے بہت کمزور ہو تو زندگی میں اس کا کچھ مالی تعاون کر دیا جائے، اگر کوئی تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کا ارادہ اور صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے لئے آسانی پیدا کی جائے وغیرہ، لیکن انتقال کے بعد وراثت شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ہی تقسیم ہو گی، کسی بھی بنیاد پر اس میں کمی زیادتی جائز نہیں۔

چونکہ زندگی میں آدمی اپنے مال کا مالک ہوتا ہے، اور اس میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے انتقال سے قبل ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنی جائیداد تقسیم کر دے، کسی کو کم دے، کسی کو زیادہ اور کسی کو محروم کر دے تو اگرچہ وہ اپنی اس زیادتی کی وجہ سے گنہگار ہوگا، لیکن اس کا تصرف نافذ العمل ہوگا، اور معتبر سمجھا جائے گا، ہاں اگر جائداد کا مالک نہ بنائے بلکہ یہ وصیت کر جائے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا حصہ دیا جائے، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی بیٹے کو عاق کر دیا جائے (جیسا کہ عرف میں رواج ہے) تو شرعاً وہ عاق نہیں ہوگا، بلکہ مورث کے مرنے کے بعد شرعاً اس کو حصہ ملے گا، ورثاء کے حق میں کسی طرح کی وصیت معتبر نہیں، البتہ جو وارث نہ ہو یعنی اس کے مرنے کے بعد شرعاً جس شخص کو میراث نہ مل سکتی ہو تو ایسے شخص کے حق میں یا ایسے کئی اشخاص کے لئے اپنی جائداد میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی (۱/۳) کی وصیت کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ کی وصیت شرعاً معتبر نہیں، اور اس پر عمل بھی نہ ہوگا۔

آپ کے تایا (سسر) نے ساری جائداد آپ لوگوں کے نام منتقل کر کے غلطی کی، (اگر تحریر کچھ اس طرح ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری جائداد فلاں کی ہوگی، دوسروں کو اس میں حصہ نہ ملے گا وغیرہ، تو یہ حقیقت میں وصیت ہے، اس سے زندگی میں ملکیت منتقل ہوتی اور مرنے کے بعد اس وصیت کا اعتبار نہیں) انہیں چاہئے کہ آپ کو اور آپ کی بیوی کو راضی کر کے اپنے فیصلے کو بدلیں اور دوسری بیٹیوں اور بھائی کو محروم نہ کریں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من قطع میراث وارث قطع اللہ میراثہ من الجنۃ

جو شخص اپنے وراث کو میراث سے محروم کریگا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی میراث سے محروم کر دیگا۔(۱)

اگر دوسرا کوئی اور وارث نہ ہو تو ان کے انتقال کے بعد وراثت اس طرح تقسیم ہوگی کہ اگر میت کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو پہلے قرض کی ادائیگی عمل میں آئے اور، اگر کسی کے لئے وصیت ایک (تہائی یا اس سے کم کی) کی ہو تو وصیت کے مطابق اس شخص کو یہ حصہ دیا جائے، پھر اس کے بعد باقی جائداد کی دو تہائی چاروں بیٹیوں کو برابر دیا جائے اور باقی ایک تہائی بھائی کو ملے گا، انتقال سے قبل اگر آپ کے تایا اپنی جائداد تقسیم کر دینا چاہیں تو ہماری ناقص رائے میں یہ بہتر ہے کہ آپ کو جائداد کا ایک تہائی (بلکہ اس سے کچھ کم) حصہ حق خدمت و رفاقت کے طور پر دے دیں، پھر باقی جائداد کو چاروں بیٹیوں اور ایک بھائی کے درمیان برابر برابر تقسیم کر دیں۔

حصہ وراثت سے قرض کی وصولی

سوال: والد مرحوم کی وراثت تقسیم ہونے سے پہلے ہم نے اپنے خرچ پر چھوٹے بھائی کی شادی کی، اب وراثت کی تقسیم کے بعد ہم چھوٹے بھائی کے حصہ سے اس کے شادی کے اخراجات وصول کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ ہمارے لئے شرعاً جائز ہے۔؟ (یعقوب۔ مکہ مکرمہ)

جواب: اگر مشترکہ خاندان نہ ہو اور سب کی آمدنی الگ الگ رہتی ہو، تو اگر یہ اخراجات آپ نے قرض کے طور پر خرچ کئے ہیں تو قرض وصول کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر مشترکہ خاندان ہو، تمام بھائیوں کی آمدنی یکجا جمع ہو یا الگ تو ہو لیکن قرض کی صراحت نہ ہو تو ان صورتوں میں وصول کرنا ناجائز ہے، سوائے اس کے کہ بھائی خود ادا کر دے۔

---

(۱) مشکوۃ، ص: ۲۶۶

میت کی مال امانت بھی ترکہ ہے

سوال : میری بہن کا اچانک انتقال ہو گیا، ان کی کچھ رقم میرے پاس امانت تھی وہ کہا کرتی تھیں کہ بچوں کی شادی میں اس کو استعمال کروں گی، ان کے چھوٹے بڑے بچے ہیں، لیکن ان کا باپ بچوں کو ہمارے گھر آنے نہیں دیتا، جب بہن زندہ تھی تو اب بھی نہیں آنے دیتا تھا، اب اگر میں یہ رقم بہن کے بچوں کو دوں تو وہ نہیں لیں گے یا باپ انہیں لینے نہیں دیگا، کوشش کے بعد بھی اگر وہ رقم نہ لیں تو کیا میں بہن کے نام پر صدقہ کر دوں؟ (ایک سائل - مدینہ منورہ)

جواب : بہن کی جو رقم آپ کے پاس امانت تھی، بہن کے انتقال کے بعد شرعاً وہ بہن کے ورثاء کی ہو گئی (اگرچہ انہیں اس رقم کی اطلاع نہ ہو) دوسرے مال متروکہ کی طرح یہ بھی شرعی حصوں کے لحاظ سے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو گی، آپ کو چاہئے کہ یہ امانت ان کے حوالہ کر دیں، اس صراحت کے بعد کہ یہ بہن ہی کی رقم ہے، اگر وہ لینے سے انکار کر دیں تو اسے بطور امانت اپنے پاس محفوظ رکھیں کہ شاید کچھ عرصہ بعد وہ مطالبہ کریں، قبول کرنے کی اگر کوئی صورت نہ ہو تو پھر صدقہ و خیرات کر دیں۔

باپ کی وراثت میں حصہ

سوال : متوفی کا ایک لڑکا جو غیر مسلم ملک میں سکونت پذیر ہے، کیا وہ شرعاً اپنے باپ کے ترکہ سے میراث پانے کا حقدار ہے؟ (حمید - [illegible])

جواب : شرعاً بیٹا اپنے والد کے ترکہ سے اپنا حصہ وراثت پانے کا حقدار ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون

(النساء-۳۳)

ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ کر مر جائیں، اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں۔

اگر کوئی بیٹا (وارث) غیر مسلم ہو یا دین اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائے، یا دارالحرب چلا جائے تو وہ وراثت سے محروم ہو جاتا ہے، (لیکن واضح رہے کہ موجودہ دور میں ہر غیر مسلم ملک کو "دارالحرب نہیں کہا جا سکتا)

مال متروکہ میں بھتیجہ کا حصہ

سوال: میرے نانا مرحوم کی اولاد میں ایک ہی اکلوتی بیٹی ہے، (جو کہ میری والدہ ہیں) نانا نے اپنی زندگی میں تمام جائداد اپنی بیٹی کے نام منتقل کر دی تھی، اب جبکہ نانا وفات پا چکے ہیں اور ان کے بھائی کے بیٹے یعنی بھتیجے ان کی جائداد پر زبردستی قبضہ کئے ہوئے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے اس جائداد کے حقدار کون ہیں؟ (حمید اللہ خان - طائف)

جواب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میت نے صرف لڑکی چھوڑی ہو اور لڑکا نہ چھوڑا ہو تو لڑکی کو متروکہ مال کا نصف حصہ (۱/۲) ملے گا، اگر اس کے علاوہ دوسرے وارث ہوں تو بقیہ نصف (۱/۲) ان میں تقسیم ہوگا، لیکن اگر دوسرا وارث نہ ہو تو پھر وہ بقیہ نصف (۱/۲) بھی لڑکی ہی کو ملے گا۔

دوسرا مسئلہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ عصبات کے چار درجے ہیں، ان ہی درجات کے عصبات کو بہ حیثیت عصبہ کے کوئی حصہ نہیں، اسی طرح پہلے درجہ کے عصبات نہ ہوں تو دوسرے درجات کے عصبات کو حصہ ملے گا، اور تیسرے و چوتھے درجات کے عصبات محروم ہوں گے، اگر اول دوم درجے کے عصبات زندہ نہ ہوں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے تیسرے درجہ کے عصبات آپس میں تقسیم کر لیں گے، اور اول دوم سوم درجے کے بھی عصبات نہ رہیں تو چہارم درجہ کے عصبات بقیہ ترکہ کے حقدار ہوں گے۔

عصبات کے درجات کی تفصیل کچھ یوں ہے :

۱) پہلے درجہ کے عصبات سے مراد وہ لوگ ہیں جو میت کی نسل سے ہوں جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ۔

۲) دوسرے درجہ کے عصبات سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی نسل سے خود میت ہو جیسے، باپ دادا پردادا وغیرہ۔

۳) تیسرے درجہ کے عصبات میں وہ وارث ہیں جو میت کے باپ کی نسل سے ہوں جیسے میت کے بھائی، بھتیجے، بھائی کے پوتے وغیرہ۔

۴) چوتھے درجے کے عصبات میں وہ لوگ ہیں جو میت کے دادا کی نسل سے ہوں مثلاً میت کے چچا، چچا کے لڑکے چچا کے پوتے وغیرہ۔

تیسرا مسئلہ یہ کہ ایک یا کئی ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو مال بچ جائے، وہ عصبات میں تقسیم ہوں گے، اور کوئی بھی عصبہ نہ ہو تو بقیہ ترکہ بھی انہی وارثین کو لوٹا دیا جائے گا۔

آپ نے جو صورت دریافت کی ہے، اس تفصیل سے اس کا جواب بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اگر زندگی میں جائیداد اپنی بیٹی (آپ کی والدہ) کے نام رجسٹرڈ کرایا تھا تو وہ کل آپ کی والدہ کی ہے، آپ کے نانا کے بھتیجوں کو اس پر قبضہ کا شرعی اختیار نہیں ہے، اور اگر زندگی میں نانا نے اپنی بیٹی (یعنی آپ کی والد) کے نام رجسٹرڈ نہیں کرایا تھا جو کہ ہبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے، تو پھر آپ کے نانا کی وفات کے بعد وہ مال ترکہ ہے، اور ترکہ کے احکام اس جائیداد پر ترکہ کے احکام عائد ہوں گے، اوپر کی تفصیل کی روشنی میں آپ کی ماں کو کل جائیداد کا نصف حصہ (۱/۲) ملنے کے بعد باقی مال کے حقدار آپ کے نانا کے بھتیجے ہوں گے، ان کو اتنے ہی پر قبضہ کرنا جائز و درست ہے جتنا ان کے حصہ میں آرہا ہے، دوسرے (یعنی آپ کی والدہ) کا حصہ اس کو شرعاً فارغ کرنا ہوگا۔

البتہ زندگی ہی میں جائداد تقسیم کرنی ہو تو اس میں ناانصافی کرنا یا کسی شرعی وارث کو محروم کردینا صحیح نہیں، تاہم ہر شخص اپنے مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے، لہٰذا شرعاً اس کی تقسیم معتبر ہوگی، اگر ناانصافی کریگا تو عنداللہ گنہگار ہوگا۔

عاق کا شرعی حکم

سوال : اگر کوئی بیٹا والد کی زندگی ہی میں والد سے جائداد میں اپنا حصہ طلب کرے، تو اسلامی نقطہ نگاہ سے کیا وہ اپنا حصہ لینے کا حقدار ہے؟ نیز والد اپنی زندگی میں اپنے کسی بیٹے کو جائداد سے عاق کردے تو والد کے انتقال کے بعد وہ عاق نامہ قائم رہے گا یا ختم ہو جائے گا؟ (ارشد محمود۔ جدہ)

جواب : بیٹے کو یہ حق نہیں کہ وہ والد کی زندگی ہی میں ان کی جائداد سے اپنا حصہ طلب کرے کیونکہ مال میں وراثہ کا حق مورث کی وفات کے بعد ہی متعلق ہوتا ہے، اس لئے وفات سے پہلے کسی جانب سے حصۂ وراثت کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ مورث خود ہی اپنی زندگی میں مال تقسیم کردے۔ایسی صورت میں اگر والد زندگی ہی میں اپنی جائداد اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کردینا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، لیکن عدل وانصاف کے ساتھ کرنا چاہئے، ناانصافی اور ظلم کرے گا تو عنداللہ گنہگار ہوگا، اسی طرح باپ اگر اپنے کسی بیٹے کو عاق کردے یعنی اپنی جائداد اور وراثت سے محروم کردے تو شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ باپ کے انتقال کے بعد عاق شدہ بیٹا بھی شرعاً وراثت کا حق دار ہوگا، ہاں اگر والد نے زندگی میں اپنی ساری جائداد تقسیم کردی اور کسی بیٹے کو محروم رکھا اور اسے کچھ نہ دیا پھر والد کے انتقال کے وقت اس کی کوئی جائداد نہ تھی تو ظاہر ہے اب یہ بیٹا محروم ہی رہے گا، کیونکہ والد نے اپنی زندگی میں جس کو جو چیز دیدی وہ اس کی ہوگئی، البتہ اس ناانصافی کا گناہ والد کے ذمہ رہے گا۔

ایک ناجائز وصیت

سوال : ہمارے شہر میں ایک مرشد تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں یہ وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد بغیر غسل کے اور کسی کو اطلاع دیئے بغیر دفن کر دیا جائے، پھر چالیس دن بعد قبر سے نکال کر غسل دیا جائے، اور میرے اہل و عیال کو یہ اطلاع دی جائے، ان کی وصیت کے مطابق مریدوں نے اسی طرح کیا، اور نماز جنازہ میں کثیر تعداد نے شرکت کی، کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ایسی وصیت جائز ہے؟

(محمد صدیق ۔ دودی)

جواب : غیر شرعی وصیت کرنا اور اس پر عمل کرنا دونوں ناجائز ہیں، اگر مرشد صاحب نے ایسی وصیت کی تو انھوں نے غلطی کی اور لوگوں نے اس کے مطابق عمل کیا تو وہ بھی مجرم ہوئے انہیں چاہئے کہ توبہ و استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

بھائی کی جائداد میں حصہ

سوال : ایک باپ کے چار بیٹوں میں اسے ایک بیٹا اگر اپنی کمائی : وئی رقم سے گاڑی، زمین، مکان، وغیرہ خریدے تو کیا وہ باپ کی جائداد میں شامل ہو گی؟ اور کیا اس کو باپ کی جائداد کی طرح دوسرے بھائیوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے؟ ایک والد نے اسی طرح سب پر تقسیم کیا جبکہ اس بیٹے نے اپنی رقم سے وہ جائداد حاصل کی تھی، دوسرے بھائیوں نے رقم دینے سے بھی انکار کیا تھا، لہٰذا وہ دوسرے بھائیوں کو اس میں سے حصہ دینے پر راضی نہیں شرعی طور پر اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔

(محمد شیم ۔ عسقلان)

جواب : کوئی بھی چیز انسان کی انفرادی اور ذاتی ملکیت میں تین صورتوں سے آتی ہے

۱) اپنی ملکیت کو خوشی سے کوئی شخص دوسرے کی طرف منتقل کردے چاہے معاوضہ لیکر کہ اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ قیمت لے کر فروخت کردے یا کسی معاوضہ کے بغیر کسی دوسرے کو دیدے اس طرح ہبہ کردے یا انعام کے طور پر دیدے تو ان طریقوں سے دوسرا شخص اس کا مالک ہو جائے گا۔

۲) آدمی کوئی چیز وارثت میں پائے اس سے بھی وہ وارث اس شئی کا مالک ہو جاتا ہے۔

۳) تیسری صورت یہ کہ اپنی محنت مزدوری سے کسی مباح چیز کو حاصل کرے تو اس سے وہ شخص اس چیز کا مالک ہو جائے گا۔

آپ نے جو صورت دریافت کی ہے، اس میں بیٹے نے اپنی محنت سے جائداد حاصل کی ہے، اس لئے وہ جائداد اس کی ذاتی اور شخصی مملوکہ ہے، اس کی مرضی کے بغیر والد کو اس میں تصرف کا حق نہیں اور دوسری اولاد کو اس میں سے حصہ دینا درست نہیں ہاں والد کی جائداد تمام اولاد (وارثین) پر تقسیم کی جائے گی، اسی طرح جب اس لڑکے کا انتقال ہو تو اس کی جائداد بھی قانون شرعی کے مطابق اسی کے ورثاء میں تقسیم ہو گی، ورثاء کی تفصیل اور ان کے حصے شریعت میں مقرر و متعین ہیں۔

خواتین کی جائداد

سوال : شادی سے قبل لڑکی کی کمائی ہوئی جائداد شادی کے بعد لڑکی کی ہوتی ہے یا والدین کی؟ جبکہ جائداد لڑکی کے نام ہے، اور اس جائداد کو لینے یا بنانے میں والد صاحب کا بھی کچھ پیسہ خرچ ہوا ہے، اور اب والد صاحب حیات نہیں، کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟

(س، ر، خ۔ حیدر آباد)

جواب : اسلامی حدود میں رہتے ہوئے خواتین بھی تجارت اور کاروبار وغیرہ میں حصہ لیکر دولت وجائداد حاصل کر سکتی ہیں اور یہ جائداد جو انھوں نے اپنی محنت و کمائی سے حاصل کی ہو، ان کی اپنی سمجھی جائے گی، شرعاً والدین یا شوہر کا اس میں کچھ اختیار نہ ہوگا، چاہے یہ کمائی شادی سے پہلے کی ہو یا شادی کے بعد کی، جائداد کے حصول میں والد صاحب کا پیسہ اگر بطور قرض کے لگا ہو تو وہ واجب الادا ہوگا، والد صاحب کے نہ ہونے کی صورت میں ان کے ترکہ میں شامل کر کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، اگر یہ قرض نہ ہو بلکہ ہدیہ و تحفہ یا مالی اعانت کے طور پر ہو تو اس کو لوٹانا بھی ضروری نہیں، جائداد جب لڑکی کے نام ہے تو وہ بہر حال لڑکی ہی کی سمجھی جائے گی۔

جائداد میں بہو کا حصہ

سوال : میرے خاوند ایئر فورس میں ملازمت کے دوران انتقال کر گئے، اولاد میں صرف تین لڑکیاں ہیں، میں نے دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا، شوہر کی پنشن پر گزارہ کرتی ہوں، اب بچیاں بڑی ہیں، اور اسکول جاتی ہیں اس لئے پنشن پر گزارہ مشکل ہے، میرے خاوند کے نام کوئی جائداد نہیں، البتہ ان کے والد (میرے سسر) کے نام سات ایکڑ زمین ہے، لیکن وہ ایسے ہیں کہ ایک کوڑی بھی شاید نہ دیں، کیا مجھے یا میری بچیوں کو شرعاً اس زمین میں حصہ مل سکتا ہے؟

(ثریا امین - ریاض)

جواب : آپ کے خسر اگر اپنی زندگی میں آپ کو یا آپ کی بچیوں کو کچھ دیدیں تو انہیں اس کا اختیار ہے، لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کی جائداد میں شرعاً آپ کا یا آپ کی بچیوں کا کوئی حق نہیں، اس لئے کہ شرعاً بہو وارث نہیں، البتہ آپ کی بچیوں کو اس صورت میں حصہ مل سکتا ہے کہ آپ کے خسر کی کوئی اور اولاد نہ ہو، اولاد کی موجودگی میں پوتا پوتی، دادا کی وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں، (البتہ غیر وارث کے

لئے چاہے وہ کوئی بھی ہو رشتہ دار یا اجنبی، مرنے سے قبل ایک تہائی جائداد کے اندر وصیت جائز ہے، اس لئے مستحب یہ ہے کہ آپ کے خسر ان بے سہارا بچیوں کا خیال کرتے ہوئے تہائی کی حد میں رہتے ہوئے کچھ وصیت کر جائیں۔

صاحب حق کے لئے مغفرت کی دعا کریں

سوال : مجھ سے ماضی میں حقوق العباد کے سلسلہ میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کا مجھے بے حد افسوس ہے، میں ان غلطیوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جن افراد کے ساتھ مجھ سے زیادتی ہوئی ان میں سے چند اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اب میں ان غلطیوں کا کفارہ کیسے ادا کروں؟

(ایک سائل - حائل)

جواب : صاحب حق کی طرف سے کثرت سے صدقہ خیرات کیجئے اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہیئے، امید ہے کہ اس کے بدلہ اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے ان کے حق میں ہونے والے غلطیوں کو معاف کردے، بعض احادیث سے اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے، اگر کوئی مالی حق واجب الادا ہو تو مرحوم صاحب حق کے ورثاء تک پہنچانے کی کوشش کیجئے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو واجب الادا مال مرحوم صاحب حق کی طرف سے صدقہ کر دیجئے۔

❁❁❁❁❁❁

سوال وجواب

حصہ : سوم

نواں باب

متفرق سوال وجواب

محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم

شہر رام اللہ اور ہندوؤں کے رام

سوال: چند روز قبل اردو نیوز کے علاوہ عربی اخبارات میں "رام اللہ" کے تعلق سے کچھ خبریں آئیں، یہ شہر "رام اللہ" فلسطین میں بیت المقدس سے شمال کی جانب تقریباً پندرہ کیلو میٹر کی دوری پر آباد ہے اور بہت ہی قدیم شہر ہے، رام اللہ کا نام پڑھ کر میرے ذہن میں سوال یہ پیدا ہوا کہ "رام" کا کیا مطلب ہے؟ میں نے ایک فلسطینی ساتھی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ "اللہ کا شہر" میرے مزید سوالات پر وہ کہنے لگا کہ "رام" نبی تھے، جو اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ کہ "رام" سریانی زبان کا لفظ ہے جو اس وقت وہاں بولی جاتی تھی، میں اسلامی تاریخ کی روشنی میں جاننا چاہوں گا کہ اس شہر کا نام "رام اللہ" کس زمانے سے رکھا گیا اور اگر رام نبی تھے تو برصغیر کے مسلمانوں میں یہ نام کیوں استعمال نہیں ہوتا، نیز رام ہندوؤں کے لئے کیوں مخصوص ہو کر رہ گئے، بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعہ میں کسی عالم کی طرف سے یہ آواز نہیں آئی کی رام جنم بھومی ایودھیا نہیں فلسطین ہے اور یہ کہ "رام" نبی تھے، اوتار نہیں۔ (محمد نعیم صدیقی - جدہ)

جواب: جہاں تک "رام اللہ" شہر کا تعلق ہے کہ یہ کب آباد ہوا اور اس کا یہ نام کب اور کیوں رکھا گیا؟ اس سلسلے میں کوئی تاریخ داں ہی زیادہ صحیح رہنمائی کر سکتا ہے، البتہ آپ کے فلسطینی ساتھی کے یہ کہنے پر کہ "رام" نبی تھے اور اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، ہم نے بعض کتابوں سے مراجعت کی، حافظ ابن کثیر نے سیدنا اسحاق بن

ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "اہلِ کتاب نے ذکر کیا کہ اسحاق علیہ السلام نے جب رفقابنت بنوائیل سے اپنے والد (ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں شادی کی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھیں انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کی تو وہ حاملہ ہوئی اور دو جڑواں لڑکے جنے، پہلے کا نام انھوں نے عیصو رکھا، اور یہ وہی ہیں جن کو عرب عیص کہتے ہیں اور یہ "روم" کے والد ہیں اور دوسرا (ولادت کے وقت) اپنے ایڑی پکڑی نکلا اس لئے اس کا نام انھوں نے یعقوب رکھا، (عقب کے معنی ایڑی کے ہیں) اور یہی اسرائیل ہیں جن کی طرف بنی اسرائیل (قوم) منسوب ہے اور اسحاق علیہ السلام عیصو کو زیادہ چاہتے تھے اور ان کی ماں رفقا یعقوب علیہ السلام کو زیادہ چاہتی تھی" اس کے بعد عیصو اور یعقوب علیہ السلام کے کچھ واقعات اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا ذکر کسی قدر وضاحت کے ساتھ کیا گیا لیکن عیصو کی اولاد اور ان کی نسل کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں تاہم مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عیصو کے ایک بیٹے "روم" تھے، لسان العرب عربی زبان کی ایک مشہور لغت کی کتاب میں بھی "رام" کے معنی ایک قسم کا درخت اور "روم" کے معانی میں ایک معنی یہ مذکور ہے کہ یہ ایک معروف نسل ہے جو عیصو بن اسحٰق علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ ممکن ہے یہ "روم" اسحاق علیہ السلام کے پوتے ہوں اور بعد میں مرورِ زمانہ سے یہ لفظ بدل کر "رام" ہو گیا ہو، جہاں تک ان کے نبی ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی اس لئے کہ قرآن وحدیث میں اس نام کے کسی نبی کا ذکر نہیں تاہم اس امکان کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی کیونکہ خود قرآن نے بصراحت اس حقیقت کو بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ان میں سے صرف بعض کا ذکر قرآن میں کیا گیا اور اکثر کے حالات ہم سے بیان ہی نہیں کئے گئے۔ (غافر: ۷۸)

"رام" سے متعلق ہندوؤں کے جو عقائد و خیالات ہیں اس کی روشنی میں یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ اس کا "رام اللہ" سے کوئی تعلق ہی نہیں تاہم غیر مسلم اقوام کے مذہبی پیشواؤں کے بارے میں بعض محقق علماء نے یہ امکان ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے

وہ کسی زمانہ میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک برگزیدہ بندے رہے ہوں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے ان کی پرستش شروع کردی ہو اور مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے بنی آدم سے بت پرستی کی ابتداء اسی طرح کروائی تھی، آج کے دور میں مسلم معاشرہ میں "قبر پرستی" اور وفات شدہ اولیاء و بزرگان دین کے متعلق جاہلوں اور نادانوں کے عقائد و خیالات کو دیکھتے ہوئے اس حقیقت کو سمجھنا مشکل نہیں۔

ملت سے غداری

سوال: میرا تعلق ایسے خطے سے ہے جہاں کافر حکومت کے خلاف لڑائی جاری ہے میں ایک عرصہ سے یہاں ہوں اور ایک مخصوص خاندان سے تعلق پھر ایک مخصوص گروہ سے تعلق نے دین ملت اور اس کی اہمیت سے مجھے دور کیے رکھا، آپ کے جوابات اور چند کیسٹ سن کر ضمیر جاگا اور مجھے زندگی میں پہلی بار ضمیر کے بوجھ کا احساس ہوا، میرے والد اور خاندان کے تمام لوگ مسلمانوں اور مجاہدین کی مخبری کرتے ہیں، مظلوموں کے مقابلے میں کافر ظالموں کا ساتھ دیتے رہے، اس دوران دوسرے کئی لوگوں کی سیکڑوں کنال زمینیں بھی دباتے رہے اور دوسروں کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کر کے اپنے نام لکھتے رہے، آج بڑے بزرگ اس دنیا میں نہیں ہیں، انکا کیا ہوگا؟ میں خود اب اپنے ضمیر کا بوجھ برداشت نہیں کرپا رہا ہوں شاید آپ سے رہنمائی مل جائے؟

(ل،س،ک - جدہ)

جواب: مسلمان اپنے دین اور اپنی ملت کے لیے اپنی جان مال اور سب کچھ قربان کر سکتا ہے، لیکن ملت کے لئے غداری نہیں کر سکتا، اور اگر کوئی شخص اپنے دین و ملت سے غداری کرے تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سوائے آتش جہنم کے اور کچھ بھی نہیں ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے قیامت کے دن ہر غدار کے لئے ایک

مخصوص جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جس پر لکھا ہوگا، یہ فلاں ابن فلاں غدار کی غداری کا نشان ہے، خود دنیا میں ایسے شخص کا ضمیر اسے کبھی بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیتا اور ایسا شخص یا تو صدق دل سے توبہ کر لیتا ہے اور ایسی توبہ کا کفارہ یہ ہے کہ اب ان لوگوں کا ساتھ دیا جائے جو واقعی اللہ کے مخلص بندے ہیں اور واقعی کفر و طاغوت کے خلاف لڑ رہے ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ کا ضمیر زندہ ہے اور وہ آپ کو غلط راستے سے بچا کر سیدھے راستے کی طرف لے جانا چاہتا ہے، اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے فوراً اپنے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو جایئے اور اپنی ہر توانائی و قوت اسلام اور مسلمانوں کے لئے وقف کر دیجئے۔

اپنوں کے مقابلے میں غیروں کا ساتھ دینے والے لوگ اگر خود راہِ راست پر نہ آئیں اور زندگی بھر کفر و طاغوت کا ساتھ دیتے رہیں تو بالآخر ایک دن یہی طاقتیں اپنے مخبروں اور دوستوں کو ایجنٹوں کے ذریعے ختم کروا دیتی ہیں، ہمارے سامنے ماضی بعید ماضی قریب اور حال کے کئی ایسے واقعات موجود ہیں، جہاں غداروں کو خود ان کے دوستوں ہی نے ہلاک کیا، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اپنی ملت سے بے وفائی اور غداری کرنے والا دوسروں کا وفادار نہیں بن سکتا، وہ لوگ جو اَب دنیا میں نہیں رہے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے، ہمیں اپنی فکر کرنی چاہئے اور یہ سوچنا چاہے کہ ہمیں دنیا کی زندگی میں کس کا ساتھ دینا ہے اور کن سے تعلق توڑنا ہے، قرآن میں جابجا ہمیں یہی حکم دیا گیا۔ ہے کہ ہم اپنی ملت کے ساتھ رہیں، زندگی بھر انہی کے ساتھ رہیں اور ہماری موت بھی ایسی ہی حالت میں آنی چاہئے، قرآن میں جابجا ہمیں کافروں کی دوستی اور ان کا ساتھ دینے سے منع کیا جا رہا ہے، مسلمان کی ہر توانائی، قوت و طاقت اور تمام صلاحیت، اسلام اور مسلمانوں کے لئے وقف ہوتی ہے جو شخص اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں دوسرے کی تابعداری کر کے ان کا دست و بازو بنتا ہے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ایسے غدار سے بری ہیں۔

آپ ایک دوسرا اچھا قدم یہ بھی اٹھایئے کہ آپ کے خاندان نے جن جن

لوگوں کی زمینیں زبردستی اور ناجائز ذرائع استعمال کر کے اپنے قبضے میں کر رکھی ہیں یا اپنے نام لکھوالی ہیں یہ تمام زمین اصل مالکوں کو واپس کر دیجئے تاکہ کم از کم اس ایک بڑے بوجھ سے تو ان کی جاں بخشی ہو کہ رسول کریم ﷺ کی احادیث میں اس بارے میں شدید وعید وارد ہوئی ہے۔

چھ باتوں پر جنت کی ضمانت

سوال: یہاں آنے سے قبل میری زندگی کا رخ بلکہ پوری زندگی اللہ سے بغاوت اور مخلوق کی اذیت اور ہر قسم کے گناہ سے آلودہ تھی حرمین شریفین کی بار بار حاضری اور آپ کے کیسٹ سن سن کر زندگی میں انقلاب آگیا، الحمدللہ اکثر گناہ چھوٹ گئے ہیں لیکن جھوٹ بولنا اور نگاہوں کی حفاظت کے بارے میں ابھی تک کچھ کمزوریاں ہیں، آپ سے دعا کی درخواست ہے اور اس بارے میں کچھ رہنمائی بھی درکار ہے۔ (ا،ا، خان - جدہ)

جواب: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ہدایت کے فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے صادر ہوتے ہیں لیکن علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے لئے دل میں ہدایت کی تڑپ اور طلب موجود ہونا شرط ہے، کیونکہ ہدایت صرف طالب ہدایت کو ملتی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، جس نے آپ پر فضل وکرم کیا کہ آپ کو گناہوں والی زندگی سے نجات دلائی اور اعمال صالحہ والی پاک صاف زندگی عطا فرمائی، آپ نے جن دو بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے ان کو ترک کرنے کے لئے خود آپ اپنے اندر وہ قوت وہمت پیدا کریں جس کی وجہ سے آپ نے دوسرے گناہ ترک کر دیئے ہیں شیطان کو ایک بار پھر شکست فاش دیں اور ہمت واستقامت سے یہ دونوں گناہ بھی فوراً ترک کر دیں، قرآنی آیات اور احادیث اس بارے میں ہماری رہنمائی کے لئے موجود ہیں بلکہ اہل علم کی مجالس میں حاضری بھی اس بارے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے، رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث یہاں نقل کی جارہی ہے، امید ہے کہ آپ کے لئے یہ اچھا کام دے سکتی ہے، رہا دعا کا معاملہ تو انشاء اللہ ہم ہمیشہ آپ کے لئے دعا کرتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ

آپ پر مہربانی فرمائے اور آپ کو اپنے خاص بندوں میں شامل فرمائے، حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے اگر تم لوگ مجھے چھ باتوں کی ضمانت دیدو تو میں تم لوگوں کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو، جب امانت تمہارے پاس رکھوائی جائے تو اسے ادا کرو، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، اپنی نگاہوں کو پست رکھو (نگاہوں کو حرام پر پڑنے سے بچائے رکھو) اور اپنے ہاتھوں کو (کسی بھی مخلوق کو اذیت دینے سے) بچائے رکھو" (۱)

گھر والوں کی اصلاح

سوال: ہم یہاں جدہ میں رہتے ہیں کسی چیز کی کمی نہیں، والد صاحب نماز تلاوت قرآن کے پابند ہیں، البتہ ہمارا ایک بھائی جس نے کم عمری میں بہت ترقی کی ہے، لیکن دو باتیں اس میں خراب ہیں، ایک تو گرم مزاج ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ سے بھی بلند آواز میں بات کرتا ہے، اور بدتمیزی کرتا ہے، دوسرے یہ کہ نماز و قرآن سے لگاؤ نہیں، یہی حال تقریباً ہمارے بہنوئی کا بھی ہے، کوئی ایسا حل بتائیں جس سے ان کی اصلاح ہو سکے۔ (ص، ا-جدہ)

جواب: آپ کے خط اور سوال سے آپ کے اس کرب والم اور پریشانی کا اظہار ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہر مسلمانوں کو اس وقت پیش آتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کی عزیز ترین ہستی اور گھر کا محبوب ترین فرد بے دینی اور گمراہی کے باعث شیطانی راستے پر چل پڑا ہے، کسی بھی مخلص مسلمان کو اس وقت قلبی دکھ پہنچتا ہے، جب وہ اپنے ہی گھر میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت و سرکشی کو دیکھتا ہے، اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمان مرد اذان کی آواز سنے اور بلا عذر شرعی نماز پڑھنے نہ مسجد جائے اور نہ ہی گھر پر نماز پڑھے؟ جب کہ عمداً جان بوجھ کر نماز ترک کر دینا کفر ہے، وہ اولاد اور وہ بیٹے بیٹیاں جو اپنے والدین سے بدتمیزی کرتے ہیں، اور ان کو جواب

---

(۱) مسند احمد ۵/۳۲۳، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر ۲۷۱

دیتے ہیں وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کوں کیو بھلا بیٹھے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "جو ہمارے بڑوں کا اکرام نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے" (۱) قرآن پاک نے تو والدین کی کسی بات یا حرکت کے جواب میں اف تک کہنے سے بھی منع کیا ہے پھر یہ کیسی اولاد ہے جو والدین کا دل دکھاتی ہے اور ان سے بدتمیزی کرتی ہے؟ آپ کے دکھ اور کرب کا ہمیں شدید احساس ہے لیکن ایسے میں آپ کے پاس صبر، دعاء اور اچھے طریقے سے وعظ و نصیحت کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، بہنوئی اور بھائی کی بے دینی اور والدین سے بدتمیزی پر صبر کیجئے ان کی ہدایت کے لئے دعا کیجئے اور گاہے بگاہے نرمی و محبت سے انہیں سمجھاتے رہئے، کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ہدایت کی طرف پھیر دے۔

مصائب و آلام میں استغفار کی کثرت

سوال: پندرہ سال سے سعودی عرب میں رہ رہا ہوں پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں صبح قرآن بھی پڑھتا ہوں لیکن پریشانی جان نہیں چھوڑ رہی ہے اور کسی کام میں ترقی بھی نہیں ہو رہی جیسا پاکستان سے آیا تھا ویسا ہی ہوں روپیہ کماتا ہوں لیکن معلوم نہیں کہاں چلا جاتا ہے، کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور رہتی ہے ایک مصیبت جاتی نہیں کہ دوسری آجاتی ہے، میری رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں۔

(محمد سلیم نیلا - راس الخیمہ)

جواب: دنیا کی زندگی دار الامتحان ہے، یہاں ہر آدمی کی آزمائش ہوتی ہے ہر مسلمان کو اس کی جان مال، اولاد، و خاندان اور دوسری بعض چیزوں کے ذریعے آزمایا جاتا ہے، اچھا مسلمان وہ ہے جو ہر حال میں صبر و شکر کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے، حالات کی درستگی کے لئے کثرت سے استغفار پڑھنا اور نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھنا مفید ہے، روزانہ دو رکعت صلاۃ حاجت کی نیت سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ

---

(۱) ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی النصیحة، حدیث نمبر

سے خوب دعائیں کریں، انشاء اللہ جلد آزمائش کا یہ دور ختم ہو جائے گا اور آپ کے حالات اچھے ہو جائیں گے۔

کیا ہم پر کوئی گناہ ہے؟

سوال : ہماری دکان زیادہ چوڑی نہیں، جس کی وجہ سے دکان میں جب گاہک زیادہ آجائیں تو رش ہو جاتا ہے، اور ہمارا جسم ان کے جسم سے غیر ارادی طور پر ٹکرا جاتا ہے، حالانکہ ہم بہت احتیاط بھی کرتے ہیں کیا ایسی صورت میں ہم گنہگار ہوں گے؟ (ایوب سکری-الخبر)

جواب : احتیاط کے باوجود غیر ارادی طور پر اگر ایسا ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، کیونکہ کسی بھی عمل پر گناہ و ثواب کا مدار نیت پر ہے،(۱) آپ کی نیت بری نہیں او آپ احتیاط بھی کرتے ہیں، اس لئے انشاء اللہ آپ سے مؤاخذہ اور باز پرس نہیں ہوگی تاہم بندہ مومن کو کثرت سے توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہئے توبہ و استغفار اور نیکیوں کی کثرت سے ہمارے گناہ اور لغزشیں معاف ہوتی رہتی ہیں اور آدمی گناہوں سے پاک ہو تو توبہ سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

پریشانیاں اور بیماریاں -- عذاب ہیں یا آزمائش؟

سوال : نزع، بیماریاں اور اس کی تکلیف وغیرہ اللہ کی جانب سے عذاب ہے یا آزمائش؟

جواب : بیماری، تکلیف و مصیبت وغیرہ دنیا میں بنی آدم کے اعمال کا نتیجہ اور بدلہ ہوتے ہیں گویا یہ ایک طرح کا عذاب اور قہر الٰہی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے تمہیں جو کئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ (اللہ تعالیٰ) تو بہت ساری غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے۔(۲) سنن ترمذی میں سیدنا ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "بندہ کو جو معمولی ایذاء یا

---

(۱) بخاری عن عمر، باب کیف کان بدؤ الوحی الخ کتاب الایمان (۲) شوریٰ-۳۰

تکلیف پہنچتی ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہوتا ہے اور گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ (بغیر سزا دیئے) دنیا و آخرت میں بخش دیتا ہے، ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا دیتا ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سورہ شوریٰ کی آیت (۳۰) تلاوت فرمائی،(۱) کبھی بیماری اور تکلیف و مصیبت سے امتحان و آزمائش مقصود ہوتا ہے، پھر اس حالت میں صبر کرنے والوں کے لئے بڑے اجر و ثواب اور درجات کی بلندی کی خوشخبری ہے،(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف، بھوک، مال اور پھلوں کی کمی کے ذریعے اور تمہاری جانوں کے بارے میں، صبر کرنے والوں کے لئے خوشخبری سنا دیجئے جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں، بیشک ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"

بیماری و مصیبت ہمیشہ عذاب اور قہر الٰہی کی صورت میں نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو بندۂ مومن کے لئے راحت اور نعمت بھی ہے کیونکہ مومن کو معمولی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں، چنانچہ صحیح بخاری میں سیدنا ابوہریرہؓ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اسے مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے" (۳) جس سے نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں بلکہ تکلیف و مصیبت کی سختی اس کے قلب و دماغ کو صاف کر کے خیر و بھلائی کے حصول کے لئے تیار کر دیتی ہے، اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے چند اور ارشادات یہ ہیں، متفق علیہ روایت ہے، سیدنا ابوہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ راوی ہیں جب کوئی رنج دکھ، فکر و غم اور تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے،(۴) سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ روایت

---

(۱) ترمذی عن بلال بن ابی بردۃ تفسیر سورۃ الشوری ابواب التفسیر

(۲) بقرہ-۱۵۶،۱۵۵ (۳) بخاری کتاب المرضی، باب ماجاء فی کفارۃ المرض، مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من مرض کتاب البر

(۴) بخاری عن عائشہ باب ماجاء فی کفارۃ المرض کتاب المرض

کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ کو بخار تھا، میں نے آپ ﷺ کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیر کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو بہت سخت بخار آتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مجھے تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار چڑھتا ہے، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ آپ کو دوگنا ثواب ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اور پھر فرمایا جس مسلمان کو بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے گناہ اسی طرح دور کر دیتا ہے، جیسے درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے(۱)، اسی لئے بیماری کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کی گئی ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے کہ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ ام سائبؓ کے پاس تشریف لائے (جو بیمار تھیں) اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا، "یہ تمہیں کیا ہوا جو کانپ رہی ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ "بخار ہے، اللہ اس میں برکت نہ دے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بخار کو برا مت کہو کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے،(۲) عیادت کے موقع پر جو دعاء سکھلائی گئی اس سے بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے، ارشاد ہے جب کوئی بیمار کی عیادت کے لئے جائے تو یہ دعا پڑھے اور بیماری کو اس طرح تسلی دے "لابأس طهور ان شاء الله" کوئی حرج نہیں انشاء اللہ یہ بیماری طہور (یعنی گناہوں سے پاک صاف کرنے والی) ہوگی(۳) سنن ترمذی میں سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "عورت کی جان اس کے مال اور اس کی اولاد کو ہمیشہ مصیبت وبلا پہنچتی رہتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات کرتا ہے تو اس پر (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہوتا، (۴) (کیونکہ مصیبت وبلا کی وجہ سے اس کے تمام گناہ

---

(۱) بخاری عن عائشه ، باب ماجاء فی کفارة المرض ،کتاب المرضی

(۲) مسلم کتاب البر باب ثواب المومن فیما یصیبه من مرض

(۳) بخاری عن ابن عباس باب عیادة المریض

(۴) ترمذی ، باب ماجاء فی ثواب المرض

بخش دیئے جاتے ہیں) اسی طرح سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ، بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جنت میں جو عظیم درجہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے عمل کے ذریعے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا اس کے مال یا اس کی اولاد کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور پھر اسے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر تھا، (۱) ترمذی ابن ماجہ، اور دارمی کی ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ تکلیف و مصیبت میں انبیاء کرام مبتلا ہوتے ہیں، پھر وہ جو دینی مرتبہ کے لحاظ سے اس کے قریب ہوں، (۲) نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی تکالیف و شدائد اسی طرح موت کے وقت نزع اور سکرات کی شدت کی تفصیل کتب احادیث میں مذکور ہے، ترمذی و نسائی کی روایت ہے ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں کہ " جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کی موت کی سختی کو دیکھا ہے کسی کے لئے موت کی آسانی کی تمنا نہیں کرتی (۳) یعنی پہلے تو میں موت کی آسانی کی آرزو مند رہا کرتی تھی، مگر جب میں نے آپ ﷺ کی موت کی سختی دیکھی وہ آرزو باقی نہ رہی، بلکہ اب میں نے یہ سمجھ لیا کہ اخروی سعادت و بھلائی موت کی سختی میں ہے، موت کی آسانی میں نہیں۔

قرض ادا نہ کرنا

سوال: ایک شخص کسی کا قرض دار ہے، دو تین سال تک مقروض یہ وعدہ کرتا آرہا ہے کہ میں فلاں کام ہوتے ہی آپ کا مکمل قرض ادا کر دونگا اور قرض دار کو بھی امید ہے کہ یہ شخص زبان کا پابند ہے اپنا قرض ادا کر دیگا، لیکن ایک عرصہ بعد قرض کا مطالبہ اور تقاضہ بڑھتا گیا تو مقروض یہ کہہ رہا ہے کہ اسلام اور شریعت کے لحاظ سے مجھے آپ کا قرض دینا

---

۱) ابن ماجه عن ابن عمر باب الصبر على البلاء ابواب الفتن

۲) ابن ماجه ، باب الصبر على البلاء ، كتاب الفتن عن سعد بن ابى وقاص

۳) ترمذی عن عائشه ، باب ماجاء في التشديد عند الموت ابواب الجنائز

نہیں ہے؟ چند سال وعدے پر وعدہ کر کے کیا اس طرح کا جواب درست ہے؟

جواب: قرض لے کر انکار کرنا گویا بندہ کا حق غصب کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں،(۱) ارشاد باری ہے کہ اے ایمان والو! آپس میں ناجائز اور باطل طریقے پر کسی کا مال نہ کھاؤ، اگر کوئی اس دنیا میں کسی بندے کا مال غصب کرلے اور مرنے سے قبل اسے ادا نہ کرے یا صاحب حق سے معاف نہ کرالے تو اس کا انجام آخرت میں بہت برا ہوگا، اور وہاں صاحب حق کو نیکیوں کے شکل میں اس کا بدلہ دینا ہوگا، ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا "مفلس کون ہے؟" جواب دیا گیا کہ ہم مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو اور وہ محتاج ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اس کے نامۂ اعمال میں خوب نیکیاں ہوں گی، اس نے دنیاوی زندگی میں خوب نمازیں پڑھی ہونگی، روزے رکھے ہونگے اور صدقہ خیرات بھی کیا ہوگا، لیکن اس کے ساتھ خیانت کی ہوگی اور کسی کی غیبت وغیرہ، چنانچہ اس شخص کی نیکیاں تمام حقداروں کو دیکر ان کے حقوق پورے کیے جائیں گے، پھر بھی مطالبات باقی رہ جائیں گے تو حقداروں کے گناہ اس شخص پر لادیے جائیں گے جس نے دنیا میں بندوں کے ساتھ حق تلفی کی ہوگی اور پھر وہ جہنم میں داخل کر دیا جائیگا(۱) (اللّٰهم احفظنا منه) اسی طرح ایک صحیح حدیث میں رسول کریم ﷺ نے وعدہ خلافی کو منافق کی نشانی اور خصلت قرار دیا ہے، چاہے وہ شخص نماز روزے کا پابند ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے۔(۲)

اختلاف ونزاع سے بچنے کے لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ قرض اور لین دین وغیرہ کے معاملات کو لکھ لیا جائے اور اس پر کسی دو آدمیوں کو گواہ بنالیا جائے جیسا کہ سورۃ البقرۃ-۲۸۲ میں ارشاد باری ہے، اگر اس حکم ربانی پر عمل کیا جائے تو بہت سارے

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱

(۲) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۰۹،۱۰۸،۱۰۷

اختلافات سے بچا جا سکتا ہے۔

معبودانِ باطلہ کو برا کہنا

سوال: غیر مسلم بتوں کو سجدہ کرتے ہیں اور انہیں بھگوان کہہ کر پکارتے ہیں، ہمارے کچھ دوست بھگوان کا نام لیکر گالی دیتے ہیں اور کچھ منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کو بھگوان کہتے ہیں اس لئے انہیں گالی دینا گناہ ہے، کیا یہ بات درست ہے، قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ (سر تاج ملک-طائف)

جواب: غیر مسلم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کو بڑا بھلا کہنے کی قران پاک میں صراحتاً ممانعت مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے اور" جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرتے ہیں تم انہیں برانہ کہو ورنہ جہالت میں وہ لوگ (کافر) بھی اللہ کو برا کہیں گے" (الانعام ۱۰۸) حکمت و مصلحت کے ساتھ اچھے انداز و اسلوب میں کفر و شرک کی مذمت و برائی بیان کرنا اور غیر مسلموں کو توحید کی دعوت دینا اور دین حق کی طرف بلانا یہ الگ چیز ہے اور ہمارا فریضہ ہے، لیکن اس ضمن میں غیر مسلوں کے معبودوں کو گالی دینے اور انہیں برا کہنے کی شریعت نے بالکل اجازت نہیں دی کیونکہ ان کی تحقیر و توہین سے غیر مسلموں میں اشتعال پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ بھی جہالت و نادانی کیوجہ سے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کو برا کہہ سکتے ہیں، ایسی صورت میں چونکہ ہم ہی سبب بنیں گے اس لئے یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم خود اللہ تعالیٰ کو برا کہیں اور ظاہر ہے یہ بہت بڑے گناہ کی بات ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم کسی کے ماں باپ کو گالی مت دو کہ اس طرح تم خود اپنے والدین کے لئے گالی کا سبب بن جاؤ گے۔

یہ حکم اصل میں سد ذریعہ کے اصول پر مبنی ہے اگر ایک مباح کام بڑی خرابی کا سبب بنتا ہو تو وہ مباح کام حرام ہو جاتا ہے، غیر اللہ کو بر بھلا کہنا ایک امر مباح ہے لیکن یہ معبود بر حق کی شان میں گستاخی کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے یہ حرام اور ناجائز ہے۔(۱)

---

۱) ملاحظہ ہو: قرطبی ۶۱/۷

مستقبل کی پیش گوئی

سوال: بعض لوگ سیلاب، زلزلہ یا کسی انسان کی قسمت اور حکومتوں کی تبدیلیوں کے بارے میں پیش گوئی کرتے ہیں اس کی اسلام میں کیا حیثیت ہے؟

(طارق شریف - جدہ)

جواب: غیب کا یقینی علم تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، جو لوگ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتے ہیں اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، وہ صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی، جیسا کہ بعض ماہرین اور سائنسداں خفیہ اسباب کو دیکھ کر سیلاب و زلزلہ وغیرہ کی پیش گوئی کرتے ہیں، عام آدمی کے لئے یہ قبل از وقت پیش قیاسی ہے، لیکن جاننے والوں کے لئے یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک عام آدمی بادل دیکھ کر یہ کہے کہ آج بارش ہوگی، پھر کبھی اس شخص کا اندازہ غلط ہوتا ہے اور بادل کے باجود بارش نہیں ہوتی، اسی طرح کبھی ماہرین کے اندازے اور پیش قیاسیاں بھی غلط ثابت ہوتی ہے، لہٰذا اعتقاد کے درجہ میں ان باتوں پر یقین رکھنا درست نہیں، البتہ احادیث صحیحہ میں کاہن و نجوی کے پاس جانے، ان سے غیب کے حالات پوچھنے اور اس پر یقین رکھنے کو کفر و شرک سے تعبیر کیا گیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ جو کسی کاہن کے پاس آئے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو پر ایسے شخص کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی، لہٰذا شرعاً کاہن اور نجومیوں کے پاس جانا، غیب کے حالات اور اپنی قسمت وغیرہ کے بارے میں سوال کرنا اور ان کی بتائی ہوئی انکل باتوں پر یقین رکھنا کسی طرح درست نہیں بلکہ یہ عقیدہ و ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔

بچوں کی ضد اور شرارت کا علاج

سوال: میرا لڑکا عمر ۱۲ ر سال کا بے حد ضدی شرارتی ہے پڑھائی سے جی چراتا ہے، ہر وقت کھیل اور ٹی وی کا شوقین ہے، بڑوں سے خاص کر والدین بالکل نہیں ڈرتا، کیا کوئی ایسی دعا یا عمل ہے جس سے اس کے کردار اور ذہن کو بدلا جا سکے؟

(پرویز احمد - دمام)

جواب : اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض بچوں کی طبیعت و فطرت میں شرارت و ضد کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، لیکن والدین کی صحیح اسلامی تربیت اس کمزوری کو ختم کر کے بچے کی شخصیت میں اچھے اوصاف پیدا کر سکتی ہے، گھر کا ماحول اور خود گھر بچے کا پہلا مدرسہ ہے، اگر اس درسگاہ کا ماحول ٹھیک ہو تو اس اچھا اثر بچہ فوراً قبول کر لیتا ہے، اور بچے کی صحیح نشو و نما ہوتی رہتی ہے، آپ اپنے بچے کو اچھی کتابیں اور اچھا ماحول میسر کریں اور نرمی و محبت سے سمجھاتے رہیں، انشاء اللہ بہت جلد بچے کی طبیعت میں تبدیلی پیدا ہو گی۔

تعبیر خواب پر بہتر کتاب

سوال : خواب کی تعبیر کے موضوع پر سب سے اچھی کتاب کونسی ہے اور کسی کی لکھی ہوئی ہے؟ (ذبیر نذیر۔ابھاء)

جواب : خوابوں کی تعبیر کسی صالح صاحب علم و عمل شخص سے دریافت کر لیا کریں اس موضوع پر کئی کتابیں بازار میں موجود ہیں آپ کسی بھی عالم دین سے پوچھ کر کوئی کتاب خرید سکتے ہیں، اس سلسلے میں امام ابن سیرین کی کتاب تعبیر الرویا، اور اس کا ترجمہ جو مولانا ابوالقاسم دلاوریؒ نے کیا ہے، اچھی ہے۔

اسلامی صفحات کا احترام

سوال : ہر جمعہ آپ کے اخبار میں اسلامی صفحہ پر دین کی باتیں ہوتی ہیں جس میں اللہ اور رسول ﷺ کا نام بھی ہوتا ہے اور آیاتِ قرآنی و احادیث رسول ﷺ کا ترجمہ بھی میں اسے بڑے شوق سے پڑھتا ہوں میں ان صفحات کو کہاں رکھوں ڈرتا ہوں کہ بے ادبی نہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ (جان محمد خان۔ خمیس مشیط)

جواب : قرآن و حدیث کا ادب و احترام ہر مسلمان پر ضروری ہے، اسی طرح وہ مضامین یا صفحات جو دین سے متعلق ہوں اور جن میں آیات و احادیث یا ان کا ترجمہ اور

اللہ و رسول کے اسمائے مبارکہ ہوں ان کا احترام بھی ضرور کیا جانا چاہئے، اور انہیں بے ادبی و بے حرمتی سے بچانا چاہئے، آپ ان صفحات کو پڑھنے کے بعد یا تو محفوظ رکھیں کہ آئندہ بھی اس سے استفادہ بوقت ضرورت کیا جاسکے، یا ضائع کرنا ہو تو اس کا خیال رہے کہ اس کی بے ادبی نہ ہو مثلاً عام کچرے کے ڈبوں میں نہ ڈالیں بلکہ یہاں سعودی عرب میں اکثر مساجد کے سامنے اوقاف کی طرف سے اخبارات و جرائد و بوسیدہ دینی کتب وغیرہ کے لئے مخصوص ڈبے رکھے ہوتے ہیں اس میں اس طرح کے دینی اوراق ڈال دیں۔

الخ کے معنی؟

سوال: الخ کے معنی کیا ہیں؟ کئی جگہ قرآن کریم میں آیت کے قریب الخ لکھا ہوتا ہے، اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(عبد الرشید عباس۔ریاض)

جواب: قرآن کے رموز اوقاف میں تو ہمیں یہ علامت (الخ) نظر نہیں آتی، اگر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے وقف کی کسی علامت کے بارے میں (یعنی کہاں رکنا چاہئے اور کہاں رکنا درست نہیں) آپ کا سوال ہے تو پھر آپ نے قرآن میں کوئی اور علامت دیکھی ہوگی نہ کہ الخ، بہر حال دینی کتب میں یا مضامین میں کسی قرآنی آیت یا مشہور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے بسا اوقات مکمل آیت یا حدیث لکھنے کے بجائے ابتدائی حصہ لکھ کر "الخ" لکھ دیا جاتا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے "الی اخر الآیۃ یا الی اخر الحدیث" یعنی مکمل آیت یا مکمل حدیث تک۔

استغفار کی کثرت

سوال: میں جب ہندوستان میں تھا تو ہر برے کام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی نماز بھی پڑھتا اور رمضان کے پورے روزے رکھتا تھا، یہاں جب سے آیا ہوں الحمد اللہ نماز پڑھنے لگا ہوں برائیاں بھی ترک کردی ہیں مگر کبھی باوجود

کوشش کے کوئی غلطی یا برائی ہو جاتی ہے، میں کیا کروں؟ میری رہنمائی فرمائیں۔ (بلال احمد - الجبل)

جواب: اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے یہاں کے دینی واصلاحی ماحول میں آپ کو نمازوں کا پابند بنادیا اور نیکیوں سے رغبت اور گناہوں سے نفرت آپ کے دل میں ڈال دی، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے، اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو مزید انعامات سے نوازتا ہے، جیسا کہ سورہ ابراہیم میں ارشاد باری ہے، جہاں تک کوشش کے باوجود گناہوں یا غلطی کے سرزد ہو جانے کا تعلق ہے تو اس سے انبیاء اور فرشتے ہی مستثنیٰ ہیں، اللہ کے نبی معصوم ہوتے ہیں، ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا اور ملائکہ کی فطرت میں گناہ وسرکشی کا عنصر ہی نہیں رکھا گیا، ہر انسان سے غلطی وگناہ ہو سکتا ہے کامیاب انسان وہ ہے جو اپنی غلطیوں پر نادم ہو، شرمندہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا رہے، ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر بنی آدم خطاکار ہے اور بہترین خطاکار توبہ کرنے والے ہیں، (۱) سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور جو کوئی برا کام کرے یا اپنے آپ پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ کو وہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا اور مہربان پائے گا" (۲) ایک اور روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، "وہ شخص خوش قسمت ہے جس کے نامۂ اعمال میں استغفار کی کثرت ہو، (۳) خود رسول کریم ﷺ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ دن میں ستر (۷۰) دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے تھے۔ (۴)

استغفار کی فضیلت اور اس کی کثرت رکھنے کے بارے میں آیات واحادیث بے شمار ہیں، اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہوں گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور کبھی بشری تقاضا سے کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور کثرت سے توبہ استغفار کرتے رہیں۔

---

(۱) ابن ماجه عن انس، باب ذكر التوبة كتاب الزهد (۲) سوره نساء: ۱۱۰

(۳) ابن ماجه عن عبد الله بن يسر، باب الاستغفار ابواب الادب

(۴) بخاری عن ابی هریره، باب استغفار النبی صلی اللہ علیه وسلم فی الیوم واللیلة، کتاب الدعوات

شیطانی خیالات اور وسوسے

سوال: میں جب سے اپنے ملک میں تھا تو وہ تمام رسمیں انجام دیتا تھا، جو دین کے نام پر وہاں ہوتی ہیں یہاں آکر معلوم ہوا کہ وہ سب کی سب ناجائز اور بدعات ہیں، عقائد اور دوسرے رسم و رواج اور آئے دن کے دوسرے امور کی وجہ سے اکثر تشویش میں مبتلا رہتا ہوں نماز پڑھتا ہوں تو دل میں عجیب و غریب خیالات آتے ہیں۔ آپ کی رہنمائی درکار ہے۔ (ایم۔ اے خان۔ مدینہ منورہ)

جواب: ہر وہ شخص جو صراط مستقیم اور ہدایت کا خلوصِ دل سے طالب ہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا بھی کرتا رہے، ایسے شخص کو اللہ کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑتا اور ایک نہ ایک دن ضرور اسے ہدایت ملتی ہے، آپ خود سمجھدار اور پڑھے لکھے ہیں، دعاء کے ساتھ ساتھ خود بھی غور و فکر کیجئے کہ کونسی بات صحیح ہے اور کونسا عمل غلط ہے۔

غیبت اور بہتان

سوال: غیبت اور بہتان کیا ہے؟ کیا یہ ایک ہی برائی کے دو نام ہیں یا اس میں کوئی فرق ہے اور اس کا کیا گناہ ہے؟ (اسلام اللہ راجہ۔ طائف)

جواب: اپنے کسی بھائی کا ذکر دوسروں کے سامنے اس طرح کرنا کہ وہ اس کو برا محسوس کرے یعنی پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت ہے، بشرطیکہ وہ برائی اس شخص میں موجود ہو، اور اگر یہ برائی اس میں موجود نہیں بلکہ غلط طور پر اس کی طرف منسوب کی جائے تو یہ بہتان ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہتان غیبت سے بڑا گناہ ہے اور غیبت کرنے والے کو قرآن و حدیث میں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے، بہر حال یہ دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں، ان سے بچنا چاہئے، ورنہ صاحب حق معاف نہ کرے تو قیامت کے دن نیکیوں کے ذریعے اس کو حق دلایا جائے گا، اس طرح غیبت و بہتان کرنے اور بندوں کی حق تلفی کرنے والا قیامت کے دن نیکیوں کے سرمایہ سے محروم ہو جائے گا۔

برے خوابوں سے کیسے بچا جائے؟

سوال: مجھے اکثر رات برے خواب نظر آتے ہیں بالخصوص حرمت والے رشتوں کے ساتھ غلط حرکت والے خواب بھی، جس سے احتلام بھی ہو جاتا ہے اور طبیعت پریشان رہتی ہے، اس سلسلے میں کوئی دعا یا وظیفہ بتلائیں جسے میں رات پڑھ کر سو جایا کروں اور اس مشکل سے نجات پاؤں۔ (اسد قادری۔ریاض)

جواب: خوابوں کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک اچھے خواب جنہیں رؤیاء صالحہ کہا جاتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، دوسرے برے اور ڈراؤنے خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، تیسرے وہ جو انسان کے اپنے دل و دماغ کی سوچ اور دن بھر کے خیالات و تفکرات وغیرہ کی وجہ سے ہوتے ہیں، کوئی بھی خواب دیکھ کر ہمیں کیا کرنا چاہئے اس بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوکے اور تین بار تعوذ پڑھے پھر کروٹ تبدیل کر کے سو جائے،(۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اسے دوسرے کے سامنے بیان بھی کرے اور اگر کوئی برا خواب دیکھے تو تعوذ پڑھے اور اس برے خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے،(۲) اپنا خواب خواہ وہ اچھا ہو کہ برا، ہر کسی کے سامنے بیان نہ کیا جائے بلکہ کسی عالم باعمل اور صالح متقی شخص کے سامنے بیان کر کے خواب کی تعبیر پوچھی جائے، خوابوں کی تعبیر بتانا ایک مستقل علم اور خاص فن ہے، خوابوں کی تعبیر بتانے والا اگر اس علم و فن سے واقف نہیں تو اسے کسی کے خواب کی تعبیر بتانے سے گریز کرنا چاہے۔

جو لوگ برے اور ڈراؤنے خوابوں یا الٹے سیدھے خوابوں کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں انشاءاللہ تھوڑے ہی دنوں

---

(۱) م عز ابی قتادہ کتاب الرؤیا

) بخاری عن ابی سعید الخدری، باب الرؤیا من اللہ کتاب التعبیر

میں اس قسم کے خواب آنا بند ہو جائیں گے۔ (۱) پاک بستر پر سوئیں (۲) باوضو سوئیں (۳) سونے سے قبل سورہ الفاتحہ آیۃ الکرسی، سورۃ البقرہ کی آخری تین آیات اور سورۃ الکافرون، سورہ الاخلاص اور قرآن مجید کی آخری دو سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے پورے جسم پر پھیر لیں، سونے سے قبل سوتے وقت کی دعا پڑھ کر سوئیں اور ساتھ ہی یہ دعا بھی پڑلیا کریں:

اللّٰھم انی اعوذ بك من شیالاحلام واسحبك من تلاعب الشیطان فی التفطة المنام ، اللّٰھم انی اسلك رویاصاعة نافعة حافظة غیر منشینة ، اللھم ارنی فی منامی ماحب

ترجمہ: اے اللہ! میں برے خوابوں سے، نینداور بیداری میں شیطان کے کھیلنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ! مجھ کو خواب میں وہ دکھا جو میں پسند کرتا ہو(۱)

گھروں میں مجسمے

سوال: ایسے مجسموں کا کیا حکم ہے جو گھروں میں محض زینت کے لئے رکھے جاتے ہیں، جبکہ ان کی عبادت نہیں ہوتی؟ (راحیلہ فیروز۔ جدہ)

جواب: ذی روح جاندار کے مجسمے چاہے ان کی عبادت کی جاتی ہو یا نہیں ان کو بنانا اور گھر میں رکھنا جائز نہیں البتہ غیر ذی روح کے مجسمے و تصاویر زینت کے لئے رکھے جاسکتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے اندر کیا ہے؟

سوال: کئی لوگوں سے سنا کہ خانہ کعبہ کے اندر رسی اور چھڑی رکھی ہوئی ہے لیکن اس بار چھٹی پر وطن گیا تو ایک بزرگ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ خانہ کعبہ کے اندر آدم علیہ السلام کی قبر ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: خانہ کعبہ کے اندر نہ آدم علیہ السلام کی قبر ہے اور نہ ہی کوئی دوسری چیز ہے، یہ اندر سے بالکل خالی ہے اور ایک عام چوکور کمرے کی طرح ہے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۲/۵۲۵، ط پاکستان

خودکشی کرنیوالے کا انجام

سوال: جو خودکشی کی کوشش کرے، آخرت میں اس کا کیا انجام ہوگا، اور اس جرم کی سزا اس شخص کو کیا ملے گی؟ اسی طرح جو عورت بار بار سمجھانے کے باوجود بھی خودکشی کی کوشش کرتی ہو، کیا ایسی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا جائز ہے؟ (اقبال احمد۔ الخراج)

جواب: خودکشی اسلام میں حرام ہے، کسی صورت میں جائز نہیں، یہاں تک کہ کسی بیماری یا تکلیف و مصیبت سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنے یا موت کی دعا کرنے سے بھی روکا گیا ہے، تو خودکشی کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ترمذی کی ایک روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، "تم میں کوئی کسی تنگی یا مصیبت کے پہنچنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے، ہاں اگر تکلیف و مصیبت زیادہ ہو تو اس طرح دعا مانگنے کی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ "اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے لئے بہتر ہو تو مجھے موت دیدے(۱) انسان کے پاس اس کا نفس اللہ کی طرف سے گویا امانت ہے، اس کو خود ہلاک کرنا اور ضائع کرنا اس امانت الٰہی میں بدترین خیانت ہے، احادیث میں خودکشی کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، "جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کردے، قیامت کے دن اُسے اسی کے ذریعے عذاب دیا جائے گا(۲) اس کی مزید وضاحت ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جو صحیح بخاری ہی میں سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" جو شخص کسی پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کرلے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے آپ کو اسی طرح اونچائی سے گراتا رہے گا، اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کردے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس کا

---

(۱) ترمذی عن انس ، باب ماجاء فی النهی عن التمنی بالموت

(۲) بخاری ، باب ماجاء فی قاتل النفس ، کتاب الجنائز

گھونٹ پیتا رہے گا، اور جو کسی لوہے (ہتھیار) سے اپنے آپ کو قتل کرلے تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، جس کے ذریعہ جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ اپنے پیٹ کو چاک کرتا رہے گا(۱) خودکشی چونکہ گناہِ کبیرہ ہے، لہٰذا اس کی کوشش اور عزم وارادہ بھی گناہ ہی ہوگا، اگر کوئی مرد و عورت اس فعلِ قبیح پر آمادہ ہو تو اُسے حکمت و مصلحت کے ساتھ سمجھایا جائے اور حتی الامکان اس کو اس کام سے باز رکھنے کوشش کی جائے، اگر کسی شخص کی بیوی ایسا کام کرنا چاہے، تو شوہر کو چاہئے کہ اس اقدام پر آمادگی کے اصل اسباب کو تلاش کر کے اصلاح کی کوشش کرے، اگر اصلاح کی توقع نہ ہو اور میاں بیوی میں نباہ نہ ہو سکے، تو شرعی طریقے پر طلاق دیکر بیوی کو آزاد کردے۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

سوال : اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو گولی مار کر ہلاک کردے یا کسی بھی طرح خودکشی کرلے تو کیا ایسے مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ ہمارے علاقے میں خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں جب کہ میں نے سنا تھا کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اس سلسلے میں شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔

(عبدالقادر - دمام)

جواب : خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، لہٰذا ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، علامہ حصکفی در مختار میں رقمطراز ہیں :

من قتل نفسه لو عمداً يغسل و يصلى و به يفتى (۲)

جو آدمی خود کو عمداً قتل کرے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس کی نمام جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

البتہ چونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے، اور سخت ترین جرم ہے، اس لئے فقہاء نے محلّہ کے

---

(۱) بخاری ، عن ابی ہریرہ حوالۂ سابق (۲) در مختار مع الرد المحتار ۱/ ۸۱۵

ممتاز افراد اور علماء کرام کو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جب کسی مقروض شخص کا جنازہ لایا جاتا تو رسول کریم ﷺ خود اس کی نماز جنازہ پڑھاتے بلکہ دوسروں کو نماز پڑھانے اور پڑھ لینے کا حکم فرماتے تھے(۱)، تاکہ لوگ قرض کی ادائیگی کے بارے میں کوتاہی نہ کریں بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ خودکشی کرنے والے کا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے خود اس کی نماز نہیں پڑھی بلکہ دوسروں کو پڑھ لینے کا حکم فرمایا۔

قتل کا کفارہ

سوال : ایک عورت کا بچہ چھ ماہ کا ہے، اور ماں کے ساتھ سویا ہوا ہے، نیند کی حالت میں ماں نے بچے کو کچل دیا جس سے بچہ مر گیا، کیا اس صورت میں ماں کے ذمہ کچھ کفارہ ہو گا یا نہیں؟ (مجتبیٰ صدیقی - مکہ مکرمہ)

جواب : کسی انسانی جان کو ناحق قتل کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ شریعت نے اس کی سزا قصاصاً قاتل کو بھی قتل کرنا قرار دیا ہے، ہاں اگر مقتول کے ورثاء یا وارثین میں سے کوئی ایک قصاص کو معاف کر دے اور دیت لینے پر راضی ہو جائے تو اور بات ہے (نساء-۹۲) اسی طرح حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہے اور تقریباً ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ماں باپ اگر بیٹے کو قتل کر دیں تو قصاصاً انھیں قتل نہیں کیا جائے گا، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں :

لایقاد الوالد بالولد .

لڑکے کے قتل کی وجہ سے والد کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔(۲)

البتہ دیت واجب ہو گی، (۳) یہ حکم اس وقت ہے جب کہ قاتل نے کسی کو

---

(۱) ترمذی عن ابی قتادہ ، باب ماجاء فی المدیون کتاب الجنائز

(۲) ترمذی عن عمر ، باب ماجاء فی الرجل یقتل ابنہ یقادمنہ ام لا ، کتاب الدیات

(۳) هدایہ ۴/ ۵۹۷

بارادہ قتل عمد اُدھاری دار چیز سے قتل کر دیا ہو، فقہاء نے قتل کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں (۱) قتل عمد، (۲) قتل شبہ عمد، (۳) قتل خطاء (۴) قتل شبہ خطا اور، (۵) قتل بالسبب۔ قصاص صرف قتل عمد میں ہے، بقیہ صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے، البتہ بعض صورتوں میں دیت خود قاتل پر واجب ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں قاتل کی برادری کے لوگوں پر، نیز دیت میں بھی کچھ تفصیل ہے، قتل خطا اور شبہ خطا میں قاتل پر کفارہ بھی لازم آتا ہے، اور وہ یہ کہ ایک مومن غلام آزاد کیا جائے اور غلام نہ ہونے کی صورت میں تسلسل کے ساتھ دو ماہ کے روزے رکھے جائیں جس کا ذکر سورہ نساء میں موجود ہے (۱) قصاص اور دیگر حدود شرعی کے نفاذ کے لئے تو اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے کہ حاکم وقت ہی یہ سزائیں نافذ کر سکتا ہے، اسی طرح دیت کی وصولی بھی اسلامی حکومت کے بغیر ممکن نہیں البتہ کفارہ خود قاتل کی ذات سے وابستہ ہے، لہٰذا توبہ و استغفار کے ساتھ دو ماہ لگاتار روزے رکھنے چاہئیں، سوال میں مذکور صورت "قتل شبہ خطاء" کی ہے، ماں کو چاہئے کہ اپنی غلطی و کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور دو ماہ (۶۰ دن) لگاتار روزے رکھے۔

غیر اللہ کے لئے نذر جائز نہیں

سوال : ہمارے ملک میں لوگ درگاہوں پر جا کر اولاد کے لئے، نوکری و ملازمت کے لئے یا کسی اور کام کے لئے منت مانتے ہیں کیا یہ صحیح ہے، یا غلط؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(سلیم شیخ۔الباحہ)

جواب : نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، اس لئے غیر اللہ کی نذر، یا اولیاء اللہ کے مزارات پر منتیں ماننا، چڑھاوے چڑھانا، غیر اللہ کی عبادت ہے، اور یہ بالاجماع حرام اور باطل ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :

---

(۱) ملاحظہ ہو: سورۂ نساء-۹۲

عبادت مر غیر خدارا جائز نیست، ونہ مدد خواستن از غیر خدا، پس نذر کردن برائے اولیاء جائز نیست کہ نذر عبادت است۔ (۱)

نہ غیر اللہ کی عبادت جائز ہے اور نہ ہی غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے، پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے،

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ردالمحتار میں ہے:

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایوخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیهم فهو بالاجماع باطل وحرام ، مالم یقصد واصرفها لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلك ، لاسیما فی هذه الاعصار . (۲)

جاننا چاہئے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے اور اولیاء اکرم کی قبروں پر روپے پیسے، شمع، تیل وغیرہ جو ان کے تقرب کی خاطر لائے جاتے ہیں، وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے، اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں۔

لہٰذا غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز بالکل جائز نہیں، بلکہ ایک شرکیہ عمل ہے، روزی، ملازمت، نوکری وغیرہ کے لئے اللہ کی طرف ہی رجوع ہونا چاہئے کہ وہی مسبب الاسباب ہے، اور اس طرح کے شرکیہ عمل سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کیا یہ نذر جائز ہے؟

سوال: لوگ منت مانتے ہیں کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں مسجد میں

---

(۱) ارشاد الطالبین، ص: ۱۸۔ (۲) رد المحتار، قبیل باب الاعتکاف

پنکھے لگواؤں گا یا گھڑی خرید کر رکھوں گا، وغیرہ کیا یہ درست ہے۔؟

جواب: اگر اس طرح کی منت اللہ تعالیٰ سے مانی جائے تو یہ جائز ہے، اور درست ہے، اور اگر وہ کام ہو جائے تو اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔

کافر ہو جانے کی قسم

سوال: زید نے کسی گناہ کبیرہ کے بارے میں قسم کھائی کہ پھر اگر یہ گناہ کروں تو اسلام سے خارج ہو جاؤں، اس کے باوجود مذکورہ فعل کا ایک مدت تک برابر ارتکاب کرتا رہا، اب وہ شرمندہ ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح قسم کھانے سے قسم توڑنے کے بعد آدمی کافر ہو جاتا ہے؟ زید شادی شدہ اور عیال دار بھی ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (قدوس احمد - حفر الباطن)

جواب: اس طرح کی قسم کھانا سخت گناہ ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے معافی مانگنی چاہئیے، البتہ قسم توڑ دینے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا، اور نہ ہی اسلام سے خارج ہوتا ہے، صرف قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا چاہئیے۔

نزول آدم

سوال: آدم علیہ السلام دنیا میں کس جگہ اتارے گئے؟ نیز اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا دمام تشریف لائے تھے۔؟ (ذکی انور - دمام)

جواب: اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں قصہ تخلیق آدم کا ذکر کرتے ہوئے اس بارے میں چند روایات و اقوال ذکر کئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان اتارے گئے، ایک روایت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام ہندوستان میں اور بی بی حواء جدہ میں اتاری گئیں، نیز ایک روایت میں آدم علیہ السلام کے صفا اور بی بی حواء کے مروہ پر اتارے جانے کا ذکر ہے،

بہر حال قرآن و حدیث سے اتنی بات تو یقینی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ آدم و حواء جنت سے نکال کر دنیا میں بھیجے گئے، اب رہا یہ سوال کہ وہ سب سے پہلے کس خطہ ارض میں اتارے گئے، ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب جاننے میں نہ تو آپ کا کوئی دینی و دنیاوی فائدہ ہے، اور نہ ہی اس پر کسی عقیدہ و عمل کی بنیاد ہے، کہ اس کی تحقیق میں آدمی اپنا قیمتی وقت صرف کرے، بے مقصد سوال کرنے سے قرآن و حدیث میں ممانعت آئی ہے، آپ کا دوسرا سوال بھی اسی نوعیت کا ہے تاہم کتب سیرت میں اس سلسلے میں کوئی صراحت یا روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔

نبیوں کی تعداد

سوال: میں نے سنا اور کہیں پڑھا بھی ہے کہ قرآن پاک میں صرف ۲۶ نبیوں کا ذکر ہے جب کہ یہ بات مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں بھیجے، اس سلسلے میں وضاحت درکار ہے امید کہ رہنمائی فرمائیں گے۔ (محمد اکرم محمد قاسم۔ جدہ)

جواب: ارشاد باری ہے کہ "ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور ان میں بعض وہ ہیں جن کے بارے میں ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو باخبر نہیں کیا، (غافر-۷۸) اس آیت پاک سے اور بعض دوسری نصوص سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی و رسول اس دنیا میں مبعوث ہوئے ان سب کے نام یا ان کے بارے میں کوئی واقعہ یا تفصیل سے ہمیں باخبر نہیں کیا گیا، ہم صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ اجمالی طور پر سارے انبیاء پر ایمان لائیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی و رسول بھیجے وہ سب برحق تھے، جہاں تک تعداد کا تعلق ہے تو یہ بات مشہور ہے کہ کل انبیاء و رسل کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، اس کی تائید مسند احمد کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جبکہ ایک دوسری روایت میں اس کے خلاف تعداد بھی

... ہے، اس لئے یہ کوئی قطعی ویقینی بات نہیں۔

تاریخ ولادت نبوی

سوال : ایک جگہ یہ پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت ۹/ربیع الاول ہے جب کہ مشہور ۱۲/ربیع الاول ہے، اور اکثر کتابوں میں بھی یہی مذکور ہے، اور علماء سے یہی سننے میں بھی آتا ہے، اس سلسلے میں صحیح قول کیا ہے؟ (محمد سلیم۔ بلجرشی)

جواب : نبی کریم ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی، تاریخ کے سلسلے میں ۸ سے ۱۲ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں جن میں اگر چہ کہ زیادہ مشہور ۱۲ ربیع الاول ہے، لیکن مصر کے مشہور ہیئت داں محمد پاشا فلکی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا اور دلائل ریاضی سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹/ربیع الاول، م ۲۰/اپریل ۵۷۱ء ہے، محمد فلکی نے جو استدلال کیا ہے، وہ کئی صفحوں میں آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (رسول اللہ ﷺ کے چھوٹے صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا، اور ۱۰ھ تھا، اور اس وقت آپ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ کا گرہن ۷/جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ ﷺ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء جس میں از روئے قواعد ہئیت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲/اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

(۴) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸/سے لے کر ۱۲/تک میں منحصر ہے

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں پیر کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے، ان وجوہ کی بناء پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ر اپریل ۵۷۱ء تھی۔(۱)

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عمر

سوال: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عمر مختلف روایتوں کے مطابق کتنی ہے اور کم از کم عمر جو مستند ہے وہ کتنی ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔ (افتخار احمد ظریف۔الخبر)

جواب: سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۶ یا ۳۷ھ میں ہوا اور ایک روایت کے مطابق ان کا سن وفات ۳۳ھ ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو مصنف عبدالرزاق میں سیدنا انسؓ سے مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا سلمان فارسی کے انتقال کے وقت سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ان کے پاس حاضر ہوئے تھے، اور بالاتفاق عبداللہ بن مسعودؓ کا انتقال ۳۴ھ میں ہوا، جہاں تک سلمان فارسی کی عمر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یا ان کی وحی (حواری) کو بھی پایا اور ان کا زمانہ دیکھا، ان کی عمر کے سلسلے میں اسماء الرجال کی کتب میں ایک قول ملتا ہے کہ "اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ سلمان فارسی ۳۵۰ سال زندہ رہے، بہر حال ۲۵۰ سال میں تو اہلِ علم کو شک نہیں،(۲)" مشہور مؤرخ ابو عبداللہ الذہبی یہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمان فارسی کی عمر کے سلسلے میں مختلف اقوال پائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۲۵۰ سال سے زائد زندہ رہے، اختلاف اس سے زیادہ کے بارے میں ہے، لیکن پھر میں نے اس قول سے رجوع کیا اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ ان کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ نہ تھی" یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی لکھی ہے، کہ میں نے خود ابو عبداللہ ذہبی کی تحریر پڑھی

---

(۱) سیرت النبی ۱/۱۱۵، ط: الفیصل لاہور

(۲) اکمال فی سماء الرجال لصاحب المشکوۃ ص: ۵۸۵

کہ انھوں نے اپنے سابقہ قول سے رجوع کیا اور لکھا کہ سلمان فاری کی عمر ۸۰ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس سلسلے میں کوئی دلیل یا سند ذکر نہ کی (۱) واللہ اعلم۔

رمضان اور شیاطین

سوال: ہم نے کئی بار علماء سے سنا کہ رمضان المبارک کے شروع میں ہی شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ اس مبارک مہینے میں بھی گناہوں کو ترک نہیں کرتے، جب شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں تو لوگ گناہ کیوں اور کیسے کرتے ہیں؟

جواب: کئی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس مہینہ میں بڑے بڑے شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں اور انھیں پھر اس پورے مہینے میں کھولا نہیں جاتا، لیکن کچھ لوگ اس کے باوجود گناہ کرتے ہیں، اس کی کئی وجوہات ہیں، علماء نے اس کی بڑی دو وجہیں بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ احادیث میں بڑے بڑے اور سرکش شیاطین کے باندھ دیئے جانے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ شیاطین ایسے بھی ہیں جو اس مبارک مہینے میں بھی ابن آدم کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کے درپے رہتے ہیں، دوسرے وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سال بھر یا اس سے بھی زیادہ طویل مدت گناہوں کی کثرت کی وجہ سے گناہوں کے عادی ہو جاتے ہیں، حتی کہ ان کا نفس، نفس امارہ بن جاتا ہے، جو صرف برائی پر انسان کو آمادہ کرتا ہے جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ابن آدم سے جب کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے، اور اس طرح گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے (۲) دل جب سیاہ ہو جاتا ہے اور اس پر مہر لگ جائے تو پھر ہدایت وحق کی طرف کسی بھی قسم کی رغبت ومیلان پیدا

---

(۱) تہذیب التہذیب ۳/۲۲۴

(۲) ابو داؤد عن عائشہ، باب صلوۃ الکسوف، کتاب الکسوف

نہیں ہوتا اور یہ انسان ہمیشہ ہمیشہ کی بدبختی وشقاوت کا شکار ہو جاتا ہے"، اللہ تعالیٰ سب کو اس بدترین صورتحال اور برے انجام سے محفوظ رکھے، آمین۔

آسمان پر آگ کے شعلے؟

سوال : ہم اپنے ملک میں اکثر رات کے وقت آسمان سے آگ کا شعلہ دیکھتے ہیں جو کہ اکثر قبرستان کی طرف گر جاتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی شہید ہے جس کی قبر پر یہ شعلہ گرا ہے، بعض شعلے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جبکہ بعض بہت بڑے، قرآن حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (نواب شیر آفریدی - نجران)

جواب : آسمان سے جو ستارے ٹوٹ کر گرتے ہیں اور ان سے روشنی آتی ہے، اس کے بارے میں فلاسفہ کا خیال ہے کہ زمین سے کچھ آتشین مادے فضا میں پہنچتے ہیں، وپر جا کر ان کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے، تو وہ سلگ اٹھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود کسی ستارہ اور سیارہ سے یہ آتشیں مادہ نکلتا ہو جدید سائنسی تحقیق یہ ہے کہ شہاب ثاقب انگنت ستاروں کے ہی چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی ینٹوں کے برابر اور یہ انگنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں، انھیں کا ایک مجموعہ "اسدیہ" کہلاتا ہے، جو سورج کے گرد ھلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک ورہ ۳۳ر سال میں پورا ہوتا ہے، ان ٹکروں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی جرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، یہ ٹکڑے ۱۰ر اگست اور ۲۷ر نومبر کی راتوں میں یادہ زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ر اپریل ۲۸ر نومبر، ۱۸ر اکتوبر اور ۶ر، ۹ر، ۱۳ر دسمبر ی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں،(۱) لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اصل بن آسمان میں پیش آتا ہے، ہے جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم آسمان میں جاری فرماتے ہیں

(..... (

تو تمام فرشتے بغرض اطاعت اپنا پر مارتے ہیں، اور جب کلام ختم ہو جاتا ہے تو باہ
تذکرہ کرتے ہیں، کہ تمہارے رب نے کیا حکم فرمایا، اس تذکرہ کو چند شیاطین چور
چھپے سن لیتے ہیں، اور بہت سارا جھوٹ ملا کر کاہنوں کو پتا بتادیا کرتے ہیں، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمانی وحی کی حفاظت کے لئے اس سلسلہ کو اس طرح
بند کردیا کہ جب کوئی شیطان خبریں سننے کے لئے اوپر آتا ہے تو اس کی طرف شہاب
ثاقب کا انگارہ پھینک کر رفع کردیا جاتا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحا
کے ایک مجمع میں تشریف فرماتھے کہ ستارہ ٹوٹا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا
زمانۂ جاہلیت میں اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کر
تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے والا یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا، آپ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خیال غلط ہے، اس کا کسی کے مرنے سے کوئی تعلق نہیں یہ شع
تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔(۱)

والدین اور اولاد کا حق

سوال: ایک صاحب نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ایک آدمی کی آمدنی اتنی ہے کہ اگر وہ ماں باپ کو دے تو بیوی بچوں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ والدین کو دینا چھوڑ دے اور بیوی بچوں کی ضرورت پوری کرے، یا کیا کرے؟ کیا واقعی شادی ہونے کے بعد والدین کا یا چھوٹے بہن بھائیوں کا کوئی حق نہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (سیدل خان -۔ کاکا)

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تم
رشتہ داروں اور حق داروں کے حقوق بیان کردیئے ہیں، اس بات پر سب کا اتفاق ہے
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ حق والدین کا ہے، پھر:

---

(۱) دیکھئے: تفسیر الجواہر للطنطاوی ۱۵/۸، اور معارف القرآن ۷/۴۲۳ تفسیر سورۃ صافا

بچوں کا حق ہے، ان حقوق کو اس طرح سے ادا کیا جائے کہ نہ والدین کے کہنے پر بیوی بچوں پر ظلم وزیادتی کر کے ان کے حقوق غصب کر لئے جائیں، اور نہ ہی بیوی بچوں کی باتیں سن کر والدین کے حقوق بھلا دیئے جائیں، بلکہ والدین کا حق والدین کو دیا جائے اور بیوی بچوں کا حق بیوی بچوں کو دیا جائے، اگر مالی حالت کمزور ہے یا تنخواہ کم ہے تو اس صورت میں والدین اور بیوی بچوں سب سے کہا جائے کہ وہ ان حالات میں صبر و شکر اور سادگی وقناعت سے گزر بسر کریں، ایک دوسرے کے لئے پریشانی کا سبب نہ بنیں۔

گرہن اور اسلامی نظریہ

سوال: چاند وسورج گرہن کے وقت کیا چاند سورج پر حملہ آور ہوتا ہے، اور کیا یہ وقت انسانوں کے لئے بہت خطرناک ہے؟ اسلام ہمیں اس سلسلے میں کیا رہنمائی کرتا ہے؟ (محمد سلیم الدین - حرجہ)

جواب: سورج گرہن کے بارے میں یہ تصور کہ یہ کوئی گرہ یا مصیبت ہے، اسلامی تصور سے میل نہیں کھاتا، اس سلسلہ میں اسلامی تصور صرف اتنا ہے کہ یہ آیۃ من آیات اللہ ہے، یعنی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کسی مخلوق کے مرنے جینے وغیرہ سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ ان کے ذریعے (یعنی سورج یا چاند گرہن کے ذریعے) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا (اور آزماتا) ہے، اس کے ساتھ ساتھ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسی حالت پاؤ تو فوراً نماز (صلاۃ کسوف وخوف) پڑھنے لگ جاؤ، (۱) بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ایسے موقعوں پر طویل نماز پڑھایا کرتے تھے، اور اس نماز میں قرأت اور رکوع وسجدہ بھی خوب طویل ہوتا تھا (۲) سورج گرہن یا چاند گرہن ہمارے لئے عبرت اور یاد دہانی ہے، اور ہمیں اس طرح تنبیہ کی جاتی ہے کہ کل جب قیامت قائم ہوگی تو چاند سورج اور پورا نظام عالم بدل

---

(۱) ابو داؤد عن جابر، باب من قال اربع رکعات، کتاب الکسوف

(۲) ابو داؤد عن جابر، باب من قال اربع رکعات، کتاب الکسوف

جائے گا، ہر چیز تہس نہس کردی جائے گی، فلکی وارضی نظام ختم ہو جائے گا، ایسے میں ہم کیا کریں گے، اور ہمارا کیا ہو گا؟ کیا ہم نے اس دن کی حاضری کے بارے میں سوچا ہے جو پچاس ہزار سال کے برابر کا دن ہو گا، جس دن سورج بے نور ہو جائے گا، ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے، سمندروں میں طغیانی و سرکشی پیدا ہو گی، اور حشر کے اس ہولناک دن ہر آدمی اپنے گناہوں کے لحاظ سے پسینے میں ڈوبا ہوا ہو گا؟ سورج گرہن یا چاند گرہن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ دن بہت جلد آجائے گا جسے تم قیامت کا دن کہتے ہو۔

والدین اگر ناراض ہوں

سوال: اگر کسی سے والدین ناراض ہوں اور وہ بھی صرف پیسوں کی وجہ سے کہ میرا بیٹا ہمیں پیسے نہیں دیتا حالانکہ اس کے اپنے چار، چھ بچے ہوں، بیوی ہو، خود اس کا اپنا گزارہ مشکل سے ہوتا ہو، مگر والدین اور بھائی صرف یہی سوچتے ہیں کہ اس کے پاس پیسے ہیں، مگر ہمیں نہیں دیتا، بار بار قسم بھی لیتے ہیں مگر یقین نہیں کرتے، الٹا بددعائیں دیتے ہیں، بیٹا ہر وقت کوشش کرتا ہے کہ ماں باپ راضی ہو جائیں مگر کامیابی نہیں ہوتی، ایسی حالت میں بیٹے کو کیا کرنا چاہئے؟ (محمد اسحاق - تبوک)

جواب: اولاد پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد سب سے زیادہ حق والدین کا ہے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا والدین کی رضامندی میں رکھی گئی ہے، اللہ سے ڈرنے والا کوئی بھی مسلمان کبھی بھی اپنے والدین کو ناراض نہیں کر سکتا، البتہ بعض اوقات بعض خاندانوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنی اولاد سے بغیر کسی وجہ کے بھی ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض سخت دل والدین اپنی اولاد سے محض اس وجہ سے ناراض رہتے ہیں کہ بیٹا ہر ماہ انھیں بینک ڈرافٹ نہیں کیوں بھیجتا؟ بہن بھائی اور والدین اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کس طرح سے اپنے اس بیٹے سے پیسے نکلوانے

جائیں؟ جب کہ دوسری طرف بیٹے کی حالت یہ ہے کہ اس کی مالی حالت اتنی اچھی نہیں کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے اخراجات کے علاوہ دوسرا کوئی خرچ برداشت کر سکے، ایسے بیٹے کو چاہئے کہ وہ محبت قائم کرنے کی خاطر والدین کو صاف صاف بتادے اور انھیں سمجھادے کہ میری مالی حالت جیسے ہی اچھی ہوگی میں ضرور آپ کی مالی مدد اور خدمت کروں گا، اس دوران والدین کو خوش اور راضی رکھنے کی خاطر تھوڑے بہت پیسے والدین کو بھی بھیج دیا کرے تاکہ ان کی ناراضگی کم ہو سکے، اگر والدین اپنی اولاد سے ناحق اور زیادتی کرتے ہوئے ناراض ہیں اور بددعائیں دیتے ہیں تو ایسی ناراضگی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اور یہ والدین کا اپنی اولاد پر ظلم ہے۔

دشمنان دین کے خلاف بددعا

سوال: دینی، جانی، مالی، ذاتی یا ملک دشمن عناصر کے لئے بددعا کرنا خصوصا حرمین شریفین میں کیسا ہے؟ کیا نبی اکرم ﷺ نے کبھی بددعا کی۔؟

(ڈاکٹر محمد اکرم - مدینہ منورہ)

جواب: اگر کوئی شخص کوئی ملک، کوئی جماعت و گروہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصانات و اذیت پہنچا رہا ہے، علمائے حق اور اللہ والوں کو ستا رہا ہے، بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے، اسلامی ملک کو بیرونی یا اندرونی نقصان پہنچا رہے ہیں، ملک دشمن اور امن دشمن ہیں تو اس قسم کے مجرموں کیلئے بددعا کرنا جائز ہے، قرآن پاک میں تین جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ صراحت موجود ہے، کہ انھوں نے اپنے دور کے ظالموں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف بددعا کی اور اللہ تعالی نے اس بددعا کو قبول کر کے مجرموں کو نیست و نابود کر دیا سورہ نوح، میں سیدنا نوح علیہ السلام (سورہ نوح - ۲۷-۲۶) اور سورہ یونس میں سیدنا ہارون و موسیٰ علیہ السلام کی بددعاؤں کا ذکر قرآن میں موجود ہے، (یونس، ۸۹-۸۸) خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو جب قریش کے بعض بڑے بڑے لیڈروں نے بہت ستایا تو آپ نے ان کو بددعا دی اور ان

کا نام لے لے کر بد دعا دی، مثلاً ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مسلسل ایک مہینے تک نماز میں قنوتِ نازلہ کے طور پر یہ بد دعا کی کہ "اے اللہ! ولید بن الولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ سے نجات دلا اور کمزور مسلمانوں کو کافروں سے نجات دلا، اے اللہ! مضر (قبیلے) پر تو اپنا عذاب سخت کر دے، اے اللہ! ان کو قحط و فقر و فاقے میں مبتلا کر دے۔(۱) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آپ ﷺ کی یہ بد دعا بھی موجود ہے کہ، اے اللہ! تو ہی ابو جہل کے لئے کافی ہے، یعنی، اے اللہ! تو اسے ہلاک کر دے" صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک موقع پر رسول کریم ﷺ کعبہ کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے آپ ﷺ پر غلاظت پھینکی، آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ آئیں، اور اپنے والد کے بدن کو صاف کیا، آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ بد دعا دی "اے اللہ! تو قریش کے لئے کافی ہے" یعنی تو انھیں برباد کر دے، آپ ﷺ نے یہ بد دعا تین بار دہرائیں پھر ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کا نام لے لے کر بد دعائیں دیں، عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، کہ جن جن کے لئے رسول کریم ﷺ نے بد دعا کی تھی میں نے ان سب کو بدر کی لڑائی والے دن گڑھے میں دوسرے مردوں کے ساتھ مرا ہوا دیکھا۔(۲)

رسول کریم ﷺ نے بیرٔ معونہ کے واقعے کے بعد ان لوگوں کے لئے بھی بد دعا کی تھی جنھوں نے صحابہ کرام کو شہید کر دیا تھا، نجد کے ایک علاقے والوں نے (بئر معونہ والے) رسول کریم ﷺ سے چند مبلغین صحابہ طلب کئے تاکہ یہ لوگ وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں، رسول اللہ ﷺ نے چن چن کر تمام حفاظ و قراء صحابہؓ کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا، صحابہ کی تعداد ستر تھی، ان لوگوں نے ان مہمان صحابہؓ کو دھوکے سے شہید کر دیا، آپ ﷺ کو جب ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ

---

(۱) مسلم عن ابی هریره، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات، الخ، کتاب المساجد

(۲) بخاری عن عبد الله باب الدعاء علی المشرکین بالهزیمة والزلزلة، کتاب الجهاد

بہت رنجیدہ ہوئے اور اس علاقے والوں کے لئے مسلسل ایک ماہ تک بد دعا کرتے رہے۔(۱)

سرکار دوعالم ﷺ نے جنگ خندق کے موقع پر تمام کافر اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف یوں بد دعا کی "اے اللہ، اے کتاب (قرآن) کے نازل کرنے والے، اے جلد حساب لینے والے! اے اللہ! کافروں کے گروہوں کو شکست دے اور اُن کے قدم اکھیڑ دے، کفار و مشرکین کی وجہ سے غزوۂ خندق پر جب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی عصر کی نماز فوت ہوگئی تو اس موقع پر بھی رسول کریم ﷺ نے ان بد بختوں کو بد دعا دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو (اور قبروں کو) آگ سے بھر دے کہ انھوں نے ہمیں نماز عصر سے روکے رکھا(۲)۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے جب رسول کریم ﷺ کو اذیت پہنچائی اور آپ ﷺ کی بیٹی ام کلثوم کو طلاق دی، تو آپ ﷺ نے اس بد بخت کو یہ بد دعا دی کہ "اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی ایک کتے کو اس پر مسلط کردے،" ابولہب کو جب اس بد دعا کا علم ہوا تو اس نے اسی دن سے اپنے بیٹے کی حفاظت کا خاص انتظام کیا، شام کے سفر کے موقعہ پر دمشق کے قریب حوران نامی مقام پر رات کے وقت جنگلی شیر (یا جنگلی کتے) نے آکر عتبہ کو چیر پھاڑ ڈالا۔(۳)

عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ حکم بن ابوالعاص رسول کریم ﷺ کی نقل اتارا کرتا تھا اور وہ اس طرح کرتے ہوئے اپنی زبان، منہ اور چہرہ ٹیڑھا سیدھا کرتا رہتا، رسول کریم ﷺ نے اسے جب یہ حرکت کرتے ہوئے دیکھا تو بد دعا دی اور فرمایا "تم اسی طرح ہو جاؤ" چنانچہ اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا، اور وہ مرتے وقت تک اسی حال میں رہا۔(۴)

---

(۱) بخاری عن انس باب غزوة الرجیع ورعل و ذکوان وبئرمعونه، کتاب المغازی

(۲) صحیح بخاری عن علی، باب الدعاء علی المشرکین بالهزیمة والزلزلة، کتاب الجهاد

(۳) دلائل النبوه للاصفهانی ، الروض الانف شرح سیرت ابن هشام

(۴) التاریخ الکبیر للبخاری ، دلائل النبوة للاصفهانی

احادیث و تاریخ کی کتب میں اسی قسم کے مزید واقعات و روایات موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ، کفار و مشرکین، طاغوتی قوتوں، دین دشمن اور ملک دشمن عناصر کے لئے بددعا کرنا جائز ہے، بلکہ ہمیں تو مشکل حالات میں اور پریشان کن صورتحال میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنی نمازوں میں رکوع کے بعد دعائے قنوت نازلہ پڑھیں، اس دعا میں کفار و مشرکین اور ظالموں و منافقوں کے خلاف سخت و شدید الفاظ والی بددعائیں موجود ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں جب بھی مسلمانوں پر تکالیف و آلام اور دین کے دشمنوں کی طرف سے اذیت و دشمنی حد سے بڑھی تو آپ ﷺ نے فوراً نمازوں میں دشمنوں کو بددعا دینے کا سلسلہ شروع کیا، صحیح ابن خزیمہ میں سیدنا انسؓ یہاں تک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی قوم (یا فرد) کو کو بددعا دیتے تو دعائے قنوت میں بددعا دیتے، قنوت نازلہ ہر نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے، جیساکہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، مستدرک حاکم، سنن ترمذی، مسند امام احمد اور دوسری کتب حدیث میں اس کی صراحت و تفصیل موجود ہے۔(۱)

آج کسمپرسی اور بزدلی و مجبوری کے اس عالم میں جہاں ہم اپنے کلمہ کو مسلمان بھائیوں کے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے اور اپنے اپنے معاشرہ میں غلبۂ اسلام کے لئے زیادہ تگ و دو نہیں کر سکتے تو وہیں ہم دین کی سربلندی و نفاذ اور اپنے بھائیوں کے لئے دعا تو کر سکتے ہیں، اور ساتھ ساتھ کفار و مشرکین، دین دشمن عناصر، عادی مجرموں اور ظالموں کے لئے ہلاکت و بربادی کی بددعائیں بھی کر سکتے ہیں۔

جس طرح اولیاء اللہ، علمائے حق اور بزرگوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اسی طرح ان کی بددعائیں بھی قبول کی جاتی ہیں، لہٰذا علمائے حق اور دین داروں کی بددعاؤں سے ڈرنا چاہئے، ہمارے سامنے اس وقت اسی موضوع کی ایک اہم بددعا

---

(۱) صحیح ابن خزیمۃ ۱/۳۱۴، باب القنوت فی الصلوۃ العشاء الاخیرۃ، ط مکہ مکرمہ

موجود ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا عمر ابن الخطابؓ نے سیدنا سعدؓ کو کوفہ والوں کا ولی (گورنر) بنا کر کوفہ بھیجا، کچھ ہی عرصہ بعد کوفہ والوں نے خلیفۃ المسلمین سے اپنے گورنر سیدنا سعدؓ کی کئی شکایات کیں، جن میں ایک یہ تھی کہ یہ نماز اچھی طرح سے نہیں پڑھاتے، شکایات کی بناء پر سیدنا سعدؓ کو معزول کر دیا گیا، خلیفۃ المسلمین سیدنا عمرؓ نے ان شکایات کی تحقیق کے لئے ایک صاحب کو بھیجا جنہوں نے ہر مسجد میں جا کر لوگوں سے دریافت کیا اور سب نے جواب میں سیدنا سعدؓ کی تعریف کی، ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا، اس نے تین شکایتیں کیں، ایک یہ کہ سعد مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ جہاد کے لے نہیں نکلتے، دوسری یہ کے عدل وانصاف نہیں کرتے یعنی بیت المال میں سے لوگوں کو جو کچھ دیتے ہیں، اس میں برابری نہیں کرتے، اور تیسری یہ کہ لوگوں کے مسائل کے حل کرنے میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیتے، یہ تین باتیں سن کر سیدنا سعدؓ نے فوراً اس شخص کے لئے تین بددعائیں دیں، اور فرمایا "اے اللہ! اگر یہ شخص ریاکاری (اور فتنہ وانتشار اور محض میری مخالف) کے لئے میرے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے تو میں اس کے لئے تین بددعائیں کرتا ہوں، اے اللہ! اسے طویل عمر دے اور اسے ہمیشہ فقر و فاقے میں رکھ اور اسے ہمیشہ انتشار و فساد میں مبتلا کئے رکھ، لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ اس شخص نے طویل عمر پائی اور ساری زندگی فقر و فاقے میں رہا اور آخری حالت یہ تھی کہ اس کی بھنویں آنکھوں پر جھک آتی تھیں، (بڑھاپے کی وجہ سے) لیکن پھر بھی یہ شخص راہ چلتی ہوئی خواتین کو چھیڑتا تھا، فتنوں والے کاموں میں مشغول یہ شخص زندگی بھر فتنہ و فساد پھیلاتا رہا اور ہر جگہ اسے جوتے ہی کھانے پڑتے۔

رسول و نبی کا فرق؟

سوال : رسول اور نبی میں کیا فرق ہے؟ (محمد فاروق قیصر - دمام)

جواب : عام طور پر علماء نے رسول اور نبی کے درمیان یہ فرق کیا ہے کہ جس پیغمبر

کو کتاب دی گئی ہو یعنی جو صاحب شریعت ہو اس کو رسول کہتے ہیں، اور جس کی بعثت صرف سابقہ رسول کی شریعت کی تبلیغ اور دعوت کے لئے ہوئی ہو اس کو نبی کہتے ہیں، (۱) کبھی اس فرق کو ملحوظ رکھے بغیر بھی پیغمبر اور اللہ کے قاصد کے لئے نبی اور رسول کا لفظ استعمال ہوتا ہے، چاہے وہ صاحب شریعت ہو یا نہ ہو۔

سن ہجری کی ابتداء

سوال : ہجری تاریخ کس وقت اور کس نے بنائی؟

(عبدالرحیم بخاری - طائف)

جواب : ہر قوم میں تاریخ کے سلسلے میں کسی اہم واقعہ کو بنیاد بنایا جاتا ہے، اسلام کی ابتداء میں نبوت کے لحاظ سے تاریخ بیان کی جاتی تھی، سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام کے مشورے سے واقعہ ہجرت کو بنیاد بنا کر "سن ہجری" کو رائج کیا۔ (۲)

احسان جتلانا

سوال : کوئی شخص کسی پر احسان جتلاتا ہے تو اس کا انجام کیا ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟

(محمد حنیف - مدینہ منورہ)

جواب : احسان کر کے جتلانا بہت بڑا گناہ اور کئے گئے احسان کو ضائع کرنے والا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر یا تکلیف دیکر ضائع نہ کرو، (بقرہ - ۲۶۴) طبرانی کی ایک روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، "تین آدمی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نہ فرائض قبول کرتا ہے اور نہ نوافل، والدین کا نافرمان، احسان جتانے والا، اور تقدیر کا جھٹلانے والا، (۳) صحیح مسلم کی ایک حدیث میں سیدنا ابوذرؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "تین

---

(۱) دستور العلماء ۳۵۸/۳ ط حیدرآباد دکن (۲) ......

(۳) طبرانی

شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے (مہربانی وعنایت کا) کلام کریگا اور نہ (بنظر رحمت وعنایت) ان کی طرف دیکھے گا، اور نہ ان کو (گناہوں) سے پاک کریگا، اور ان تینوں کے لئے دردناک عذاب ہے، ابوذرؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! خیر وبھلائی سے محروم اور نقصان وخسارہ میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک پائنچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والا۔(۱)

ادائیگی قرض کے لئے وظیفہ

سوال: اگر کسی کے اوپر قرض زیادہ ہو اور اترنے کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو کیا کرے، کوئی وظیفہ ہو تو لکھدیں۔

جواب: نماز کی پابندی اور درج ذیل دعاؤں کے اہتمام سے انشاء اللہ اداءِ قرض کی کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکل آئے گی وہ دعائیں یہ ہیں:

(۱) اللّٰهم اكفنى بحلالك عن حرامك واغننى بفضلك عمن سواك . (۲)

(۲) اللّٰهم انى اعوذ بك من الهم والحزن والعجز والكسل والبخل والجبن وضلع الدين وغلبة الرجال . (۳)

دلوں کی سختی کے اسباب

سوال: میرا دل بہت سخت ہے، مشکل سے مشکل وقت اور شدید صدمہ ورنج کے موقع پر بھی دل نرم نہیں ہوتا، اور آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے، مجھے خود حیرت ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ جبکہ میں چاہتا ہوں کہ میرا

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ٦٢٦٣ (۲) ترمذی کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ٣٥٦٣

(۳) صحيح البخاری کتاب الدعوات، باب التعوذ من غلبة الرجال، حديث نمبر: ٦٣٦٣

دل نرم ہو، گھر میں بیوی، بچوں سے بھی بیزار رہتا ہوں، ہر ایک کو ڈانٹ ڈپٹ اور سخت لہجے میں جواب دیتا ہوں، آپ سے رہنمائی کا طلب گار ہوں۔ (سید وہاج الدین احمد۔ ریاض)

سوال : میں شادی شدہ ہوں اللہ تعالیٰ نے اچھے شوہر اور اولاد سے نوازا ہے، میں خود بھی ڈاکٹریٹ کر چکی ہوں شروع میں تو شاید محسوس نہیں ہوا لیکن مجھے کئی بار شوہر نے اور بڑی بیٹی نے بھی سمجھایا کہ آپ کا لہجہ بہت سخت ہوتا ہے، کبھی بھی کسی پر ترس نہیں آیا، کئی نوکروں اور نوکرانیوں کو گھر سے نکال چکی ہوں، رشتہ داروں کے یہاں آنا جانا بھی اچھا نہیں لگتا، شاید میرا دل سخت ہے، کوئی ایسا وظیفہ بتلائیے کہ میرا دل نرم ہو اور دوسروں کے بارے میں، میں بھی اپنے دل میں نرم گوشہ محسوس کر سکوں۔ (ایک بہن۔ جدہ)

سوال : آپ سے ٹیلیفون پر بھی بارہا اسی مسئلے پر گفتگو کر چکا ہوں، اب کچھ لکھتے اور کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہے، کہ عمر کے اس مرحلے پر ہوں جہاں پتھر دل بھی موم بن جاتے ہیں، لیکن نہ جانے کیا وجہ ہے کہ خود اپنے آپ پر حیرت ہوتی ہے کہ دل موم کیوں نہیں ہو جاتا؟ دل آخر پگھلتا کیوں نہیں ہے؟ بسا اوقات تو مایوسی بھی ہونے لگتی ہے، آپ کے ساتھ گفتگو سے وقتی تسلی ہو جاتی ہے، چند دنوں بعد پھر وہی دورہ پڑتا ہے۔

(ڈاکٹر ع، خ، ق۔ مکہ مکرمہ)

جواب : انسان کے بدن میں دل کو جو حیثیت اور مقام حاصل ہے وہ سب پر عیاں ہے، یہی وہ لوتھڑا ہے جو پورے بدن کو قابو میں رکھتا ہے، انسانی بدن کا یہی وہ اہم حصہ ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر یہ درست رہے تو سارا بدن درست رہتا ہے، اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا بدن

بگڑ جاتا ہے، یہ "دل" ہے،(۱) انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس کا سب سے پہلا اور گہرا اثر اس کے دل پر پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تقویٰ اور برائی دونوں کے اثر ومرکز کے ذکر میں دل ہی کو مرکز قرار دیا مثلاً صحیح مسلم کی ایک حدث میں ایک جگہ یہ ارشاد موجود ہے کہ "تقویٰ" یہاں ہے،(۲) یہ کہہ کر رسول کریم ﷺ نے تین بار اپنے سینے (یعنی دل) کی طرف اشارہ فرمایا، گناہ کے بارے میں ایک حدیث میں ارشاد ہے، "ابن آدم جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے ،اگر یہ (صدق دل سے) توبہ کرلے تو یہ نقطہ مٹادیا جاتا ہے، اور اگر توبہ نہ کرے اور دوسرا گناہ کرے تو دو نقطے بن جاتے ہیں، (گناہوں کی کثرت اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے) ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے، جب پورا دل سیاہ ہو تو اسے ایک بیماری لگ جاتی ہے جسے، "ران" کہا گیا ہے،(۳) ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ نیکی ہو یا بدی ان کا سب سے پہلا اثر دل پر پڑتا ہے۔

وہ دل جو گناہوں کو اور برائی ونافرمانی کو پسند کرتے ہیں، اور پھر گناہوں میں لگ جاتے ہیں، اس قسم کے دل یعنی قلب کے ساتھ قرآن میں اثم کی نسبت کی گئی ہے، (اثم گناہ کو کہتے ہیں) یہ قلب گویا کہ آثم ہے، (بقرہ-۲۸۳) دلوں کی بیماری (یعنی گناہوں) میں ایک زیغ ہے، ہدایت اور ایمان کے بعد دل کا اس ایمان وہدایت سے پھر جانا اسے زیغ کہا جاتا ہے، ایمان والے اس خطرناک کیفیت وحالت سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہتے ہیں، (آل عمران-۵) نافرمانی وگناہ اور بغاوت وسرکشی کی وجہ سے دلوں کے بارے میں تیسرا ذکر بری صفت جو قرآن نے بیان کی ہے وہ "غل" ہے، دھوکہ وفریب، خیانت ومکر اور نفاق وبرائی کا نام غل ہے، جیسا کہ سورۂ حشر میں آیا ہے، (حشر-۱۰) "دل گناہوں سے سخت ہو جاتے ہیں" اور ایسی سختی والے دل کو قلب غلیظ کہا جاتا ہے، سورۂ آل عمران میں اس بری صفت اور اسی نام کا ذکر موجود ہے، اس قسم کی پانچویں

---

(۱) ابن ماجه باب الوقوف عن الشبهات ابواب الفتن (۲) مسلم ،حديث نمبر : ۲٥٦٤

(۳) ابن ماجه عن ابى هريره باب ذكر الذنوب ابواب الزهد

بری صفت جو شدید غصے اور شدید مخالفت میں دل کو تباہ کریتی ہے وہ غیظ ہے، سورہ توبہ اور آل عمران میں ایسے قلوب کا ذکر ہے، (توبہ-۱۵،آل عمران،۱۱۹-۱۱۸) بعض دل ہدایت کا انکار کردیتے ہیں اور اس سے منہ پھیر لیتے ہیں یہ ''اباء القلب'' ہے یعنی دلوں کا انکار کردینا یہ بھی بری صفت ہے، توبہ-۸ میں اس بری صفت کا بیان ہے، تکبر بری صفت ہے، جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اس بری صفت ہی کی وجہ سے قلب متکبر کی شدید مذمت کی گئی ہے جیسا کہ (غافر-۳۵) میں اور بعض دوسری آیت میں ہے، گناہوں اور نافرمانی کی وجہ سے اور قرآنی آیات میں غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے دل سخت ہو جاتے ہیں، جس کا انجام فسق وفجور ہے ایسے قلوب کے لئے ''قسوۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، (قسوۃ القلب) قرآن پاک میں کئی مقامات پر قسوۃ قلب کا ذکر ہے۔(۱)

قرآن وحدیث میں دلوں کی سختی کے اسباب میں سر فہرست کفر و شرک ہے، اور انسان کا جان بوجھ کر ہدایت سے منہ پھیرنا ہے، کفر و شرک، عناد و نفاق، کبیرہ گناہوں پر اصرار اور حقوق العباد کی پامالی یہ چند بڑے گناہ ہیں جن کی وجہ سے انسان کا دل سخت ہو جاتا ہے، اور بالآخر اس پر من جانب اللہ ایسی مہر لگ جاتی ہے کہ یہ ''قلب میت'' کہلاتا ہے، قرآن جن انسانوں سے خطاب کرتا ہے وہ چلتی پھرتی لاشیں نہیں ہیں جن کے بدن تو خوب تنومند ہوں لیکن دل مردہ ہو چکے ہوں، بلکہ قرآن زندہ دل لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے، قرآن پاک نے انسانی قلوب کو ان کی مختلف کیفیت و احوال کی بناء پر مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، ایمان و تقویٰ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ اختیار کرنے والے قلوب کو قلب سلیم یعنی ہر قسم کے کفر و شرک اور گناہوں سے پاک و سلامت دل بھی کہا ہے جیسا کہ الشعرا-۸۹ میں ارشاد ہے، اچھے اور زندہ قلوب میں دوسرا نام ''قلب منیب'' کہا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل ''قلب منیب'' کہلاتا ہے، (سورہ ق-۳۳) قلب منیب وہ دل ہے جو اطاعت گزار بن کر نرم پڑ جائے یہ بھی انہی قلوب میں سے ہے جیسا کہ سورہ حج-۵۴ میں

---

(۱) دیکھئے: بقرہ-۷۴، مائدہ-۱۳، انعام-۴۳، زمر-۲۲، حدید-۱۷

ارشاد ہے، اچھے قلوب میں جو صفات پائی جاتی ہیں اور جن اچھی صفات کی بناء پر یہ قلوب اچھے قلوب بن جاتے ہیں ان میں ایک دلوں کی نرمی ورقت ہے، "قلب لیّن" وہ دل جو نرم ہو، رقیق ہو، قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ایسے دلوں کی تعریف بیان کی گئی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ دلوں کی نرمی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب کو بھی بیان کر دیا گیا ہے، جو قرآن پاک کی ایسی تلاوت ہے جو تدبر سے کی جاتی ہے یا سنی جاتی ہے قرآن پاک کی آیات کے معانی میں غور وفکر اور تدبر کرنا دلوں کی نرمی ورقت کا اہم سبب ہے۔

قرآنی آیات پر غور وفکر و تدبر نہ کرنے اور بلا سوچے سمجھے یونہی پڑھنے اور سننے سے اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا جو نزول قرآن کا مقصد ہے، اسی لئے قرآن پاک میں ایسے دلوں کو "مقفل" کہا گیا ہے، جو آیاتِ قرآنیہ میں تدبر نہیں کرتے، یہ لوگ قران میں تدبر کیوں نہیں کرتے یا یہ کہ ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں، (سورہ محمد - ۲۴) "قلب وَجِل" بھی انہی اچھے قلوب میں سے ایک ہے جیسا کہ انفال، الحج اور مومن میں ارشاد ہے "وَجِل" "خوف الٰہی کا نام ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی صفات وکبریائی کا تصور کر کے دل میں اطمینان وسکون کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، ایسا دل" قلب مطمئن" ہے جس کا ذکر سورۂ رعد میں ہے، اچھے قلوب کی یہ چھ صفات تھیں جن کی وجہ سے ان قلوب کو چھ مختلف ناموں اور صفات سے یاد کیا گیا۔

جس طرح اچھی صفات اور اعمال صالحہ و تقویٰ کی بدولت دلوں کی حالت خوب تر ہو کر ان اعلیٰ صفات کا پیکر بن جایا کرتی ہے، بالکل اسی طرح کفر وشرک اور فسق وفجور کی کثرت کی وجہ سے اور گناہوں کو مسلسل انجام دینے اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے انسانی دل جن بری صفات کا شکار ہو کر بگڑ کر بالآخر مر جاتے ہیں، ایسے قلوب اور اسباب کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے، دل سخت کیوں ہوتے ہیں اور ان کی سختی کے اسباب کیا ہیں؟ اور دلوں کو نرم کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ان تین اہم سوالوں کا مختصر جواب لکھا جا رہا ہے، امید یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی مہربانی اور اس کے لطف

وکرم سے ہم سب کے دل نرم ہو جائیں گے، بشرطیکہ ان کی نرمی کے اسباب بھی اختیار کئے جائیں۔

دلوں کی سختی کے اسباب میں یوں تو ہر گناہ اور ہر برائی شامل ہے لیکن بعض خاص اور بڑے گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے دل مرجاتے ہیں اسی طرح نفاق بھی دلوں کی سختی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے کفر و شرک اور نفاق کے بعد کثرت سے ہنسنا ہے اس سے بھی دل سخت ہو جاتا ہے، یاد رہے کہ خوشی و مسرت کے موقعہ پر تبسم کرنا جائز ہے، البتہ قہقہہ لگا کر ہنسنا اور منہ پھاڑ کر ہنسنا منع ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زیادہ مت ہنسا کرو کہ زیادہ ہنسنے سے دل مر جاتے ہیں، (۱) فکر آخرت سے غفلت اور دنیا کے کھیل کود میں پڑ جانا وہ لہو، لعب ہے، جو ناپسندیدہ ہے کہ اس سے انسان زندگی کے اصل مقصد سے غافل ہو جاتا ہے، غافل دل لہو و لعب میں پڑ جانے والا دل ہے، جس کی مذمت کی گئی ہے، سورۂ انبیاء میں اسی قسم کے غافل دلوں کا ذکر ہے، (انبیاء - ۳)۔ یہی غفلت جب بڑھتی ہے تو دل کو ایک دوسری بری بیماری میں مبتلا کر دیتی ہے جیسے الغمرۃ (ہدایت سے دور ہٹانے والی چیز) کہتے ہیں، یہ دل جو قلب لہو و لعب تھا اب قلب معمور بن جاتا ہے، سورۂ مومنون میں اسی طرف اشارہ ہے (مومنون: ۶۳) کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے ذکر اس کے حبیب ﷺ کا ذکر خیر اور دوسری نیکی والی باتیں سن کر دل میں نفرت، بوجھ، گھٹن اور کراہت محسوس کرتے ہیں، یہ بھی نفاق کی علامت ہے جو دل کو بیمار کئے ہوئے ہے، ایمان والوں کا حال اور عالم تو یہ ہونا چاہئے کہ اس قسم کی باتیں سن کر ان کا ایمان تازہ ہو اور ایمان کی حلاوت میں اضافہ ہو جیسا کہ سورۂ انفال میں۔ ہے (انفال: ۲) لیکن اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس حال یہ ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی تک کے دینی پروگرام ناپسند ہوں اور غلط پروگرام پسند ہو تو یہ دل کی وہ منحوس بیماری ہے جو قلب کو "قلب منکر" بنا کر اسے مزید بیمار کر دیتی ہے اور دلوں کو گھٹن و حبس کی بیماری میں مبتلا کر دیتی ہے، جیسا کہ سورۂ زمر میں ہے (زمر ۴۵) ایمان قبول نہ کرنے

---

(۱) ابن ماجه عن ابی هريره باب الحزن والبكاء ابواب الزهد

والے اور ایمان سے منہ پھیرنے والے دل جس انکار کا ارتکاب کرتے ہیں، اس کا ذکر سورۂ نحل میں ہے، (نحل-۲۲) یہ قلب منکر بن جاتا ہے۔

دلوں کی سختی کے اسباب میں یہ تمام وہ بیماریاں، علامتیں، نشانیاں اور مراحل ہیں جو بالآخر دل کی سختی اور بعد میں اس کی موت کا سبب بن جاتے ہیں، لہٰذا ان سب سے بچنا ضروری ہے، اور ان کے بارے میں علاج کرنا بھی واجب ہے، دلوں کی سختی و موت کے اسباب میں "اکنان" بھی ایک بیماری کا نام ہے، (یعنی دل کا چھپ جانا) دل کو ہدایت سے دور رکھنا گویا کہ وہ مستور ہے اس اکنانا اور اکنۃ کا ذکر قرآن میں مختلف آیات میں موجود ہے، (۱) مثلاً دلوں کو سختی سے بچانے کے لئے جن کیفیات اور جن احساسات و جذبات سے نیز جن امور سے بچنا ضروری ہے ان میں نویں نمبر پر شک و شبہ ہے جسے ریب و تردد کہا جاتا ہے، جس دل میں دین کی کسی بات کی بارے میں شک و شبہ اور تردد و تذبذب ہو، اسے "قلب مرتاب" کہا جاتا ہے، سورۂ توبہ اور نور میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔(۲)

اس کے علاوہ بعض دوسری بیماریاں بھی ہیں، جن کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے، ان بیماریوں میں چند اہم کبیرہ گناہ شامل ہیں جن کی وجہ سے دل بیمار اور سخت ہو جاتا ہے، مثلاً ظلم و زیادتی، کبیرہ گناہوں پر اصرار کرنا، کسی گناہ کو کھلم کھلا انجام دینا، برائیوں کو نشر کرنا، لوگوں کو گناہوں کی دعوت دینا، تکبر و حسد میں مبتلا ہونا، حرام مال کھانا، کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچانا وغیرہ یہ تمام وہ بڑے گناہ ہیں جن کے ارتکاب سے دل سخت ہو جاتا ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ بدنگاہی سے بھی دل سخت، اور ہدایت سے دور ہو جاتا ہے۔

کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اُن اہم گناہوں کی وجہ سے اپنے دلوں کو "قلب قاسی" یا "قلب میت" بنا بیٹھے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو فطرتاً سخت واقع ہونے کی وجہ سے اپنے دل کو

---

(۱) توبہ-۴۵،۱۱۰، نور-۵۰

(۲) انعام-۲۵، اسراء-۴۷، کہف-۵۷، فصلت-۵، نمل-۴۷، قصص-۶۹

کو سخت پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے دل نرم ہوں، شفقت و رقت اور نرمی و محبت کا پیکر بنیں، دلوں میں دوسروں پر ترس کھانا، رحم کرنا اور نرمی والا سلوک کرنے کی صفت پیدا ہو، دل نرم ہو تو اس کا اثر آنکھوں پر یوں پڑے کہ یہ خوف الٰہی سے اور دوسروں کے درد مصیبت کے احساس سے اشک بہائیں۔

دلوں کی نرمی اور اس نرمی کی وجہ سے آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا رحمت الٰہی کی دلیل ہے، رسول کریم ﷺ نے دلوں کی نرمی کو اپنی اطاعت کا سبب یوں قرار دیا جب ابوامامہؓ سے فرمایا: اے ابوامامہؓ! ایمان والوں میں کچھ ایسے ہیں جن کے دل میرے لئے نرم ہیں یعنی میری اطاعت کو فوراً قبول کر لیتے ہیں، یمن کے لوگ وفد کی شکل میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے آنے لگے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: یمن کے لوگ آرہے ہیں، یہ لوگ نہایت ہی نرم دل لوگ ہیں،(۱) رسول رحمت ﷺ ایک موقعہ پر جب اشکبار ہوتے ہیں تو سیدنا سعدؓ کے استفسار پر خود فرماتے ہیں یہ وہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسرے پر رحم کرتے ہیں،(۲) دلوں کی نرمی اور ان کی اچھی صفات کے حصول کے لئے چند اہم باتیں تحریر کی جارہی ہیں، ان پر مسلسل عمل کرنے سے انشاءاللہ دل نرم ہو جائیں گے۔

۱) قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت (ایسی تلاوت جو ترجمہ و تفسیر کے ساتھ ہو) کرنا دلوں کی نرمی کا اہم ذریعہ ہے اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت سننے سے بھی دلوں میں نرمی پیدا ہوتی، قرآن پاک کی کئی آیات اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، سورۂ انفال میں ارشاد ہے، ”ایمان والے تو وہ ہیں جن کے دل قرآن پاک کی تلاوت کے وقت نرم ہو کر اطاعت گزار بن جائیں (انفال-۲)، سورۂ حدید میں فرمایا کہ ”ایمان والوں پر ابھی وہ وقت نہیں آیا

---

(۱) ترمذی عن ابی هریره باب ماجاء فی فضل الیمن ابواب المناقب

(۲) بخاری، عن ابی هریره، باب فضل التأذین کتاب الاذان

کہ ان کے دل نرم پڑ جائیں اللہ کے ذکر سے اور حق کے ساتھ نازل ہونے والے سے (یعنی قرآن سے) (حدید-۱۶)

۲) نبی کریم ﷺ کی مکمل اطاعت بھی دلوں کی نرمی کا باعث ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی متابعت (مکمل اطاعت) کرنے والوں کے بارے میں (حدید-۲۷) میں فرمایا "اور ہم نے ان لوگوں کے دلوں میں نرمی و رحمت ڈال دی جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی متابعت کی، جب عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرنے سے دل نرم ہو سکتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کی مکمل اطاعت بدرجہ اولیٰ دلوں کی نرمی کا باعث ہے۔

۳) رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا، کیا تم چاہتے ہو، کہ تمہارے دل نرم ہوں اور تمہاری ضروریات پوری ہوں، یتیم پر رحم و شفقت کرو اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرو اور اسے وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اس سے تمہارا دل نرم ہو جائے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کی جائیں گی۔ (۱)

۴) موت کی کثرت سے یاد اور آخرت کی فکر سے بھی دل نرم ہو جاتے ہیں گاہے بگاہے قبرستان جانا بھی دلوں کی نرمی کا ایک اہم سبب ہے۔

۵) اچھی دینی مجالس میں اور علمائے حق، اہل اللہ کے ہاں مسلسل حاضری سے بھی دل نرم ہو جاتا ہے، اسی طرح اچھی دینی، اصلاحی کتب کے مطالعے سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔

۶) دلوں کی نرمی سے متعلق اہم دعائیں ایسی ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان کو بھی پڑھی جا سکتی ہے۔

۷) رسول کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے بھی دل پر گہرا اثر ہوتا ہے، اور دلوں کی کیفیت بدل جاتی ہے، اسی طرح صحابہ کرام کی زندگی کے

---

(۱) صحيح الجامع الصغير حديث نمبر : ۸۰ للالباني، سلسة الاحاديث الصحيحة حديث نمبر : ۸۵۴ للالباني

واقعات پڑھنے سے بھی دل نرم ہوتا ہے، اس سلسلے میں خصوصاً "حیات صحابہ" نامی کتاب نہایت ہی مفید کتاب ہے۔

۸) نماز تہجد اور اس نماز میں خوب قرآن پڑھنا بھی دلوں کو نرم کردیتا ہے اور ایسے بندے کا شمار غافلوں میں نہیں ہوتا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جس کسی نے رات کو دس آیات پڑھ لیں وہ غافلوں میں سے نہیں۔(۱)

۹) شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے دلوں کی بیماریوں کا علاج اور اس کی نرمی کے لئے جن باتوں پر زور دیا ہے، وہ یہ ہیں، قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرنا یا قرآن پاک کی تلاوت سننا، صدقہ کرنا، تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنا، اپنے ہر معاملے میں عدل واعتدال کو قائم رکھنا، جب بھی کوئی گناہ ہو جائے اس پر ندامت کا اظہار کر کے اس کے فوراً بعد کوئی نیکی کر لینا، یہ اہم نیکیاں ہیں جن کی وجہ سے دل نرم ہو جاتا ہے، مشہور بزرگ اور حنابلہ کے امام سید عبد القادرؒ جیلانی نے اپنی کتاب الفتح الربانی میں لکھا ہے کہ دل کی اصلاح اور نرمی چار باتوں سے ممکن ہے، اخلاص، تقویٰ، توکل اور عقیدۂ توحید خالص یہ چار اہم عناصر مل کر دل کو نرم کر دیتے ہیں۔(۲)

۱۰) حرمین کی مسلسل حاضری اور وہاں جا کر یقین کے ساتھ دعا کرنا بھی اس سلسلے میں فائدہ مند ہے آپ حرمین شریفین میں حاضری دیکر وہاں خوب دعائیں مانگئے، زمزم پیتے ہوئے بھی دل کی نرمی ورقت کی دعا مانگئے، مدینہ منورہ کی کھجوریں روزانہ صبح نہار منہ کھا کر دعا مانگئے، یہ دعائیں قبول ہوتی ہیں، صالحین کی مجالس میں مسلسل حاضری دیجئے، قرآن کو ترجمہ وتفسیر سے پڑھئے، یتیموں، بیواؤں اور ناداروں کی مدد کیجئے، صلہ رحمی کو اپنائیے اور اپنی زبان اور آنکھوں کو کسی بھی قسم کے گناہ میں پڑنے سے بچائیے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہر لمحہ اور ہر وقت اس کا شکر ادا کیجئے، امید ہے کہ ان نصیحتوں پر عمل کرنے سے آپ

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ ۲/۱۸۰ مستدرک حاکم ۱/۵۵۵ (۲) دواء القلوب مجدی الاسید ص ۱۷۰

کے دل کی کیفیت بدل جائے گی، اور دل نرم ہو جائے گا۔

شیطانی وساوس کا علاج

سوال : میری سابقہ زندگی لہو ولعب اور حرام کاموں میں گزری، اب اللہ تعالیٰ کا کرم ہوا کہ مجھے ہدایت مل گئی، جہاں تک کبیرہ گناہوں کا معاملہ ہے، تو الحمد للہ اکثر چھوٹ گئے اور اب باقی بھی میں چھوڑ رہا ہوں، تمام گناہوں سے صدق دل سے توبہ کرلی ہے، ادھر کچھ دنوں سے عجیب کیفیت سے دوچار ہوں کہ جب بھی نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں اچانک محسوس ہوتا ہے کہ شاید وضو نہ کرپاؤں، شاید نماز نہ پڑھ سکوں اور اسی سوچ میں نماز کا وقت گزر جاتا ہے، مجھے قلبی رنج ہو رہا کہ اچانک ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ (الف، ع، خان-یاض)

جواب : ہماری زندگی کا مقصد عبادتِ رب اور فکرِ آخرت ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے اپنے زندگی کے اس عظیم مقصد کو پہچانا اور غلط نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کے بجائے اپنا تزکیہ کیا اور عبادات وامور خیر کے ذریعے اپنے مولا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اخلاص وصدق دل سے ہدایت طلب کرتا رہے تو، اللہ تعالیٰ اسے ضرور ہدایت سے نوازتا ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص اخلاص اور عزم سے یہ کوشش کرے کہ وہ گناہوں سے دور رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اس قسم کے بندوں کی ضرور حفاظت فرماتا ہے، نماز چونکہ اساس دین ہے جس پر پورے دین کی بنیاد ہے، لہٰذا شیطان عقائد واعمال میں بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے سب سے زیادہ شدید حملہ اسی نماز میں کرتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ شیطان کے طریقہ واردات میں فرق ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک بندے پر مختلف اور مخصوص طریقے سے حملہ آور ہوتا ہے، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اس نے آپ پر کرم کیا، مہربانی فرمائی کہ آپ کو گناہوں والی زندگی سے نکال کر نور ہدایت

والی زندگی عطا فرمائی، شکر حقیقی یہ ہے کہ زبان کے ساتھ ساتھ تمام اعضائے بدن سے بھی اللہ تعالیٰ کی کسی بھی قسم کی نافرمانی نہ کریں اور اطاعت کو اختیار کئے رکھیں۔

آپ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب ہیں کہ آپ کے دل میں احساس گناہ بلکہ گناہ پر احساس ندامت موجود ہے، یہ آپ کے مومن ہونے کی نشانی ہے ورنہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو کھلم کھلا کبیرہ گناہوں کو انجام دیتے ہیں کھلے عام گناہوں کی نشر و اشاعت بھی کرتے ہیں، یہ لوگ احساس ندامت سے بالکل عاری و خالی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی مہلت اور ڈھیل سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنی نافرمانی میں اضافہ کئے جاتے ہیں کسی بھی دل میں گناہ کے بعد احساس ندامت ہی وہ ٹمٹماتا چراغ ہے جس سے بعد میں نیکیوں کے کئی چراغ جلتے ہیں یہاں تک کہ پورا دل و دماغ توبہ واستغفار اور دوسری نیکیوں سے جگمگا اٹھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حکیم انسانیت صادق و مصدوق علیہ نے فرمایا: اگر تمہیں نیکی کر کے خوشی ہو اور گناہ کے بعد رنج و غم ہو تو تم مومن ہو (۱) نماز نہ صرف ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے بلکہ انسان کی دوسری تمام عبادات کا تعلق اور ان کی قبولیت بھی نماز سے پیوست و متعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ نماز کے بارے میں یہ فرمایا گیا، کہ بے شک نماز ہر قسم کے فحش کاموں اور برائی سے روکتی ہے۔ (عنکبوت- ۴۵)

نماز کا معاملہ یہ ہے کہ اِدھر مسلمان نماز کا ارادہ کرتا ہے اُدھر شیطان اپنے لاؤ لشکر سمیت اسے اس عمل عظیم سے روکنے کے لئے میدان میں آ جاتا ہے۔ رسول کریم علیہ نے فرمایا: اذان کی آواز سن کر شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اور یہ چاہتا ہے کہ وہ اذان کی آواز نہ سنے، (۲) اللہ کی طرف سے ندا بلند کرنے والا صبح و شام دن اور رات میں پانچ بار بآواز بلند اللہ کی کبریائی، اس کی عظمت اور اس کی توحید کی گواہی دیتا ہے، یہ اعلان بھی ہوتا ہے کہ کامیابی کی طرف آؤ وہ کامیابی جسے فلاح کہا گیا ہے،

---

(۱) ترمذی عن ابن عمر باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ابواب الفتن

(۲) بخاری عن ابی ہریرہ، باب فصل التأذین کتاب الاذان

دینا و آخرت کی کامیابی کے لئے "فلاح" سے زیادہ بامعنی لفظ دوسرا کوئی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ شیطان مسجد میں حاضری سے روکنے کے لئے اپنا پورا زور لگاتا ہے کہ یہ شخص کہیں اس فلاح کو حاصل نہ کرلے، آپ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ آپ جونہی نماز کا ادا کرتے ہیں شیطان اپنا لاؤ لشکر لئے آپ پر حملہ آور ہوتا ہے، اور اس حملے کے لئے اس نے جو طریقۂ کار اپنایا ہے وہ نہایت ہی خطرناک اور حساس ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے دل و دماغ میں غلط، بے ربط اور بے تکے خیالات پیدا کرتا ہے، اور آپ کے دل میں وساوس ڈالتا ہے، قرآن پاک کی سب سے آخری سورت میں شیطان کے بارے میں دو اہم الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان میں ایک تو "الناس" ہے جبکہ دوسرا وسوسے کے متعلق ہے، یعنی شیطان ایک دو بار اور بار بار کے حملوں میں ناکامی کے باوجود مایوس نہیں ہوتا بلکہ ہر بار تازہ دم ہو کر پھر واپس پلٹ کر آتا ہے، اور حملہ آور ہوتا ہے، ہمارا ازلی دشمن اور کھلا دشمن ہے، اور اسے اپنا دشمن ہی سمجھنا، وسوسہ وہ خیال اور حساس و جذبہ ہے جو دل و دماغ میں ابھارا جاتا اور پیدا کیا جاتا ہے، وسوسے کا اصل مرکز دل ہے اس لئے فرمایا "الذی یوسوس فی صدور الناس" آپ کے دل میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ یہی وساوس ہیں، جو شیطان کی طرف سے پیدا کئے جاتے ہیں، تاکہ آپ ذہنی انتشار و خلفشار کا شکار ہو کر نماز کا ارادہ ترک کریں۔

یوں تو ہر نماز اور ہر نیک کام سے روکنا شیطانی عمل ہے، خواہ اسے کوئی انسانی شیطان ہی کیوں نہ انجام دے، لیکن عموماً اصلی شیطان اس کام کے لئے ہر وقت تیار و مستعد رہتا ہے بلکہ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی عبادت نہ کریں اور اپنی زندگی کے مقصد سے غافل ہو جائیں ہر نیکی سے روکنا شیطان کا مشن ہے لیکن نماز سے روکنا اور پھر خصوصاً نمازِ فجر، نماز عشاء اور نماز عصر سے روکنے کے لئے

---

(۱) بخاری عن ابن عباس، باب کیف کان بدؤالوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) مسلم، باب تفاضل اهل لایمان و رجحان اهل الیمن فیه، کتاب الایمان

(۳) مسند دارمی مقدمه، باب – ۲۳

(۴) معارف القرآن ۶۴۷/۴، تفسیر سورۂ هود، ط دیوبند

شیطان اپنی پوری قوت و طاقت صرف کرتا ہے، مثلاً فجر کی نماز سے روکنے کے لئے شیطانی حملوں کے ضمن میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگ جب رات کو سوتے ہو تو شیطان تمہارے سر کے قریب تین گرہیں لگاتا ہے ہر ایک گرہ پر وہ یہ کہتا ہے، کہ ابھی تو پوری رات باقی ہے سو جاؤ (چنانچہ بندہ سو جاتا ہے) اگر بندہ اٹھ کھڑا ہو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اگر نماز پڑھ لے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، (ایسا آدمی جب اس حالت میں) صبح اٹھتا ہے تو ہشاش بشاش، خوش دل رہتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہوا (رات بھر بھی سوتا رہے اور صبح بھی دیر تک سوتا رہے کہ نماز فجر نہ پڑھے) اور صبح ہو جائے تو ایسا آدمی تنگ دل پریشان اور سست رہتا ہے، (۱) ایک شخص کے بارے میں جب یہ کہا گیا کہ وہ رات بھر سوتا رہا ہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی (اور غالباً اس نے فجر کی نماز نہ پڑھی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس آدمی کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔ (۲)

آپ کی جو کیفیت ہے یہ وسوسے والے شیطانی حملے کا اثر ہے جس کا اثر دل و دماغ پر پڑتا ہے، اور غلط قسم کے خیالات کے باعث وقت پر نماز ادا نہیں کر پاتے، اس کیفیت اور مزید شیطانی حملوں سے بچنے کے لئے آپ چند اہم کام انجام دیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱) کوشش کریں کہ آپ زیادہ وقت وضو سے رہیں، کہ شیطان باوضو مسلمان سے دور رہتا ہے۔

۲) کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے شیطان قریب نہیں آتا۔

۳) قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتے رہیں، یہ تلاوت ترجمہ و تفسیر کے ساتھ ہو کہ قرآنی آیات کے معانی پر غور و فکر کرنے سے

---

(۱) بخاری عن ابی ہریرہ باب عقد الشیطان علی قافیۃ الراس، ابواب التہجد

(۲) بخاری عن ابن مسعود باب اذا نام ولم یصل الخ ، کتاب التہجد

قلب میں خشیت ورقت پیدا ہوتی ہے۔

۴) کسی باعمل صالح عالم دین کی صحبت میں تسلسل سے حاضری دیں کہ اہل اللہ کی مجالس میں حاضری سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے، جس کے بعد شیطانی حملوں کے اثرات کم ہو جاتے ہیں۔

(۵) اچھی کتابیں اور مفید دینی آڈیو کیسٹ بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

احسان فراموشی غیر اخلاقی عمل ہے۔

سوال: میں یہاں ایک کمپنی میں اچھی جاب پر کام کرتا ہوں، بحمد اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت سے نوازا ہے، میں نے صلہ رحمی اور حسن سلوک نیز غریبوں اور نادار لوگوں کی مدد کی نیت سے اپنی کئی رشتہ داروں اور دوست احباب کو ویزے بھیج کر بلایا، ٹکٹ تک کے پیسے میں نے اپنی جیب سے خرچ کئے، مہینوں ان کو اپنے گھر میں رکھا، اپنی طرف سے ان کی خوب خدمت کی، لیکن افسوس ہے جب وہ لوگ خود کمانے لگے اور اپنے اپنے گھروں میں رہنے لگے، تو میرے خلاف اِدھر اُدھر رشتہ داروں میں باتیں کر کے مجھے بدنام کرنے لگے، میں نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا اگر آپ کو تفصیلاً لکھوں تو شاید آپ کو یقین بھی نہ آئے، لیکن میں حیران اور پریشان ہوں کہ آخر آج کے دور میں لوگوں سے وفا، احترام، نیکی کا بدلہ نیکی اور دوسری اچھی اخلاقی صفات کیوں ختم ہو گئی ہیں؟ احسان فراموشی، بے وفائی اور غداری عام ہے ہم نے تو سنا ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے اگر اسے دس نیکیاں نہ دے سکو تو کم از کم اس کے ساتھ برا سلوک بھی نہ کرو، بلکہ اس کے بارے میں برائی کے حوالے سے سوچو بھی مت، ہمیں تو ہمارے بڑوں نے یہ سمجھایا تھا، لیکن

نہ جانے آجکل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے شدید رنج و صدمہ ہے کہ لوگ کیوں ایسے غیر اخلاقی جرائم کرتے ہیں؟

(احمد محمد خان قادری، ریاض، وحید الدین بالے خان۔ جدہ)

جواب: ہر زمانے اور ہر دور کے اچھے انسانی معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار اور اچھی انسانی صفات رکھنے والے لوگوں کی اکثریت موجود رہی ہے، ان اچھی اور اخلاقی صفات کو اسلام نے مزید تقویت فراہم کی، جبکہ کہا گیا کہ انسان کی نیکیوں اور نامہ اعمال کو وزنی بنانے والی چیز اس کا اچھا اخلاق ہے، یہ اچھی انسانی صفات یوں تو بے شمار ہیں لیکن ان میں وفا، (وفاداری) اور نیکی کرنے والے محسن اور اس کی نیکی کو یاد رکھنا یہ دو اہم اور بنیادی اچھی صفات ہیں، وفا اور جود و سخاہی کی وجہ سے آج دنیا حاتم طائی کو جانتی و مانتی ہے جب کہ وہ مسلمان بھی نہ تھا، اس اچھے اخلاق والے شخص کی بیٹی جب رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں آتی ہے، تو اس کا اس کے باپ کی وجہ سے اکرام کیا جاتا ہے۔ اسلام نے آکر جہاں کفر و شرک اور دوسری اخلاقی برائیوں سے پاک اچھا انسانی معاشرہ تشکیل دیا، وہیں اخلاقی اقدار اور اچھی انسانی صفات کو ہر مومن کی زندگی کا لازمی جز قرار دیا، افسوس کہ آج اسلام کا نام لینے والے بہت سارے مسلمان اور دین کی طرف منسوب ہونے والے بہت سارے دیندار، دین کے غلط فہم اور دین سے دوسری کی وجہ سے کئی اعلیٰ اخلاقی نیکیوں کو چھوڑ کر ان کی جگہ بداخلاقی اور دوسری اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

وفاداری جسے ہم وفا بھی کہہ سکتے ہیں اعلیٰ انسانی وصف ہے جو خود اللہ تعالیٰ کو بھی پسند ہے، یہی وجہ ہے کہ جب خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اور ابراہیم نے خوب وفا کی" (نجم۔ ۳۷) وفاداری اور اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے پر نہ صرف قرآن نے زور دیا ہے بلکہ رسول کریم ﷺ نے احادیث میں اس بارے میں جابجا اہم ہدایات جاری فرمائی ہیں، خود آپ ﷺ کا حال یہ ہے کہ دشمنوں تک سے وفاداری برتتے رہے اور ہر انسان کی نیکی کا اچھا صلہ اور بدلہ دیتے

رہے، صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم مواقع پر وفاہی کی وجہ سے اپنے دشمنوں تک سے درگزر کر کے دشمنوں کی سختیوں کو برداشت کرتے رہے، ہر نیکی کرنے والے اور احسان کرنے والے کو نہ صرف اس کی نیکی واحسان کا بدلہ دیا بلکہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ عطیات دیئے۔

اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص آپ کے ساتھ نیکی کرے، اس کا تقاضا یہی ہے کہ آپ بھی اس کے ساتھ نیکی کریں، قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ "کیا احسان کا بدلہ احسان نہیں ہے؟(۱) رسول رحمت ﷺ نے فرمایا، جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہیں ادا کر سکتا۔(۲) ابوداؤد ترمذی اور بعض دوسری کتب حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا جس کسی کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نیکی کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کی نیکی کرنے والے، کو اچھا بدلہ دے بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر نیکی اور احسان کے بدلے میں اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم "جزاک اللہ" کہدیا کرو کہ یہ کہنے سے حق ادا ہو جاتا ہے۔(۳) وفا کا بدلہ بے وفائی سے دینا اپنے محسنوں کے ساتھ نمک حرامی کرنا، احسان فراموشی کرنا اور کسی کو دھوکہ دینے کی غرض سے اندھیرے میں رکھنا شیطانی صفات ہیں بلکہ یہ سنگین اخلاقی جرائم ہیں جو کسی بھی اچھے معاشرے کے زوال کے اسباب میں سے اہم سبب ہیں افسوس کہ آج مسلمانوں کی اکثریت بلکہ دیندار مسلمانوں کی حالت بھی یہی ہے، ان اخلاقی جرائم کا کھلم کھلا ارتکاب کر رہی ہے آپ ترس کھا کر اور رحم کر کے اس کی مدد کرتے ہیں اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرتے ہیں، لیکن یہی بدبخت سب سے پہلے آپ کو اذیت و نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے، جن انسانی بستیوں میں اس قسم کے اخلاقی جرائم کا ارتکاب ہونے لگتا ہے وہاں امن و سکون، رحمت و برکت اور

---

(۱) رحمٰن-۶۰

(۲) ترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیك

(۳) ترمذی عن اسامة بن زید باب ماجاء فی الثناء بالمعروف ابواب البر والصلة

الفت و مودت ختم ہو جایا کرتی ہے، جس قوم پر غداروں اور احسان فراموشوں کی کثرت ہو، ایسی قوم اخلاقی طور پر مردہ ہو جاتی ہے، آبادیوں سے بھرے ہوئے شہروں اور بستیوں میں ہر فرد خود کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہے، بساوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنے سائے سے بھی ڈر لگنے لگتا ہے، رسول کریم ﷺ نے ملکوں اور بستیوں کی حقیقی و روحانی آبادی اور برکت و رحمت کے نزول کو اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار کے ساتھ مربوط کیا، اور فرمایا: اور آبادیوں میں رونق (برکت) بڑھتی ہے، جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو، تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے، (۱) جن بستیوں میں کفر و شرک، ظلم و حق تلفی، غداری و حسان فراموشی اور دوسرے گناہ ہونے لگتے ہیں، ان پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑتا ہے، اور یہ لوگ تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

آپ نے اپنے سوال میں جس اہم اور خطرناک مرض کی نشاندہی کی ہے یہ مرض ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہم قریبی عزیز تک پر اعتماد کرنے سے گھبراتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وفاداری مفقود ہے احسان فراموشی عام ہے دھوکہ و فریب، منافقت اور قول و فعل کے تضاد نے آدمی کو آدمی بلکہ انسان کو انسان سے دور کر دیا ہے، دین سے دوری اور دین کے غلط فہم نے ان اخلاقی برائیوں کے لئے یوں راستہ ہموار کیا ہے کہ آج مسلمانی اور دینداری صرف چند ظاہر رسمی عبادات کا نام ہے، حالانکہ اسلام نے عبادات پر معاملات کو یوں مقدم کیا ہے کہ حقوق العباد کے ضمن میں دھوکہ دہی و فریب کرنے والے کو ملت سے خارج ہو جانے کا حکم دیا ہے، رسول رحمت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، (۲) اپنی امت کو نصیحت کرتے ہوئے ہادی عالم ﷺ نے جو اہم باتیں ارشاد فرمائیں ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کو دھوکہ مت دو۔

---

(۱) بخاری، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، كتاب الادب

(۲) ترمذي، عن ابي هريره، باب ماجاء في كراهية الغش في البيوع، كتاب البيوع

جیسا کہ ہم نے بتایا کہ کتنے ایسے لوگ بھی گزرے جو مسلمان نہ ہونے کے باوجود بھی اچھے اخلاق کا مظاہر کرتے ہیں، یہ سیدنا ابو سفیانؓ ہیں کہ اسلام لانے سے قبل جاہلیت اور کفر و شرک والی زندگی میں بھی اپنے دشمن کے بارے میں جھوٹ بولنے اور غلط بیانی سے اجتناب برتتے ہیں، آج ہمارا عالم یہ ہے کہ جس کے ساتھ نیکی کی جائے سب سے پہلے مخالفت یہی شخص کرتا ہے، لیکن یہ ایک غیر مسلم معاشرہ ہے پھر بھی اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار کے حامل لوگ موجود ہیں، صحیح بخاری اور دوسری بعض کتب میں وہ طویل واقعہ موجود ہے کہ سیدنا ابو سفیانؓ نے بادشاہ روم کے دربار میں رسول کریم ﷺ کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتادیا اور خود فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر مجھے اس بات سے حیا نہ آتی کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں جھوٹ بول دیتا،(۱) رسول کریم ﷺ وفاداری (وفا) کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اسے ایمان کی ضد قرار دیتے ہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ دل کی سختی اور جفا مشرق میں ہے، اور ایمان اہل حجاز کے ہاں ہے،(۲) دارمی کی ایک حدیث میں ارشاد ہے، بدکلامی و فحاشی اور جفا و بخل نفاق (کی نشانیاں) ہیں۔(۳)

گذشتہ قوموں کی تاریخ کے بارے میں قرآن پاک نے ہماری یوں بھی رہنمائی کی ہے کہ وضاحت کے ساتھ اچھی انسانی ایمانی صفات کا ذکر تفصیل سے کر دیا ہے، اور اشاروں کنایوں میں بھی ان باتوں کا بیان کیا ہے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں جو سورہ ہود اور سورہ الذاریات میں بیان ہوا ہے، اس اہم واقعہ میں ہے کہ فرشتے انسانی شکل میں ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے، ابراہیم علیہ السلام جو مہمان نوازی کے لئے مشہور تھے فوراً بھاگے اور ایک بچھڑا ذبح کیا اور پکا کر ان مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا، مہمانوں نے جب کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگایا تو ابراہیم علیہ السلام نے

---

(۱) بخاری عن ابن عباس، باب کیف کان بدؤالوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲) مسلم، باب تفاضل اهل الایمان و رجحان اهل الیمن فیه، کتاب الایمان

(۳) مسند دارمی مقدمه، باب — ۴۳

خوف محسوس کیا، مفسر قرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے کہ "یعنی ابراہیم علیہ السلام ان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ان سے خطرہ محسوس کرنے لگے جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت شرفاء کا معمول تھا کہ مہمان کچھ نہ کچھ قبول کرتا اور کھاتا تھا، جو مہمان اتنا بھی قبول نہ کرے اس سے خطرہ ہوتا تھا کہ یہ شاید کوئی دشمن ہو جو تکلیف پہنچانے آیا ہو، اس وقت کے چوروں، ظالموں میں بھی یہ شرافت تھی کہ جس کا کچھ کھالیا پھر اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔(۱)

آج احسان فراموشی کا یہ عالم ہے کہ جو کسی کے ساتھ نیکی کرتا ہے، یہ شخص سب سے پہلے اپنے محسن کو تکلیف واذیت پہنچانے میں پہل کرتا ہے، اسی لئے شاید بعض اسلاف کا یہ حکیمانہ قول ہے کہ "اس آدمی کے شر سے ڈرو (اور اپنے آپ کو بچاؤ) جس کے ساتھ تم نے نیکی کی ہو" کیونکہ جو ظالم اپنے محسن کی نیکی کو فراموش کر کے اسی کو ستائے اس سے کوئی بھی ظلم اور کوئی بھی برا کام بعید نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو مخلوق کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

گناہ کی تلافی

سوال: ایک شادی شدہ کم عمر لڑکی کسی کے گھر مہمان گئی، کچھ دنوں بعد اس نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں صاحب خانہ کے کچھ روپے چرالئے، صاحب خانہ کے لڑکے کو یہ بات معلوم ہوگئی تو اس نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکی سے زبردستی کرنی چاہی، لڑکی نے زبردستی والی بات لوگوں کو بتادی، جب لوگوں نے صاحب خانہ کے فرزند سے پوچھا تو اس نے قرآن اٹھا کر کہا کہ میں اس بات کا صاف انکار کرتا ہوں، کہ میں نے لڑکی سے کوئی زبردستی کی تھی جس کی وجہ سے لڑکی کی کافی بے عزتی ہوئی، لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھا جبکہ صاحب

---

(۱) معارف القرآن ۶۴۷/۴، تفسیر سورۂ ھود، ط: دیوبند

خاتمہ کے لڑکے کو لوگوں نے بے قصور مان لیا، اب وہ لڑکا اپنے فعل پر بہت شرمندہ ہے، اور وہ اس گناہ کبیرہ کی تلافی کرنا چاہتا ہے، اس کا صحیح طریقہ کیا ہے اور وہ کس طرح اس گناہ کو معاف کرواسکتا ہے۔

جواب: سچی توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، سچی توبہ یہ ہے کہ آدمی گناہ کو ترک کردے، اور اس گناہ پر دل سے نادم وشرمندہ ہو، نیز آئندہ اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ عزم وارادہ کرے اور اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو صاحب حق سے بھی معافی مانگے اور اسے اس کا حق لوٹادے،(۱) قرآن ہاتھ میں رکھ کر جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے، ویسے بھی جھوٹ اور جھوٹی قسم کو حدیث پاک میں کبیرہ گناہوں میں بہت بڑا گناہ بتایا گیا ہے، ایک روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، کیا میں تمہیں اکبر الکبائر (کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ) کی خبر دوں؟ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، صحابہ کرامؓ نے عرض کی جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، (پھر آپ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اس سے قبل آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، سیدھے ہو کر فرمایا) خبردار اور جھوٹی بات،(۲) راوی کہتے ہیں کہ اس بات کو آپ ﷺ بار بار دھرانے لگے یہاں تک کہ ہم نے تمنا کی کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے۔

لڑکے کو چاہئے کہ وہ اپنی غلطی پر نادم وشرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور توبہ واستغفار کرے، چونکہ اس کی جھوٹی قسم سے لڑکی کی تذلیل بھی ہوئی اس لئے اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ جن لوگوں کے سامنے اس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر لڑکی کو بے عزت کیا، ان تمام کے سامنے اپنی غلطی اور جھوٹے ہونے کا اعتراف کرے لیکن لڑکی اگر اس کے بغیر بھی اسے معاف کردے تو اس کی ضرورت نہیں، لڑکی نے واقعتاً اگر چوری کا ارتکاب کیا ہو تو یہ بھی کوئی معمولی

---

(۱) ریاض الصالحین، باب التوبة

(۲) ترمذی، باب ماجاء فی حقوق الوالدین، ابواب البر والصلة

غلطی نہیں، شریعت نے تو اس کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کی ہے، لڑکی کو بھی چاہئے کہ وہ صاحب خانہ سے معافی مانگے اور کثرت سے توبہ واستغفار کرے۔

دل پر گناہ کا بہت بوجھ ہے

سوال : میری عمر اب ۲۹ سال ہے میں نے کئی مرتبہ حرام کاری کے ذریعے اپنی ہوس پوری کی، ادھر کم از کم دو سال سے مجھے سکون نہیں، دل پر گناہ کا بہت بڑا بوجھ ہے، جب کبھی تنہائی میسر ہوتی ہے بہت روتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے، پھر بھی روح بے چین ہے دل کو سکون نہیں، مزاج میں چڑچڑاہٹ آگئی ہے، دل کہتا ہے کہ اب سزا پانے کا وقت آگیا، میں نے ارادہ کیا ہے کہ مجھے اسلامی قانون کے مطابق سزا ملے چاہے، میری جان چلی جائے، میں عمرہ کے لئے جانے والا تھا، ضمیر نے بے چین کر دیا کہ اللہ کے حضور کیا لے کر جاؤ گے؟ میری شرعی طور پر رہنمائی فرمائیں۔

(م ل گ۔ ریاض)

جواب : انسانوں میں سوائے انبیاء علیہم السلام کے دوسرے کوئی بھی بشر معصوم نہیں ہے ہر ایک سے گناہ غلطی کوتاہی اور بھول چوک ہو جاتی ہے، لیکن اچھا انسان وہ ہے جسے گناہوں پر ندامت ہو دل میں پشیمانی ہو اور پھر وہ صدق دل سے سچی توبہ کرے، رسول کریم ﷺ کے ایک ارشاد پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں اور اچھا شخص وہ ہے جو غلطی (گناہ) کے بعد توبہ کرے،(۱) اور ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اگر تمہیں تمہارا (کوئی) گناہ پریشان کرے اور تمہاری نیکی (تمہیں) خوش کرے تو تم مومن ہو،(۲) جو لوگ گناہوں پر نادم ہو کر اللہ

---

(۱) سنن ابن ماجه عن انس، باب ذكر التوبة كتاب الذهد

(۲) ترمذی عن ابن عمر باب ماجاء في لزوم الجماعة، ابواب الفتن

تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرتا ہے، قرآن مجید میں جا بجا بار بار یہی بات کہی گئی ہے، بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ میرے بندوں سے کہدو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ بخش دیتا ہے، بیشک وہ بہت زیادہ مغفرت کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان ہے، (الزمر - ۵۳) سچے دل سے تمام گناہوں کے بارے میں توبہ کرنے اور معافی مانگنے والا عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے کہ وہ اس بارے میں اپنے گناہ گار بندوں کے نہ صرف سارے گناہ معاف کرتا ہے، بلکہ ان سارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کردیتا ہے، سورہ فرقان اور آل عمران میں ایسے بندوں کی تعریف کی گئی ہے، اور ان کے لئے اگلی آیت میں مغفرت و جنت کی خوشخبری ہے جو اپنے گناہوں پر ندامت کرکے اللہ تعالیٰ سے معافی و مغفرت مانگتے ہیں، اور گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔(۱)

آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اور اپنے تمام گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کریں اور مغفرت مانگتے رہیں، شیطان آپ کو ورغلاتا ہے جب وہ آپ کے دل و دماغ میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ آپ کی مغفرت نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ بہت زیادہ گنہگار ہیں، آپ کے دل میں جونہی اور جب بھی یہ خیال آئے تو فوراً "اعوذ باللہ" پڑھیں، آپ نے جو گناہ بھی کئے ہیں ان کو کسی کے سامنے بیان نہ کریں اور جس طرح آپ نے ان کو ساری مخلوق اور لوگوں سے چھپ کر کیا ہے اسی طرح ان کے بارے میں توبہ بھی اس طرح سے کیجئے کہ یہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان رہے کہ گناہوں کا سرعام تذکرہ بھی گناہ ہے، اپنے ضمیر کا بوجھ توبہ و استغفار کی کثرت سے ہلکا کریں، نماز، تلاوت قرآن پاک (ترجمہ و تفسیر کے ساتھ) اور دوسری نیکیوں کا کثرت سے اہتمام کریں، اچھی اور دینی مجالس اور حرمین کی بار بار حاضری سے اپنے ایمان کی تجدید کریں اور خوب دعائیں مانگتے رہیں۔

---

(۱) فرقان — ۷۰، آل عمران — ۳۵

زمین غصب کرنے کی سزا

سوال : چند سال قبل ہماری بہن کی شادی ہوئی کچھ، عرصہ سسرال والوں سے جھگڑا ہوا، پھر والد صاحب ہماری بہن کو گھر لے آئے، بعد میں سسرال والوں سے پچاس ایکڑ زمین جبراً لی، جس سے سب لوگ واقف ہیں، اس زمین کے ایک حصہ پر والد صاحب نے مسجد بنوائی، جس میں محلے کے لوگ نماز ادا کرتے ہیں، کیا اس مسجد میں لوگوں کی نماز صحیح ہے؟ باقی زمین پر زراعت کی جاتی ہے اس سے جو پیداوار ہو، کیا وہ ہمارے لئے حلال ہے، اس پیداوار سے والد صاحب صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں، کیا یہ خیرات قبول بھی ہوگی؟ کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (جان عالم - عفان)

جواب : کسی کی زمین پر ناجائز طور پر قبضہ کرلینا اور اسے غصب کرلینا بہت بڑا گناہ ہے چاہے یہ زمین ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو، ایسے شخص کے لئے احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں کا ذکر ہے، صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے گا، قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی، (۱) یعنی جو شخص کسی دوسرے کی زمین کا ایک بالشت بھر حصہ بھی زبردستی ہتھیا لے گا، اسے اس کے ظلم وجور کی یہ سزا دی جائے گی کہ قیامت کے دن زمین کا صرف وہی حصہ نہیں جو غصب کریگا بلکہ ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین لیکر اس کے گلے میں بطور طوق ڈال دی جائیگی، "طوق ڈالنے" کا مفہوم بعض علماء نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو زمین میں دھنسائے گا اور زمین کا وہ حصہ جو اس نے غصب کیا ہوگا اس کے گلے کو طوق کی مانند جکڑ لیگا، چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں صراحتاً زمین میں دھنسائے جانے کا بھی ذکر ہے، ارشاد گرامی ہے جو شخص زمین کا کوئی حصہ

(۱) بخاری، باب ماجاء فی بیع ارضین، کتاب بدء الخلق

بھی ناحق لے گا، (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ ازراہِ ظلم وزبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اُسے زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا،(۱) مسند احمد کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، "جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق لے گا اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی مٹی اپنے سر پر اٹھائے (۲) جبکہ مسند احمد ہی کی ایک دوسری روایت میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ازراہِ ظلم لیگا، اسے (اس کی قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کریگا کہ وہ اس زمین کو زمین کے ساتویں طبقہ تک کھودتا رہے، پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائیگی اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا، تاآنکہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہو جائے۔(۳)

مذکورہ بالا احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی کی زمین ناجائز طور پر قبضہ کی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ زمین مالک کے حوالہ کر کے اس سے معافی مانگے، اور اللہ تعالیٰ سے بھی توبہ واستغفار کرے، اسی طرح غصب شدہ زمین پر مسجد بنانا بھی جائز نہیں، اب جب کہ مسجد بن گئی ہے تو اس جگہ کی قیمت مالک زمین کو ادا کر کے اس کو مسجد کے برقرار رہنے پر آمادہ ورضامند کرلیا جائے، اس سے قبل اس مسجد میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں، اسی طرح مغصوبہ زمین کا استعمال اس پر زراعت وغیرہ اور اس سے حاصل ہونے والی پیداوار بھی حرام ہے، اور مال حرام سے صدقہ وخیرات اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا، رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اللہ پاک ہے، اور پاکیزہ چیز ہی کو قبول فرماتا ہے" اور ایک روایت میں ہے، چوری کئے ہوئے مال (غنیمت) سے صدقہ قبول نہیں (۴)۔

---

(۱) حوالۂ سابق (۲) مسند احمد ۲/ ۳۸۷، (۳) حوالۂ سابق

(۴) ترمذی کتاب الطهارة، باب ماجاء لاتقبل صلاة بغير طهور حديث نمبر: ۱

شراب کی حرمت اور وعیدیں

سوال: میرے دوست کے گاؤں میں دو دوست آپس میں بیٹھ کر شراب پی رہے تھے، شراب کے نشہ میں ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، دونوں مسلمان تھے میرا دوست مقتول کے لئے عمرہ کرنا چاہتا ہے، کیا ایسے شخص کی طرف سے عمرہ کرنا اور مغفرت کی دعا کرنا درست ہے جو کہ شراب پیتے ہوئے قتل ہوا ہو؟ نیز اسلام کا کیا حکم ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(سرتاج ملک - طائف)

جواب: شراب ام الخبائث (تمام برائیوں کی جڑ) ہے، اس کی حرمت قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے بلکہ یہ ان جرائم میں سے ہے جن کی دنیوی سزا شریعت نے خود متعین کر دی ہے، جن کو "حد" کہا جاتا ہے، شرابی کی حد ۸۰ کوڑے (اور بعض علماء کے قول کے مطابق ۴۰ کوڑے) مارنے کی ہے، یہ حد اسلامی حکومت میں شرعی قاضی کے فیصلے کے بعد نافذ ہوگی، شراب زمانۂ جاہلیت میں جزوِ زندگی کا درجہ رکھتی تھی، اسلام نے عربوں کو اس بری عادت اور لعنت سے نجات دلانے کے لئے حکمت سے کام لیا، اور بتدریج اس کے نقصانات ذہن میں بٹھا کر ہمیشہ کے لئے اس کو حرام کر دیا، اس کی حرمت کے سلسلے میں سب سے اخیر میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ سورہ المائدہ کی آیات ہیں جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی چیزیں شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح و کامیابی پاؤ، بے شک شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، پس کیا تم باز آجاؤ گے (المائدہ-۹۱،۹۰) شراب پینے والے کے لئے بڑی سخت وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی کوئی چیز پیئے گا وہ اس کو

"طینۃ الخبال" سے پلائے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ "طینۃ الخبال" کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "دوزخیوں کا پسینہ ہے" یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ پیپ اور لہو جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے"،(۱) ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے جو شخص (پہلی مرتبہ) شراب پیتا ہے (اور توبہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا، پھر اگر وہ (خلوص دل سے) توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) شراب پیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا، اور پھر اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ چوتھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا (بلکہ) وہ اگر توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ (بھی) قبول نہیں کرتا اور (آخرت میں) اس کو دوزخیوں کی پیپ اور لہو کی نہر سے پلائے گا،(۲) توبہ کی عدم قبولیت کا ذکر زجر و تشدید اور سخت تنبیہ پر محمول ہے، یا پھر یہ کہ ایسے شخص کو سچی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور وہ اسی حالت میں دنیا سے چلا جاتا ہے، ورنہ دیگر احادیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص ستر دفعہ بھی کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

شراب نوشی اُن بدترین گناہوں میں سے ہے، جن کے ارتکاب کے وقت بندہ کے دل سے نور ایمان اٹھالیا جاتا ہے، اور وہ اس حالت میں "مومن کامل" نہیں رہتا، صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں رسول کریم ﷺ سے یہ ارشاد گرامی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اور چور جب چوری کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، اور کوئی شخص جب

---

(۱) مسند احمد ۲/ ۱۷۶، ۱۷۸

(۲) الترغیب والترھیب عن ابن عباس باب الترھیب من شرب الخمر حدیث: ۵۱

لوٹ مار کرتا ہے، اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) لوٹ مار کرتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف ودہشت کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا اور تم میں جو شخص مالِ غنیمت سے خیانت کرتا ہے تو وہ اس وقت مومن نہیں رہتا، پس تم ان گناہوں سے بچو(۱)" ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ، اور جب قتل کرنے والا (ناحق) قتل کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا، عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ اس سے ایمان کس طرح علیحدہ کر لیا جاتا ہے، تو انھوں نے کہا اس طرح : یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں اور پھر ان انگلیوں کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا ،اس کے بعد انھوں نے فرمایا، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آجاتا ہے، اور یہ کہہ کر انھوں نے اپنی انگلیوں کو پھر ایک دوسرے میں داخل کر لیا، (اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے) امام بخاریؒ نے یہ کہا ہے کہ وہ شخص (ارتکاب معصیت کے وقت) مومن کامل نہیں رہتا اور اس سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے۔

علماء اہلِ سنت کے نزدیک کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ گنہگار و فاسق ہو جاتا ہے، یا اسے ناقص الایمان کہا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص سچی توبہ سے قبل ہی انتقال کر جائے تو اس کو کافر تو نہیں کہیں گے، البتہ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو اپنے فضل سے معاف فرمادے (جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد ہے کہ مشرک کے علاوہ اللہ تعالیٰ جس کی چاہے گا مغفرت فرمادے گا) یا پھر اس کے گناہوں کے بقدر اس کو عذاب دے، ہر مسلمان کے لئے مغفرت کی دعاء کی جا سکتی ہے، اور ایصالِ ثواب کی نیت سے اس کی طرف سے عمرہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

سگِ غوث لکھنا

سوال : بعض لوگ (مسلمان) اپنے کو سگِ مدینہ، سگِ غوث لکھتے ہیں،

---

(۱) بخاری حدیث نمبر : ۲٤٧٥، مسلم ، حدیث نمبر : ٥٧

کیا ایک مسلمان جو اشرف المخلوقات ہے، اپنے آپ کو کتا لکھ سکتا ہے ؟ کیا یہ اشرف المخلوقات ہونے پر پشیمانی کا اظہار ہے ؟ ایک شخص کی کتاب پڑھ کر مجھے سخت الجھن ہوتی ہے ، کتاب کے شروع میں تعارف مصنف کے عنوان سے مصنف کے بارے میں لوگوں کے بے شمار خوابوں کا ذکر ہے، اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

(رؤف احمد - جدہ محمد آزاد خان - القرایات)

سوال بعض لوگ (مسلمان) اپنے کو سگِ مدینہ ، سگِ غوث لکھتے ہیں ، کیا ایک مسلمان جو اشرف المخلوقات ہے ، اپنے آپ کو کتا لکھ سکتا ہے ؟ کیا یہ اشرف المخلوقات ہونے پر پشیمانی کا اظہار ہے ؟ ایک شخص کی کتاب پڑھ کر مجھے سخت الجھن ہوتی ہے ، کتاب کے شروع میں تعارف مصنف کے عنوان سے مصنف کے بارے میں لوگوں کے بے شمار خوابوں کا ذکر ہے اس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

(رؤف احمد - جدہ محمد آزاد خان - القرایات)

جواب : اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہر چیز کو اس کے اصل مقام پر دیکھنا پسند کرتا ہے، افراط و تفریط، کمی و نقصان اور زیادتی و غلو، کو ناپسند ہی نہیں بلکہ باعث ہلاکت بھی قرار دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ سے بار بار کہلوایا کہ کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں، کہہ دو کہ میں نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، کہہ دو کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (۱)، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ”میری شان ایسے نہ بڑھانا جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی شان میں غلو کیا، بات یہ ہے کہ میں تو (اللہ کا) بندہ ہوں (جب میرا ذکر ہو تو) کہا کرو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (۲)، حب رسول اور حب اولیاء اللہ یقیناً ایک اچھی ایمانی صفت ہے، جو کہ مطلوب ہے، لیکن اس کا یہ مقصد ہر گز نہیں کہ محبت کرنے والا اپنے آپ کو انسان سے اور

---

(۱) سورۃ الکھف: ۱۱۰، سورۃ الاعراف: ۱۸۸، سورۃ النمل: ۶۵ (۲) صحیح بخاری حدیث نمبر ۳۴۴۵

مقام انسانیت سے گرا کر حیوانوں والے مقام پر لے جائے اور اپنے آپ کو بغداد و نجف یا کسی پیغمبر اور ولی کا کتا کہنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو بہترین ہیئت وصورت پر پیدا کیا اور اسے ایک بلند مقام عطا کیا، جو کہ مقامِ انسانیت ہے، قرآن بھی جا بجا اسی اعلیٰ وصف کی تعریف بیان کرتا ہے، یہ پرلے درجے کی حماقت ہے کہ انسان جو کہ احسن تقویم والی صفات رکھتا ہے، اپنے لئے حیوانوں والی صفات پسند کرے اور اپنے آپ کو کتا کہے، نجس وغلیظ اور پلید جانوروں میں دو بڑے جانور ایسے ہیں جو نجاست وغلاظت کا مجسم پیکر ہیں، ایک خنزیر اور دوسرا کتا، شریعت میں کتے کے جھوٹے کو سات بار دھونے کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ یہ نجس جانور ہے، ہمیں ان لوگوں کی عقل وسمجھ پر حیرت ہوتی ہے کہ لوگ کس طرح اپنے لئے اتنے غلیظ نسبت پسند کر لیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو انسان بنایا ہے۔

آپ نے جس کتاب اور کتاب میں تحریر کئے ہوئے خوابوں کا تذکرہ کیا ہے تو یہ صرف لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے گھڑے گئے جھوٹے خوابوں کا مجموعہ ہے، جن کی قرآن وسنت اور شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور شیطانی اثرات سے محفوظ رکھے۔

بدلہ لینے میں زیادتی

سوال : میں ملٹری میں ڈرائیور تھا، فیملی بھی ساتھ رکھی تھی، مکان کا کرایہ حکومت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن کمانڈر صاحب اپنی ذاتی گاڑی کی صفائی کے لئے مجھے اکثر لگا دیتے تھے، ان کا گھر میرے گھر سے تقریباً ۵۰ کیلو میٹر دور تھا، ہفتہ میں ایک ہی چھٹی ہوتی اور وہ بھی ان کے گھر آنے جانے اور گاڑی کی صفائی کرنے میں گذر جاتی، تنگ آ کر میں نے ان کے گھر جانا اور گاڑی کی صفائی کرنا چھوڑ دیا، (کمانڈر صاحب مجھے آنے جانے کا کرایہ بھی نہ دیتے تھے، میں بس وغیرہ سے ان کے گھر جاتا تھا)، کمانڈر

صاحب نے میرا مکان کا کرایہ بند کرادیا، جو کہ سرکاری طور پر ملتا تھا، میں نے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ جب تک کمانڈر لیٹر بنا کر دستخط نہ کردے اس وقت تک کرایہ مکان نہیں مل سکتا، چھ ماہ کا کرایہ میں نے اپنی تنخواہ سے دیا، بالآخر میں تنگ آکر کمانڈر کی گاڑی اور انکی ایک موٹر سائیکل کے انجن میں بھی ریت ڈال کر اسے ناکارہ کردیا، کمانڈر نے پوچھا تو میں نے صاف انکار کردیا کہ مجھے کوئی علم نہیں کہ یہ کام کس نے کیا؟ کمانڈر نے میرے ساتھ اور تو کچھ نہیں کیا، لیکن دوسری جگہ ٹرانسفر کروادیا، اب میں باعزت پنشن پر آگیا ہوں الحمد اللہ حج بھی کیا ہے، آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں کہ میں نے جو گاڑی اور موٹر سائیکل کا انجن سیز (ناکارہ) کیا تھا اس کا اب کیا کروں؟، میں نے یہ صحیح کیا تھا۔

(محسن رسول۔الجبیل)

جواب: اگر کوئی شخص کسی پر زیادتی کرے تو شرعاً اس کا بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن انتقامی کاروائی میں حد سے آگے بڑھنے اور زیادتی کر بیٹھنے کی ہرگز اجازت نہیں، بلکہ ایسے موقعوں پر بدلہ لینے کے بجائے صبر کا دامن تھامے رہنے میں بہتری قرار دی گئی ہے، جیسا کہ سورہ النحل میں ارشاد باری ہے، "اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم اسی کی مثل جتنی کہ تم پر زیادتی کی گئی، بدلہ لو اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے" (النحل: ۱۲۷) صبر کا جو اجر و ثواب ہے وہ تو ہے ہی، لیکن عام طور پر جذبہ انتقام میں آدمی توازن برقرار نہیں رکھ پاتا اور بدلہ لیتے ہوئے خود حد سے آگے بڑھ جاتا ہے، اس لئے ایسے موقع پر عافیت اسی میں ہے کہ آدمی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اگر بدلہ لینا ہی ہو تو حد اعتدال سے آگے نہ بڑھے، آپ کے ساتھ یقیناً زیادتی ہوئی لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس کے جواب میں آپ خود زیادتی کر بیٹھے، آپ کو چاہیئے کہ کثرت سے توبہ کریں اور صاحب حق سے بھی معافی مانگیں اور اس کا حق ادا کریں۔

گناہوں میں تعاون

سوال : میری دکان پر فون ہے، کئی لوگ فون استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ جیساکہ میری تحقیق ہے فون کو غلط کاموں اور گناہ کے کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں اگر میں ان کو منع کروں تو فون کرنے دوبارہ نہیں آئیں گے اور اگر خاموش رہوں تو دل گوارا نہیں کرتا اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ (نسیم اختر - ع ع)

جواب : اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ و بے حیائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو (المائدہ - ۲) رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی شخص برائی دیکھے، (اور ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو) تو اس برائی کو ہاتھ سے روکے، اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو دل میں ضرور برا سمجھے، (۱) آپ کا احساس گناہ اور احساس ذمہ داری یہ بتا رہا ہے کہ آپ مسلم و مومن ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد بھی احادیث میں موجود ہے کہ اگر تم نیکی کر کے خوشی اور گناہ کر کے نادم ہو تو مومن ہو (۲)، لوگوں کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کے لئے حکمت و نرمی کو اختیار کرنا ہر داعی و مبلّغ کے لئے ضروری ہے، وعظ و نصیحت اور بار بار کے سمجھانے سے بہت سارے لوگ گناہوں کو ترک کر دیتے ہیں، جو شخص بار بار کے سمجھانے کے باوجود گناہ کرنے پر اصرار کرے، اگر آپ کے حالات آپ کو اجازت دیتے ہیں تو اسے ہاتھ یا زبان سے اس گناہ میں پڑنے سے روک لیجئے، اگر آپ اس کی استطاعت نہ رکھتے ہو تو دل میں اس برائی کو برائی ضرور سمجھئے، جو لوگ واقعی ٹیلیفون کو غلط کاموں کے لئے استعمال کرتے ہیں، ان کو اپنی دکان میں آنے سے منع کر دیں تاکہ آپ کسی گناہ میں شریک نہ ہوں۔

---

(۱) مسلم ۔ حدیث نمبر ۴۹

(۲) ترمذی عن ابن عمر، باب ماجاء فی لزوم الجماعة ۔ ابواب الجماعة

سالگرہ-اسلامی نقطہ نظر

سوال اکثر چھوٹے بچوں کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے کی جاتی ہے، کیک، موم بتی سجاکر رکھتے ہیں اور بچوں کو موم بتی بجھانے اور کیک کاٹنے کو کہتے ہیں، اردو اخبارات بھی اس رسم کو عام کرنے میں تعاون کر رہے ہیں، کیا اسطرح سالگرہ منانا درست ہے۔ (عبید اللہ-الجبیل)

جواب: پیدائش کی سالگرہ منانا غیر شرعی عمل ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے اور اپنے بچوں کی سالگرہ منائی، نہ صحابہ نے اور نہ بعد کے سلف سالحین نے، یہ مغربی ثقافت کی دین ہے، کیک کاٹنا، موم بتی جلانا اور بجھانا دوسری قوموں کی اثرات ہیں، اس لئے ایسے رواج سے بچنا چاہئے۔

عمل خیر کا ارادہ کرلینا بھی باعثِ ثواب ہے

سوال : میں نے دل میں ارادہ کیا تھا کہ کسی مناسب جگہ حسب توفیق ایک چھوٹی سی مسجد بناؤنگا، لیکن مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے میں نے اپنے محلے کی غیر آباد مسجد میں درس کا انتظام کیا، جس سے مسجد آباد ہو گئی اور لوگ اب اس میں نماز پڑھنے آتے ہیں، جتنی رقم سے میں نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تھا، کیا میں اس رقم کو تعمیر مسجد کے بجائے درس میں صرف کر سکتا ہوں؟ (محمد ارشاد خاں، جدہ)

جواب: حدیث میں آتا ہے کہ اگر آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے، تو صرف ارادہ کرنے پر اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ ارادہ پورا کر لیتا ہے، (۱) یعنی وہ نیکی انجام دیتا ہے تو اس کا دس گنا (یا اس سے زیادہ) ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور اگر کوئی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو صرف ارادہ کرنے سے کوئی گناہ یا برائی اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جاتی بلکہ جب وہ اسے کر گزرتا ہے، یعنی وہ برا کام انجام دیتا ہے، تب اس برائی کے مثل (یعنی اس کا ایک گناہ) ہی گناہ اس کے نامہ اعمال

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۷۵۰۱، مسلم، حدیث نمبر ۱۲۷

میں لکھا جاتا ہے، اور اگر وہ برائی نہ کرے تو اس پر بھی ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اور فیاضی ہے کہ وہ بندہ کو نیکی کا ارادہ کرنے پر ہی ایک نیکی اور وہ کام کرنے پر دس نیکیوں کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نیکی کا ارادہ کرنے کے بعد اگر کسی وجہ سے اسے انجام نہ دے سکے تو اس پر کوئی گناہ اور مؤاخذہ نہیں، لہٰذا اس بات کی بدرجۂ اولیٰ گنجائش ہے کہ آدمی ایک نیک کام کا ارادہ کرے، پھر اسے کوئی دوسرا کام (نیکی) زیادہ بہتر اور مناسب نظر آئے تو وہ اپنا ارادہ تبدیل کردے۔ آپ تعمیر مسجد کے لیے مختص کی گئی رقم کو درسِ قرآن یا کسی دوسرے کارِ خیر میں بھی صرف کرسکتے ہیں (بشرطیکہ یہ نذر کی نیت نہ ہو) اگر آدمی نذر یعنی منت مانے میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اللہ کے لیے مسجد بناؤں گا یا روزے رکھوں گا وغیرہ تو اس صورت میں تبدیلی جائز نہیں، نذر جس طرح مانی جائے اس کو اسی طرح پورا کیا جائے، بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو۔

گری پڑی چیز کا مصرف

سوال: مجھے راستہ چلتے ہوئے ایک گھڑی اور سو ریال ملا، میں نے اس کے مالک کو کافی تلاش کیا، مگر وہ نہیں ملا، اب اس کا مصرف کیا ہے؟

(ابو بکر درخشانی، جیزان)

جواب: اگر کسی شخص کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اور اس نے اٹھالی تو اس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ مالک کو تلاش کرے، جب پوری طرح تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے تو پھر صدقہ کردے، اگر وہ خود غریب محتاج ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے اور اس سے دوسرا آدمی بھی خرید سکتا ہے، اس پر آخرت میں مؤاخذہ نہیں ہوگا، درِّ مختار میں ہے: فينتفع الرافع بها لو فقيرا و لا تصدق على فقير و لو على اصله و فرعه و عرسه .(۱) اس عبارت پر تشریحی نوٹ چڑھاتے ہوئے شامیؒ لکھتے ہیں: و في الخلاصة : له بيعها أيضا و امساك ثمنها (۲) کہ اس کو بیچنا اور اس کی قیمت روک رکھنا بھی جائز ہے۔

---

(۱) درّمختار علی هامش: ٤٦٨/٤ (۲) ردّ المحتار: ٤ /٤٦٨

کیڑے مکوڑوں کو مارنے کا حکم

سوال: گھر میں کیڑے مکوڑوں اور چیونٹیوں کو مارنے کے لیے اسپرے کیا جاسکتا ہے؟

جواب: کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں اگر موذی ہیں اور نقصان پہنچاتی ہیں تو ایسے کیڑے مکوڑوں اور چیونٹیوں کو مارنا جائز ہے، چنانچہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

" لاباس بقتل البرغوث و البعوض و النملة و الذباب و القرد و الزنبور ، لأن هذه الاشياء من المؤذيات المبتدئة بالاذیٰ غالباً فالتحقت بالموذيات المنصوص عليها من الحية و العقرب فی حديث خمس فواسق يقتلن فی الحل و الحرم : الحية و العقرب و الفارة و الكلب العقور و الغراب . (۱)

غیر مسلم سے دوستی کرنا

سوال: کیا کوئی مسلمان غیر مسلم سے دوستی کرسکتا ہے؟

جواب: دوستی سے مراد اگر قلبی میلان ہے اور یہ خلوص دوستی ہے تو اسلام نے اس سے منع کیا ہے، قرآن بار بار کہتا ہے کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، البتہ اگر اس نیت سے دوستی کی جائے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس شخص کو میری وجہ سے ہدایت دے دے (ساتھ ہی ساتھ غیر مسلم کو اسلام کی دعوت بھی دی جاتی رہے) تب یہ دوستی جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی وقتی مجبوری یا مصلحت کی وجہ سے غیر مسلم سے دوستی رکھتا ہے، تو یہ جائز ہے، لیکن قلبی میلان کسی بھی غیر مسلم کی طرف ہونا اسلام میں منع ہے۔ (۲)

چوری کسی کی بھی ہو جائز نہیں

سوال: ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ٹیلی فون میں تار پھنسا کر مفت

---

(۱) الفقه الاسلامی و ادلته : ۳/ ۲۵۰ ، كتاب الحج (۲) آل عمران : ۱۱۸

میں فون کرتے ہیں، ایک دو کو منع کیا تو کہنے لگے کہ حکومت کی چوری حرام نہیں ہے؛ کیاان کا یہ فعل درست ہے؟

(راناشاہد، احمد)

جواب : چوری چاہے کسی فرد کی کی جائے، یا حکومت اور قومی خزانے کے مال سے کی جائے، وہ بہر حال چوری ہے، جو سنگین جرم اور گناہِ کبیرہ ہے اور پھر اس طرح کی حرکت ایک سچے مسلمان کے شایانِ شان بھی نہیں، کیوں کہ اس میں ایک طرح سے دھوکہ دہی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جو کسی کو دھوکہ دے، وہ ہم میں سے نہیں۔''(۱)

خاندانی منصوبہ بندی

سوال : کیااولاد کے زیادہ ہونے سے رزق کم ہو جاتا ہے؟ میرے گیارہ بچے ہیں، معاشی حالات اچھے نہیں ہیں، کیا میرے لیے خاندانی منصوبہ بندی کروانا جائز ہے؟ حالات کی درستگی اور رزق میں برکت کی دعاءاور وظیفہ بھی بتائیں۔

(خالد محمود، جدہ)

جواب : اولاد کی قلت و کثرت سے رزق یا تقدیر پر اثر نہیں پڑتا، بلکہ ہر آنے والا اپنا رزق و حصہ لے کر آتا ہے، آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو اور آپ کے بچوں کو صحت وعافیت سے نوازا، آپ کو گیارہ بچے عطا فرمائے، رزق کا انتظام بھی وہی کرے گا کہ وہی رازق ہے (۲) خاندانی منصوبہ بندی عالمی یہودی جماعت کا وہ پروگرام ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کی نسل کشی ہے، یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خائف ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کے نام لیواؤں کی تعداد بڑھے، چنانچہ انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی بنیاد رکھی اور اسے مسلمان ملکوں میں خوب پھیلایا، خاندانی منصوبہ بندی حرام ہے اور یہ قتل کے برابر کا جرم ہے۔

---

(۱) صحیح الجامع الصغیر حدیث نمبر: ٦٤٠٦ (۲) بیان القرآن: ۱۰۸ ط: تاج پبلشرز دھلی

حالات کی درستگی ورزق میں برکت کی دعاء اور وظیفہ کثرتِ استغفار ہے کہ سورۂ نوح میں اللہ تعالیٰ نے استغفار کو بہت سارے مسائل کا علاج قرار دیا ہے،(۱) اولاد کے لیے، صحت وعافیت کے لیے، بارش وآبادی کے لیے، زمین کی ہریالی ورونق کے لیے، غرضیکہ ان سب مسائل کا حل استغفار ہے، آپ صبح وشام سو سو بار استغفار پڑھ لیا کریں، انشاءاللہ بہت جلد حالات سدھر جائیں گے۔

داڑھی مونڈنا

سوال: کیا مسلمانوں کے لیے داڑھی مونڈنا جائز ہے؟ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ اپنے آپ کو خوبصورت رکھنے کے لیے داڑھی منڈا سکتے ہیں۔

جواب: مردوں کے لیے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی شرعی مقدار ایک مشت ہے، داڑھی تمام انبیاء کی سنت ہے، اسلامی شعار اور شرافت وبزرگی کی علامت ہے، اس سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے، لأن للحية في أوانها جمال تكمله(۲) رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ داڑھی رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے اور داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے، منڈانا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، تفسیر روح البیان میں ہے:

" حلق اللحية قبيح بل مثلة حرام و كما أن حلق شعر الرأس في حق المرأة مثلة منهي عنها و تفويت للزينة كذلك حلق اللحية مثلة في حق الرجال و تشبه بالنساء منهي عنه و تفويت للزينة ، قال الفقهاء : اللحية في وضعها جمال و في حلقها تفويت للزينة على الكمال . " (۳)

"داڑھی منڈانا برا ہے، بلکہ مثلہ اور حرام ہے، جس طرح عورت اپنے سر کا بال منڈائے تو یہ مثلہ اور ممنوع ہے اور اس سے عورت کی

---

(۱) نوح: ۱۰-۱۲ (۲) بحر الرائق: ۳۳۱/۸ (۳) روح البیان: ۲۲۲ در ضمن آیت: و اذ ابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن

زینت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مرد اگر داڑھی منڈا دے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہو جاتی ہے، فقہاء لکھتے ہیں: داڑھی رکھنے میں جمال ہے اور اس کو منڈانا زینت کو مکمل طور پر ختم کر دینا ہے۔"

ہدایہ میں ہے:

" لأن حلق الشعر فی حقها مثلة کحلق اللحیة فی حق الرجال . " (۱)

" عورت کا سر کا بال منڈانا مثلہ ہے، جس طرح مرد کا داڑھی منڈانا مثلہ ہے۔"

سسرال والوں کی فرمائش پر داڑھی ترشوانا

سوال: میں نے کچھ عرصہ قبل داڑھی رکھ لی تھی، میری نیت داڑھی رکھنے کی نہیں تھی، بلکہ چہرہ کی ایک بیماری کی وجہ سے میں نے داڑھی رکھی، اب سسرال والے کہتے ہیں کہ بغیر داڑھی کے تصویر بھیجو، لیکن سنا ہے کہ داڑھی رکھ کر مونڈنا بڑا گناہ ہے، لہٰذا سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ کیا کروں؟

(امتیاز احمد، حفر الباطن)

جواب: سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں بن سکتا، جب تک اسے اپنی جان سے، اپنے والدین سے اور سب لوگوں سے زیادہ، مجھ سے محبت نہ ہو۔" (۲) ایک دوسری حدیث میں ہے: میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی، سوائے اس کے جس نے انکار کیا، صحابہؓ نے دریافت کیا کہ جنت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ اے اللہ کے رسول! تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے انکار کیا۔ (۳)

داڑھی رکھنا سرکارِ دوعالم ﷺ کی مستقل سنت ہے، اگر آپ نے سنتِ مبارکہ

---

(۱) هدایه : ۲۳۵/۱ باب الاحرام (۲) بخاری عن أبی هريرة : ۱۷/۱ ، باب حب الرسول من الایمان، ط : المکتبة الثقافیة ، بیروت (۳) بخاری عن أبی هريرة ، کتاب الاعتصام

پر عمل کرنے کی نیت نہیں بھی کی تھی تو کیا ہوا، اب نیت کیجیے اور داڑھی رکھ لیجیے، کم از کم اس سنت کی بدولت آپ کا چہرہ تو مصطفوی بنے گا ہی، انشاء اللہ اس کی برکت سے دوسرے اعمالِ صالحہ کی بھی توفیق مل جائے گی۔

رہا سسرال والوں کا داڑھی پر اعتراض تو اس کی کوئی اہمیت ووقعت نہیں ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ کی غلامی کا طوق ایک طرف اور اس سارے جہاں کی رنگینیاں ایک طرف، مؤمن تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی غلامی ہی کا طوق پہنے گا، کیوں کہ یہی حقیقی بادشاہی وکامیابی ہے۔

آپ کے لیے یہ عزیمت کا وقت ہے، کسی کی خوشی وناراضگی کی پرواہ کیے بغیر سنتوں پر عمل کیجیے، اپنے سسرال والوں کو بھی تنبیہ کردیجیے کہ داڑھی جہاں ایک طرف سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے، وہیں مردانہ حسن وجمال اور وجاہت کا ذریعہ بھی ہے۔

وراثت میں عورت کا حصہ کم کیوں ہے؟

سوال: اسلام نے مرد اور عورت کو برابر کے حقوق دیے ہیں، تو والد کی جائداد سے لڑکے کو لڑکی سے زیادہ حصہ کیوں مقرر کیا گیا؟ یہ کیسی برابری ہے؟

(محمد اشرف جذبی، جدہ)

جواب: اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے یہاں اور دیگر مذاہب واقوام میں عورت بہت مظلوم تھی، بحیثیت انسان معاشرے میں اس کا کوئی مقام واحترام نہ تھا، اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا، عرب معاشرے میں عورت باعثِ ننگ وعار سمجھی جاتی تھی، جب وہ پیدا ہوتی تو باپ شرم سے منہ چھپائے پھرتا اور پھر موقع پاکر اسے زندہ دفن کردیتا، اگر کسی کو زندگی مل جاتی تھی تو خاندان اور معاشرے کے ظلم وستم سہتے ہوئے اسے زندہ رہنا پڑتا، شوہر، باپ یا اپنے کسی عزیز وقریب کے انتقال کے بعد عورت کو اس کے مال سے وراثت ملنا تو دور کی بات ہے،

عورت خود مالِ میراث کے طور پر تقسیم ہو جاتی، شوہر کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء میں سے جو کوئی اس کی بیوی پر پہلے چادر یا کپڑا ڈال دیتا وہ اس کے قبضے میں چلی جاتی اور اس کی بیوی تصور کی جاتی، عورت پر ظلم وزیادتی کی اس کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں تھیں، (۱) جہاں تک عورت کی لیے وراثت سے حصہ کا تعلق ہے تو عربوں کا یہ خیال تھا کہ وراثت اس کا حق ہے جو تلوار چلائے، دیگر مذاہب میں بھی عورت کے لیے وراثت کا کوئی تصور نہ تھا۔

یہ اسلام کا کمالِ عدل ہے کہ اس نے عورت کو شرف انسانیت سے نوازا، معاشرے میں اسے عزت واحترام عطا کیا، مردوں لی طرح عورتوں کے بھی مساویانہ حقوق متعین کیے اور انہیں وراثت میں بھی حصہ دار قرار دیا۔ (۲)

اس میں شک نہیں کہ قانونِ وراثت کے ذریعے مرنے والے شخص کے مال وجائداد کی تقسیم میں (ایک آدھ مسئلے کے علاوہ) بالعموم عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے، لیکن اس پر عدمِ مساوات یاناانصافی کا شبہ واعتراض کسی طرح درست نہیں، اس لیے کہ ظاہری برابری کا نام مساوات نہیں، بلکہ مساوات وبرابری کا حقیقی تقاضہ یہ ہے کہ ہر صاحبِ حق کو اس کا جائز حق پورا پورا دیدیا جائے، اگر ظاہری برابری کا نام مساوات ہوتا تو پھر عورت تو کیا؟ مردوں کو بھی مال متروکہ سے برابر حصہ ملنا چاہیے، چاہے وہ مرنے والے کا باپ ہو، بیٹا ہو، بھائی ہو، چچا ہو یا کوئی قریب ودور کا رشتہ دار ہو، حالانکہ ایسا نہیں، ان کے درمیان بھی فرق ہے اور مختلف صورتوں میں ان کے درمیان کمی بیشی ہوتی ہے، جس کی تفصیل کتبِ حدیث وفقہ میں موجود ہے۔

دوسری اہم بات یہ کہ اگر اسلام کے معاشرتی نظام کا اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو یہ شبہ پیدا ہوگا ہی نہیں کہ بہن کو بھائی کے مقابلے میں یا عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ کیوں ہے؟ بنیادی طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اسلامی شریعت

---

(۱) اسلام سے قبل عورتوں کی حالت زار پر مستقل تصانیف موجود ہیں ... میں ان کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا (۲) نساء: ۱۷۰

میں معاشی ضروریات کی طرف سے عورت بے نیاز ہے (بعض ناگزیر احوال کے علاوہ) اس پر نہ اپنی ذمہ داری ہے، نہ کسی اور کی، نکاح تک اس کی ذمہ داری باپ یا اس کے دوسرے اعزہ پر ہے، نکاح کے بعد اس کی کفالت شوہر کے ذمہ ہے کہ وہ بیوی کی رہائش، کھانے پینے اور علاج معالجہ کا انتظام کرے، پھر نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد شوہر بیوی کو مہر بھی ادا کرتا ہے۔

شرعاً عورت کے مقابلے میں مرد پر معاشی ذمہ داریاں کئی گنا زیادہ ہیں، اس پر نہ صرف اپنی اور بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری ہے، بلکہ بعض صورتوں میں ماں باپ اور دیگر اقرباء کی معاشی کفالت بھی حسب استطاعت اس پر ضروری ہوتی ہے، اب اگر عورت کے مقابلے میں مرد کو وراثت میں دوہرا حصہ نہ دیا جاتا تو کیا یہ مردوں کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہ ہوتی؟ اگر عورتوں پر بھی مردوں کی طرح ذمہ داریاں ہوتیں اور پھر مرد و عورت کو برابر حصہ نہ دیا جاتا تو اس صورت میں یہ اعتراض ہوتا، یہاں ایسا معاملہ نہیں ہے، ان پر کچھ بھی ذمہ داریاں نہیں مہر یا وراثت کے ذریعے عورت کو جو مال ملتا ہے، وہ ذمہ داریوں کے بوجھ سے خالی ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اسراف سے بچتے ہوئے اپنے آرام و آسائش پر خرچ کرے، زیورات ہو تو اس کے مال کے ذریعے اس کی زکوٰۃ ادا کرے، نیز صدقہ و خیرات اور کار خیر میں حصہ لے کر عنداللہ ثواب کماتی رہے۔

لے پالک کی شرعی حیثیت

سوال: کیا کسی کی اولاد کو گود لے کر پرورش کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا بہن یا بھائی ایک دوسرے کو اولاد دے سکتے ہیں، اگر دونوں میں سے کسی کے یہاں اولاد نہ ہو؟ اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(غلام شاہ، جدہ)

جواب: کسی کی اولاد کو لے کر پالنا اور پرورش کرنا جائز ہے، چاہے وہ بہن یا بھائی کیوں

نہ ہو، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی کو لے کر پال لینے سے لے پالک حقیقی بیٹوں کی طرح نہیں بن جاتے اور حقیقی ماں باپ سے ان کا رشتہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کی نسبت ان کے حقیقی ماں باپ ہی کی طرف ہو گی اور وہ اپنے والدین سے بحیثیتِ وارث وراثت کے بھی حقدار ہوں گے، جب کہ وہ اپنے پرورش کرنے والے ماں باپ سے بحیثیتِ وارث وراثت نہیں پائیں گے (۱)
اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

> "اور اس نے تمہارے منہ بولے (لے پالکوں) کو تمہارے (حقیقی) بیٹے نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے، اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی راستہ کی ہدایت دیتا ہے، انہیں انہی کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قرین انصاف ہے، پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے رفیق ہیں۔" (۲)

مشہور صحابی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ خود رسولِ کریم ﷺ کے پروردہ اور لے پالک تھے، یہاں تک کہ لوگ انہیں زید بن محمد (ﷺ) کہنے لگے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ممانعت نازل ہو گئی تو دوبارہ انہیں زید بن حارثہ کہا جانے لگا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی ایک معزز خاتون زینب رضی اللہ عنہا سے کرائی، لیکن جب دونوں میں نباہ نہ ہو سکا اور طلاق تک کی نوبت آئی تو بحکم الٰہی ان کو رسولِ کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ اور تمام مؤمنین کی ماں (ام المؤمنین) بننے کا شرف حاصل ہوا (جب کہ شریعت میں حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں) اس نکاح کا ایک مقصد اور حکمت یہ بھی بیان کی گئی کہ (ضرورت کے وقت) اہل ایمان کو اپنے لے پالکوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہ ہو۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ کسی کی اولاد کو لے کر پالنا جائز تو ہے، لیکن شرعی احکامات میں

---

(۱) ہاں اگر پرورش کنندہ لے پالک کے لیے وصیت، ہبہ اور عطیہ کی شکل میں دے تو اور بات ہے

(۲) احزاب : ۴، ۵ (۳) احزاب : ۳۷

لے پالکوں کی حیثیت حقیقی بیٹوں کی نہ ہو گی، بلکہ ایک دینی بھائی کی ہو گی۔

عاق کی شرعی حیثیت

سوال: میری ایک لڑکی نے اپنی پسند کی شادی کر لی، شادی کے چند دن بعد گھر والوں نے مجھے اطلاع دی اور کہا کہ جو اس کی قسمت میں تھا وہ ہو گیا، لیکن مجھے یہ رشتہ پسند نہیں، میں اس لڑکی کو عاق کرنا چاہتا ہوں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(سید وقار محی الدین، احساء)

جواب: والدین سے زیادہ اولاد کا ہمدرد کون ہو سکتا ہے؟ اس لیے لڑکے اور لڑکیوں کو چاہیے کہ وہ ہر معاملے میں بالخصوص شادی بیاہ کے معاملے میں اپنے آپ کو والدین کے سپرد کر دیں، کیوں کہ ناتجربہ کاری اور کم فہمی کی بناء پر ان کا اقدام نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے اور تجربہ ہے کہ عام طور پر ایسے رشتے ناکام ہوتے ہیں، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ شریعت نے بالغ لڑکے اور لڑکیوں کو اختیار دیا ہے، اگر وہ کسی جگہ رشتے سے انکار کر دیں تو والدین انہیں سمجھا بجھا کر آمادہ تو کر سکتے ہیں، لیکن ان پر زبردستی نہیں کر سکتے، آپ کی لڑکی نے جو اقدام کیا ہے، وہ یقیناً ناپسندیدہ ہے، لیکن چوں کہ شرعاً یہ شادی صحیح ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اب اس معاملے میں آپ خاموشی اختیار کریں، اس سے جو تکلیف آپ کو ہوئی، اس پر صبر کریں اور اس رشتہ میں خیر و برکت کی دعاء کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شریعت میں "عاق" کا کوئی تصور نہیں، اس طرح اولاد کو عاق کرنے سے والدین کی طرف ان کی نسبت شرعاً ختم نہیں ہوتی اور نہ وہ وراثت وغیرہ سے محروم ہوتے ہیں، بلکہ سارے احکام علی حالہ برقرار رہتے ہیں، کیوں کہ یہ خونی رشتہ عاق کرنے سے ختم نہیں ہو جاتا، ہاں والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ ہے، اس لیے نافرمان اولاد عند اللہ سخت مجرم اور گنہگار ہے، ایسی اولاد کو آخرت میں نافرمانی کی

سزا تو ملے گی ہی دنیا میں بھی کبھی کبھی سزا مل جاتی ہے، لیکن والدین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اولاد کو ان کی نافرمانی کی بناء پر عاق کر کے وراثت سے محروم کر دیں اور نہ ہی شرعاً عاق کا کوئی اعتبار ہے۔

جائیداد میں بھائیوں کا حصہ

سوال: ہم لوگ پانچ بھائی ہیں، سب سے بڑا میں ہی ہوں، تقریباً پندرہ سال سے سعودی عرب میں ملازمت کر رہا ہوں، اتنے دنوں میں جو کچھ کمایا، سب بھائیوں کو برابر دیتا رہا ہوں، سب کی شادی بیاہ کیا، زمین بھی سب کے نام برابر ہے، والد، والدہ موجود ہیں، گھر بھی سب کے لیے ہے، مگر ایک روم بمبئی شہر میں میرے نام ہے، اس میں کاروبار کر کے اپنے بچوں کا گزارہ کر سکتا ہوں؛ تو کیا اس میں بھی سب بھائیوں کو حصہ دینا ضروری ہے؟ جب کہ والد صاحب کی کمائی کی کوئی چیز میرے حصے میں نہیں ہے، والد صاحب کے پاس گھر وغیرہ بھی نہیں تھا، سب میں نے ہی خرید کر بنوائے ہیں۔

(محمد حسین میر حسن، القصیم)

جواب: والدین نے اگر اپنی کمائی سے کوئی عمارت بنائی ہو یا کچھ خریدا ہو تو اس میں تمام اولاد کا حصہ ہے، البتہ اولاد میں سے کسی نے خود پیسے کما کر مکان بنایا ہو، یا زمین خریدی ہو تو اس میں دوسرے بھائیوں کا حصہ نہیں ہوتا، آپ اگر چاہیں تو اپنی خوشی سے اپنے بھائیوں کو دے سکتے ہیں، شرعاً آپ پر یہ واجب نہیں ہے۔

وراثت میں لڑکی کا حق

سوال: میں ہندوستان کے ایسے علاقے سے تعلق رکھتا ہوں، جہاں یہ بات سو فیصد یقینی ہے کہ بغیر جہیز اور جوڑے کے لڑکی کی شادی ممکن نہیں، بعض اوقات لڑکی کا باپ لڑکی کی شادی کے لیے اپنی آدھی جائیداد تک فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے؛ تو کیا ایسی صورت میں

بھی (باپ کی وفات کے بعد) بھائی کے مقابلے میں بہن کو آدھا حصہ والد کی جائیداد سے ملے گا؟

(حافظ اللہ خان، القصیم)

جواب: والد کی جائداد میں لڑکی کا حق شرعی ہے، اسے وراثت کے اس حق شرعی سے محروم نہیں کیا جاسکتا، چاہے ماحول کے بگاڑ کی وجہ سے اس کی شادی پر کتنا ہی خرچ ہو جائے، اگر مرتے وقت والد مال و جائیداد چھوڑ جائے تو اسے وراثت کے اسلامی اصول و ضوابط کے تحت تقسیم کیا جائے گا اور لڑکی کو بھی اس میں سے اپنا حق شرعی ملے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَ لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ الْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا." (۱)

"اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس چیز میں جس کو والدین اور نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، اس میں تھوڑا ہو یا زیادہ، ایک حصہ قطعی ہے۔"

ہاں اگر وہ خود ہی اپنی رضا اور رغبت اور خوشی سے دستبردار ہو جائے تو الگ بات ہے۔

زرعی زمین میں لڑکی کا حق

سوال: ترکہ کی زرعی زمین میں لڑکی اور لڑکے کا حق کیا ہے؟ کیا لڑکی کو زرعی زمین میں حصہ نہیں ملتا اور وہ صرف متوفی والدین کی دوسری چھوڑی ہوئی جائیداد سے حصہ پائے گی یا زرعی اور غیر زرعی دونوں جائیداد سے؟

(محمد مشہود مرزا، ریاض)

جواب: مرنے والے شخص کی جائیداد چاہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ، زمین زرعی ہو یا غیر زرعی یا نقد روپیہ پیسہ یا اور کوئی چیز، تقسیم وراثت کے لحاظ سے اس میں کوئی فرق نہیں، مرحوم کی ساری جائیداد (جتنی چیزیں مرتے وقت اس کی ملکیت میں تھیں)

(۱) نساء : ۷

تمام ورثاء میں شرعی اصول کے مطابق تقسیم کی جائے گی، جائیداد کی کوئی ایسی قسم نہیں جس میں لڑکی یا کوئی دوسرا وارث اپنے حصہ شرعی سے محروم رہے، بلکہ تمام جائیداد کی تمام ہی اقسام سے ورثاء اپنا حصہ پائیں گے، سورۂ نساء کی آیت نمبر: ۷، ابھی اوپر گذری ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کو جائیداد کی تمام ہی قسموں سے حصہ ملے گا، چاہے جائداد منقولی ہو یا غیر منقولی، مزروعی ہو یا غیر مزروعی، لہٰذا زرعی زمین میں بھی لڑکی وراثت کی حقدار ہوگی، جہاں تک لڑکے اور لڑکی کے حصہ کا تعلق ہے تو اصولی طور پر لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کو دوگنا حصہ ملتا ہے، لیکن صحیح طور پر تقسیم وراثت اور حصوں کی تعیین کے لیے مرحوم کے تمام ورثاء سے واقفیت ضروری ہے، کیوں کہ مختلف احوال میں ورثاء کے درمیان حصوں میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔

ترکہ اور قرض

سوال: اگر کوئی شخص مقروض ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو شرعاً اس کے ورثاء کے لیے کیا حکم ہے؟

(س، م ا، بحرین)

جواب: اگر کوئی شخص واقعی ضرورت اور مجبوری کی بناء پر کسی سے قرض لے تو اسے جلد سے جلد ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے، خواہ مخواہ تاخیر اور ٹال مٹول سے کام نہ لے، بلکہ ادا کرنے کی قدرت کے باوجود ٹال مٹول کرنے کو حدیثِ رسول ﷺ میں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے(۱) کئی احادیث میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی جنازہ لایا جاتا تو آپ ﷺ پہلے سوال کرتے کہ اس پر کسی کا قرض تو نہیں ؟اگر وہ مقروض نہ ہوتا تو اس کی نمازِ جنازہ آپ ﷺ پڑھاتے اور اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا تو پھر آپ ﷺ فرماتے کہ تم لوگ نماز پڑھ لو، میں اس کی نماز نہیں پڑھتا، اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں شہید ہو جائے تو اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے

(۱) بخاری عن أبي هريرة، باب مطل الغني ظلم، كتاب الاستقراض

ہیں، سوائے قرض کے، یہ اور اس طرح کی احادیث سے بعجلت قرض کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتنا ضروری ہے۔ اس کی اہمیت کا لحاظ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے، جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق کو اس کا حق نہ دے دیا جائے، یا وہ خود معاف نہ کردے، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے جو دعائیں منقول ہیں، ان میں بے شمار دعائیں ایسی ہیں جن میں آپ ﷺ نے قرض اور اس کے بوجھ سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

اگر کوئی شخص قرض کی ادائیگی سے قبل انتقال کر جائے تو تجہیز و تکفین کے انتظام کے بعد ترکہ سے سب سے پہلے قرض خواہوں کا قرض ہی ادا کیا جائے گا، قرض کی ادائیگی کے بعد اگر کچھ بھی وصیت نہ کیا ہو اور مال و جائیداد باقی بچ جائے تو پھر ورثاء میں وراثت تقسیم ہوگی (۱) ورنہ نہیں، لیکن اگر متروکہ مال سے قرض ادا نہ ہوسکے، یا مرنے والے نے کوئی مال ہی نہ چھوڑا ہو تو ایسی صورت میں مرنے والے کے ورثاء اور قریبی رشتہ داروں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ اس کی طرف سے قرض کی ادائیگی کردیں، تاہم ان کی یہ قانونی ذمہ داری نہیں ہے اور نہ قرض خواہ شرعاً ان سے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں، اگر ورثاء قرض ادا نہ کریں اور قرض خواہ بھی اپنے قرض کو معاف نہ کریں تو تنہا مرنے والے اس کا ذمہ دار ہے، اسی پر اس کا گناہ رہے گا اور قیامت کے دن قرض کے بقدر اس کی نیکیاں قرض خواہوں کو دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں یا ختم ہو جائیں اور قرض باقی رہے تو پھر قرض خواہوں کے گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے، جیسا کہ احادیث میں صراحت ہے، حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرض لیتے وقت ادائیگی کی نیت رکھتا ہو (اور پھر اس کے لیے کوشش بھی کرے) تو اللہ تعالیٰ قرض کی ادائیگی کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔

خودکشی حرام ہے

سوال: آج کل آئے دن اخبارات میں یہ خبر پڑھنے کو ملتی ہے فلاں

---

(۱) سراجی: ۳/٤ ط: دیوبند، ہندوستان

شخص نے یا فلاں عورت نے خودکشی کرلی اور اس کے مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں؛ شرع اسلامی میں خودکشی کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی صورت میں یہ جائز ہے؟ (س م ا، بحرین)

جواب: اسلام میں خودکشی حرام ہے، یہاں تک کہ کسی بیماری یا مصیبت سے تنگ آکر موت کی تمنا اور خواہش یا دعا کرنے سے بھی رسولِ کریم ﷺ نے منع فرمایا، صحیح حدیث میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے کوئی کسی تنگی یا مصیبت کے پہنچنے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔" (۱) ہاں اگر تکلیف و مصیبت زیادہ ہو تو اس طرح دعاء مانگے: "اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہو اور جب موت میرے لیے بہتر ہو تو موت دے دے۔" (۲) جب موت کی تمنا اور دعا کرنا ہی جائز نہیں تو اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارنا اور خودکشی کرلینا کیونکر جائز ہو جائے گا؟

انسانی جان اللہ کی طرف سے ایک امانت ہے، اس کو از خود ضائع کرنا اس امانتِ الٰہی میں بدترین خیانت ہے، احادیث میں خودکشی کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کردے، قیامت کے دن اسے اسی کے ذریعہ عذاب دیا جائے گا۔" اس کی مزید وضاحت ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے، جو صحیح بخاری ہی میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کرلے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اپنے آپ کو اسی طرح اونچائی سے گراتا رہے گا اور جو شخص زہر پی کر اپنے آپ کو ہلاک کردے تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اس کے گھونٹ پیتا رہے گا اور جو کسی لوہے (ہتھیار) سے اپنے آپ کو قتل کرلے تو اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، جس کے ذریعہ جہنم کی آگ میں وہ ہمیشہ اپنے پیٹ کو چاک کرتا رہے گا۔ (۳)

---

(۱) بخاری عن أنس : ۷/۲۲۰ ، باب تمني المريض الموت (۲) بخاری عن أنس ، باب الدعاء بالموت والحياة ، كتاب الدعوات (۳) بخاری عن أبي هريرة ۷/۲۵۶ ، باب شرب السم والدواء به

خودکشی اور ازدواجی زندگی

سوال: جو عورت بار بار سمجھانے کے باوجود خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہو، کیا ایسی عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا جائز ہے؟ اسلامی شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

(اقبال احمد، الخرج)

جواب: جو شخص خودکشی کا اقدام کرنا چاہے، اسے حکمت و مصلحت کے ساتھ اس فعل بد اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی جائے، تاہم جو عورت بار بار سمجھانے کے باوجود اس سے باز نہ آئے تو اس سے ازدواجی تعلق منقطع کیا جا سکتا ہے، اس سے قبل برائی کے اسباب پر غور و فکر کر کے باہم صلح صفائی کی کوشش بھی ضروری ہے، اگر اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو طلاق دے کر ازدواجی تعلق ختم کیا جا سکتا ہے۔

قاتل سے انتقام

سوال: ایک شخص اگر میرے والد کو قتل کرے تو کیا میں اس سے انتقام لیتے ہوئے اپنے والد کے بدلے اس کو قتل کر سکتا ہوں؟

(محمد معزالدین، ناصر)

جواب: شریعتِ اسلامی میں یقیناً قتل کے بدلے قاتل کو بطورِ سزا کے قتل کر دینے کا حکم ہے، لیکن اس سزا کا نفاذ اسلامی حکومت میں حاکمِ وقت کی طرف سے ہوگا، عام آدمی کو یا مقتول کے ورثاء میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ خود قاتل کو قتل کر کے اپنے انتقام کی پیاس بجھائے، بلکہ وہ اسلامی عدالت میں اپنا دعویٰ پیش کر کے قاتل کے قتل کا مطالبہ کرے گا اور جب دعویٰ ثابت ہو جائے تو قاضی شریعت اسلامی حد کو نافذ کرتے ہوئے قاتل کے قتل کا حکم دے گا اور وہ جلاد سے قاتل کو قتل کروائے گا(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر: ۱۷۸ میں حکمِ قصاص بیان کرتے ہوئے اس کی بھی صراحت کی گئی کہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی ایک بھی قاتل کو معاف کر دے اور اس کی جان بخشی کر دے

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۳۶/۷، باب الشهادة في القتل

تو اس سے قتل کی سزا معاف ہو جائے گی اور اس کے بدلے دیت یعنی خون بہا یا جتنے مال پر مقتول کے ورثاء قاتل سے مصالحت کرلیں قاتل پر وہ مال ادا کرنا واجب ہوگا۔

سالگرہ اور عرس کی شرعی حیثیت

سوال: شبِ برأت پر آپ کا فکر انگیز مضمون پسند آیا، ہم لوگ سالہا سال سے جس بدعت میں مبتلا تھے، الحمد للہ اس سے نجات ملی، کاش کہ اس مضمون کو پاکستان و ہندوستان میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا جائے۔ اس حوالے سے یہ عرض کرنا تھا کہ ہماری اکثریت شب برأت کی طرح کئی دوسری دینی و معاشرتی تقریبات بھی مناتی ہے، مثلاً سالگرہ منانا اور کسی کا عرس منانا، ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(محمد امین، ینبع، حامد علی خان، الجبیل، حسن طاہر نساں، جدہ)

جواب: سالگرہ اور عرس کے بارے میں یہ بات جان لی جائے کہ زندہ لوگ اپنی یا اپنی اولاد یا اپنے کسی عزیز زندہ ہستی کی سالگرہ ہر سال اس کے یوم پیدائش پر مناتے ہیں، جب کہ عرس مرنے والے کے لیے خاص ہے، سالگرہ کا لفظی ترجمہ سال کو گرہ دینا ہے، یعنی گزرنے والے ایک سال کو یاد رکھنا، سالگرہ کا تصور یہود و نصاریٰ میں موجود تھا اور وہیں سے ہمارے ہاں آیا ہے کہ مسلمانوں نے بھی سالگرہ منانی شروع کردی ہے، اس موقع پر تقریبات منعقد ہوتی ہیں، کیک کاٹا جاتا ہے، موم بتی یا شمع جلا کر بجھائی جاتی ہے، تالیاں بجائی جاتی ہیں اور بعض دوسری رسمیں انجام دی جاتی ہیں، سالگرہ منانا یہود و نصاریٰ کی تقلید ہے اور یہ شرعاً حرام ہے، اس سلسلے میں منعقد شدہ کسی بھی تقریب میں شرکت کرنا حرام ہے، قرآن نے بارہا ہمیں یہود و نصاریٰ کی تقلید سے منع کیا ہے اور اس بارے میں شدید وعیدیں سنائی ہیں، خود سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگا۔(۱) مشابہت لباس میں بھی ہو سکتی ہے، تہذیب و ثقافت میں بھی اور رسم و رواج میں بھی، مسلمان

---

(۱) ابو داؤد عن شداد بن أوس باب الصلوة في النعل

کے لیے کسی بھی صورت میں غیر مسلموں کی تقلید و مشابہت جائز نہیں ہے۔

کسی کے مرنے کے بعد یا تو اس کی برسی منائی جاتی ہے، یا اس کا عرس منایا جاتا ہے، دین اسلام میں نہ تو برسی کا تصور ہے اور نہ عرس کا، نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کی نہ تو برسی منائی اور نہ ہی عرس منایا گیا۔ رسولِ کریم ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی یہ بدعت موجود نہ تھی، صحابہؓ کے بعد تابعین کا دور آیا، اس مبارک دور میں بھی کسی تابعی نے کسی صحابیؓ کا عرس یا برسی نہ منائی، پھر ائمۂ اربعہ اور سلفِ صالحین کا زمانہ آتا ہے، ہمیں اس زمانہ میں بھی یہ ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ کسی نے کسی کی برسی منائی ہو، یا کسی کا عرس ہوا ہو، یہ رسم محض ایک رسم ہے اور چوں کہ ثواب کی نیت سے منائی جاتی ہے، لہٰذا یہ بدعت ہے اور تمام مسلمانوں کو بدعت سے بچنا چاہیے کہ بدعتی اللہ کی نگاہِ رحمت سے محروم رہتا ہے، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں:

" لایجوز ما یفعله الجهال بقبور الأولیاء و الشهداء من السجود و الطواف حولها و اتخاذ السراج و المساجد إلیها و من الاجتماع بعد الحول کالاعیاد و یسمونه عرساً . "(۱)

"ناواقف لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں پر جو سجدہ، طواف اور چراغاں کرتے ہیں، سال میں عید کی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں، جس کا وہ عرس نام رکھتے ہیں، وہ ہرگز جائز نہیں ہے۔"

اور امام مالکؒ نے اصولی بات لکھی ہے:

" ما لم یکن یومئذ دینا لایکون الیوم دینا . "

"جو اس دن دین نہیں تھا، آج بھی دین میں سے نہیں ہوگا۔"

جوڑے کی رقم کا مطالبہ

سوال: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر لڑکے والے لڑکی والوں سے جوڑے کی رقم مانگتے ہیں: کیا یہ جائز ہے؟ اگر کوئی شخص فکس نیاز سے

---

(۱) تفسیر مظهری : ۶۵/۲

کر کے اس کے سود سے یہ رقم دے دے تو کیا جائز ہے؟

(ایک بہن، جدہ)

جواب: شادی بیاہ کے موقع پر غلط اور فضول رسموں نے جہاں دینی نقصانات پہنچائے ہیں، وہیں دنیاوی خسارے وگھاٹے سے بھی دوچار کیا ہے، لڑکے والوں کا یہ مطالبہ شرعاً بالکل غلط ہے اور صریحاً زیادتی ہے، جس طرح اس رقم کا مطالبہ کرنا زیادتی ہے اور ناجائز ہے، اسی طرح یہ بھی شرعاً حرام ہے کہ حرام مال کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے، فقہی قاعدہ ہے کہ ما حرم أخذه حرم اعطاءه (۱) یعنی جس چیز کا لینا حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے، اس لیے جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح سودی رقم کا استعمال بھی ناجائز ہے۔

ختنہ کرنا سنت ہے

سوال: مرد کے لیے ختنہ کب مسنون ہوا اور یہ کس پیغمبر کی سنت ہے؟

(عبدالباری، لیاقت علی، پٹنہ)

جواب: کئی صحیح احادیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کا عمل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کیا، ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا (۲)، ختنہ کرانا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جسے ہمارے رسول ﷺ نے سنتِ فطرت قرار دے کر اپنی امت کے لیے بھی سنت قرار دیا۔

مذہب سے متعلق سوال:

سوال: میرا ایک ساتھی اکثر مجھے الجھن میں ڈالے رہتا ہے، جب بھی وہ کسی ہوٹل یا دکان وغیرہ میں خریداری کے لیے جاتا ہے تو وہاں کام کرنے والوں سے پوچھتا ہے کہ کیا تم مسلمان ہو؟ یا تمہارا مذہب کیا ہے؟

---

(۱) الاشباه و النظائر لابن نجیم قاعده : ۱۴ (۲) (بخاری عن أبی هریرة ۲۷۹۰۴ ، باب قول الله اتخذ الله ابراهیم الخ

میں نے بارہا منع کیا کہ اس طرح کسی سے سوال ہمیں زیب نہیں دیتا، مگر وہ مانتا نہیں؛ کیا اس کا اس طرح پوچھنا جائز ہے؟

(راجہ منظور شاہد، جدہ)

جواب: بلا ضرورت اس طرح کا سوال مناسب نہیں، اگر کسی ضرورت یا اچھے مقصد کے تحت ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ختنہ سنتِ ابراہیمی ہے

سوال: میرے بھتیجے کی عمر تقریباً گیارہ سال ہے، اب تک اس کی ختنہ نہیں کی جا سکی، جس کی وجہ یہ ہے کہ اسے خاندانی بیماری ہے، وہ یہ کہ جب خون نکلتا ہے تو جب تک نیا خون نہ لگایا جائے بند نہیں ہوتا، ڈاکٹروں نے ختنہ نہ کرانے کا مشورہ دیا اور اگر کرانا چاہیں تو پھر چالیس ہزار روپے کا خرچ آئے گا؛ آپ شرعی حکم سے مطلع کریں کہ کیا ختنہ کرانا ہر حال میں ضروری ہے یا اسے ترک کر دینے کی بھی گنجائش ہے؟

(مہر خاں، جدہ)

جواب: ختنہ کرانا سنت ہے، اگر کسی بیماری یا مجبوری کی وجہ سے ختنہ نہ کرایا جا سکے تو کوئی گناہ نہیں ہے، آپ کے بھتیجے کو چوں کہ بیماری ہے، لہٰذا اس کا ختنہ کرانا ضروری نہیں، ہندیہ میں ہے:

" الشيخ الضعيف إذا أسلم و لايطيق الختان ان قال أهل البصر لايطيق بترك لأن ترك الواجب بالعذر جائز فترك السنة اولى " (۱)

دوسروں کا خط پڑھنا

سوال: کیا کوئی بیوی اپنے شوہر کا یا شوہر بیوی کے والدین اور بہن بھائیوں کا خط بلا اجازت پڑھ پڑھ سکتے ہیں؟ کیا ساس سسر اپنی بہو یا بیٹے کی اجازت اور علم کے بغیر ان کے خطوط پڑھ سکتے ہیں؟ کیا کوئی استاد اپنے شاگرد کا

---

(۱) هندية : ۳۵۷/۵ ط : بيروت

خط یا کوئی شخص دوسرے کسی دوست کا خط بلا اجازت پڑھ سکتا ہے؟
(ایک سائل، جدہ)

جواب: اسلامی معاشرے میں ہر رشتہ دار اور ہر انسان کے حقوق مقرر ہیں، یہ حقوق انفرادی واجتماعی دونوں طرح کے ہیں، اچھے مسلم معاشرے کو اچھے مسلمان ہی تعمیر کرسکتے ہیں، یہ معاشرہ تمام اسلامی آداب اور اچھے اخلاق پر بنایا جاتا ہے، مسلمانوں کے باہم حقوق کے سلسلے میں یہ بات جاننی ضروری ہے کہ ہر مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت دوسرے مسلمان پر ضروری ہے۔

قرآن پاک میں ایمان والوں کو معاشرتی واخلاقی آداب سکھاتے ہوئے ایک دوسرے کی جاسوسی سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ الحجرات آیت: ۱۲/ میں ارشاد ہے ہمیں ایک دوسرے کی جاسوسی سے سختی سے منع کیا گیا ہے، کہ یہ ایک قبیح اخلاقی برائی اور گھٹیا حرکت ہے، سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر رسولِ کریم ﷺ نے شدید وعید والا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے جاسوسی کے بارے میں فرمایا: "اے لوگو جو زبانی ایمان لائے ہو اور دلوں میں ابھی تک ایمان داخل نہیں ہوا ہے سنو! ایمان والوں کو مت ستاؤ اور ان کے راز معلوم کرنے کے لیے ان کا پیچھا مت کرو، جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کی جاسوسی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کیا گیا پردہ چاک کیا اور جو کوئی کسی مسلمان کی جاسوسی کرے اسے ذلیل ورسوا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے (ضرور) ذلیل ورسوا کرے گا، خواہ وہ اپنے گھر ہی میں کیوں نہ بیٹھا ہوا ہو (۱)، مسندِ امام احمد بن حنبل کی ایک حدیث میں رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص دوسرے کسی کے راز معلوم کرنے اور اس کی جاسوسی کرنے کے لیے اس کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔ (۲)

ہمارے گھر اور خاندانوں میں بگاڑ کے اسباب میں یہ سبب بھی ہے کہ لوگ

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۳۲ (۲) ابوداؤد، حدیث نمبر : ۴۸۸۰

ایک ایک دوسرے کو رسوا کرنے کے لیے اس کے راز معلوم کرنے لگے رہتے ہیں، جونہی کوئی کمزوری یا غلطی پکڑتے ہیں، فوراً پورے گھر اور خاندان میں اسے عام کر کے فساد پھیلاتے ہیں، ایسے لوگ بدترین مجرم ہیں اور ان کو ان کی دینداری اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی، ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہے اور آخرت کا دردناک عذاب بھی ان کا منتظر ہے، کسی دوسرے کا خط پڑھنا، کسی کی باتیں چھپ کر سننا اور دوسری بعض گھٹیا حرکتیں کرنا یقیناً کبیرہ گناہ ہیں اور حرام ہیں، نہ والدین کے لیے اولاد اور بہو کی جاسوسی کرنی جائز ہے، نہ اولاد اور بہو کے لیے ساس سسر یا والدین کی جاسوسی جائز، نہ ہی میاں بیوی کے لیے اور نہ کسی اور کے لیے جائز، یہ ایک بدترین جرم اور بڑا گناہ ہے، ہاں اگر تربیتی نقطۂ نظر سے ماں باپ اپنے بچوں کے یا استاذ اپنے طالبِ علموں کے اخلاقی تربیت کا خیال کرتے ہوئے دیکھیں تو کوئی حرج نہیں۔

دوسرے کا خط پڑھنا

سوال: بعض لوگ دوسروں کے خطوط بلا اجازت پڑھتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ بعض لوگ لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود رازدارانہ خطوط دوسروں سے لکھواتے یا پڑھواتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں، کیا ایسا عمل جائز ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص اَن پڑھ ہے اور خود خط لکھ پڑھ نہیں سکتا تو ظاہر ہے کہ مجبوراً وہ دوسرے کسی شخص سے خط لکھوا سکتا ہے اور آیا ہوا خط پڑھا سکتا ہے، لیکن ایسی حالت میں بھی اپنی گھریلو ازدواجی رازدارانہ باتیں نہیں لکھوانی چاہئیں، کہ اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، اگر خط لکھنے یا پڑھنے والے کبھی اس قسم کی کوئی بات دیکھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ ستر پوشی کریں اور کسی کا راز فاش نہ کریں، بلا اجازت دوسروں کا خط پڑھنا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔

گری پڑی چیز کا حکم

سوال: میرے ایک دوست کو تین گرام سونا ملا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں سے آدھا حصہ غریبوں میں تقسیم کرنا چاہیے؛ کیا یہ بات درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

(شیخ محمد فیروز، ظہران)

جواب: اگر کسی شخص کو گری پڑی چیز ملی تو شرعاً وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ چیز اس کے پاس امانت ہوگی، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اصل مالک کو تلاش کر کے اس تک وہ چیز پہنچادے، اس کے لیے حدیث میں ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے، یعنی وہ ایک سال تک (حسبِ استطاعت وضرورت) اس کا اعلان کر کے مالک کو تلاش کرے، اگر اتنے دنوں تک مالک کا پتہ نہیں چلے، غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک تلاش نہیں کرے گا، تو جو کچھ ہے، صدقہ کردے اور اگر کچھ خرچ چکا ہے تو اس کی قیمت صدقہ کردے، اگر خود غریب ہے تو بطورِ صدقہ خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔(۱)

آمدنی کا دسواں حصہ کسی مخصوص خاندان کے لیے

سوال: میری والدۂ محترمہ کو کسی نے یہ بتادیا کہ اگر بیٹوں کی کمائی سے دسواں حصہ دیا جائے تو اس کے فلاں فلاں فضائل ہیں، ان کا کہنا ہے اس دسویں حصہ کا حقدار وہی ہوگا جو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خاندان سے ہو، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ وہ ہم بھائیوں کی آمدنی کا دس فیصد ہمارے علاقے کے ایک سید کو دیتی ہیں، جو پہلے سے کافی مالدار ہیں؛ کیا یہ خیال درست ہے یا اللہ ورسول کا ایسا کوئی فرمان ہے؟ جب کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ رقم خرچ کرنا ہی ہے تو کسی غریب مسکین وغیرہ پر خرچ کریں، لیکن وہ ہماری بات مانتی نہیں، اب ہم کیا کریں؟

(علی نواز احمد، جدہ)

---

(۱) بدائع ۵/۲۹۸

جواب: آپ کی والدہ آپ کی کمائی میں سے دسواں حصہ یا جتنا وہ چاہیں آپ کی رضامندی سے خرچ کر سکتی ہیں، بشرطیکہ کسی غریب، یتیم، بیوہ اور مسکین وغیرہ کی اس کے ذریعہ مدد کی جائے، کسی بھی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ مال کا دسواں حصہ کسی مخصوص خاندان کے لوگوں کو دیا جائے، خود شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے بھی یہ نہیں کہا کہ ان کی اولاد کو دسواں حصہ ملے، یہ لوگوں نے اپنی طرف سے مشہور کر رکھا ہے، آپ اپنی والدہ سے کہیں وہ یہ رقم کسی غریب مسکین کو دیں، خواہ وہ کسی بھی خاندان کا ہو۔

جوتے چوری ہونے پر

سوال: حرمین میں اکثر جوتے چپل کی حفاظت مشکل ہوتی ہے، جب عمرہ وغیرہ کرنے جائیں تو اکثر جوتے غائب ہو جاتے، ایسے میں بعض دوسروں کے جوتے پہن لیتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے پرانے جوتے چھوڑ کر نئے جوتے پہن لیتے ہیں؛ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: اگر حرم مکہ مدینہ یا کسی دوسری مسجد وغیرہ میں آپ کے جوتے چوری ہو جائیں تو آپ ننگے پاؤں واپس اپنی رہائش گاہ چلے جائیں یا کسی قریبی دکان سے نئے جوتے خرید لیں، کسی دوسرے کی جوتی لینا شرعاً ناجائز ہے اور حرم شریف میں چوری تو اور بھی بڑا جرم ہے، جو لوگ جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں، وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

اختتامِ مجلس پر دعا

سوال: آج کل عام طور پر یہ بات دیکھی گئی ہے کہ دینی مجالس کے اختتام پر التزاماً دعاء کی جاتی ہے اور اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے؛ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟ (ایک خاتون، جدہ)

جواب: دعاء کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور قرآن پاک میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعاء کرنے اور اللہ کی ذات سے مانگنے کی ترغیب دی اور قبولیتِ دعاء کا وعدہ فرمایا، لہٰذا بندے کو اللہ سے مانگنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی

چاہیے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے جو اس سے مانگتے نہیں اور اس سے دعاء کرتے نہیں، لیکن کسی خاص مجلس میں اجتماعی طور پر التزاماً دعاء کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا درست نہیں ہے، البتہ کبھی کبھار دعاء کرلی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، بہتر یہ ہے کہ "کفارہ مجلس" کی دعاپڑھ کر مجلس کو ختم کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس سے اٹھنا کا ارادہ فرماتے تو یہ دعاء پڑھتے: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَا إِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ إِلَيْكَ" ایک صحابیؓ کے سوال کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ مجلس کے گناہوں اور غلطیوں کا کفارہ ہے۔(۱)

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت

سوال: کیا غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت شرعاً جائز نہیں؟

(خوادہ مظہر الدین، ریاض)

جواب: غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ کفر سے رضامندی کا اظہار ہے اور کفر پر تعاون کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں۔

۷۸۶ کی شرعی حیثیت

سوال: اکثر لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھتے ہیں اور اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا بدل تصور کرتے ہیں؛ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس کے لکھنے میں کوئی گناہ تو نہیں؟ (محمد صدیق، جبیل)

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھنا درست نہیں، کیونکہ یہ بسم اللہ کا نہ تو کل عدد ہے اور نہ بدل ہے، نہ ہی اس سے بسم اللہ کی برکت حاصل ہوتی ہے، اس سے بچنا چاہیے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے نام کی بے حرمتی سے بچنے کے لیے ۷۸۶ لکھا جاتا ہے، لیکن صحابہؓ وسلفِ صالحینؒ میں اس طرح کا کوئی رواج ہمیں نہیں ملتا،

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۳۴۳۳

خط لکھا تھا، اس میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تھا، رسولِ کریم ﷺ نے جتنے خطوط کافروں اور مشرکوں کو لکھے، ان میں بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا، لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ عدد ۷۸۶ لکھنا درست نہیں۔

خط کے شروع میں بسم اللہ

سوال: خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا کیسا ہے؟ (امیر زادہ نثار، بحرین)

جواب: خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا سنت ہے، آپ ﷺ نے اسی کا اہتمام فرمایا ہے۔

ناخن کاٹنے کا طریقہ

سوال: ناخن کاٹتے وقت کس ہاتھ اور کس انگلی سے شروع کیا جائے اور کس دن ناخن کاٹے جائیں؟ (محمد انور ندیم، المذنب)

جواب: ناخن کاٹنے کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں، جیسے ہی آپ کے ناخن بڑے ہوں، انہیں کتر ڈالیے البتہ آداب کے باب میں علماء نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ ہر جمعہ ناخن تراشے جائیں، نیز دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے چھوٹی انگلی تک پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھے تک اس کے بعد اخیر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشا جائے۔ یہ بات امام غزالیؒ سے منقول ہے، بعض علماء نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے، تاہم اس سلسلے میں کوئی قوی اور صحیح روایت موجود نہیں ہے، لہٰذا یہ ترتیب واجب و ضروری نہیں، پاؤں کے ناخن کاٹنے میں ترتیب یہ بہتر قرار دی گئی ہے کہ دائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے علی الترتیب بائیں پاؤں کی چھوٹی انگلی پر ختم کیا جائے، اس بات کو ردّ المحتار میں اس طرح کہا گیا ہے:

" يبدأ بخنصر رجله اليمنىٰ و يختم بخنصره اليسرى ، قال في الهداية عن الغرائب و ينبغي الابتداء باليمنى و الانتهاء بها فيبدأ بسبابتها و يختم بابهامها و في الرجل بخنصر اليمنى و يختم بخنصره اليسرى . " (١)

---

(١) ردّ المحتار : ٧٢٦/٦ ، ط : بيروت

اولاد کی اسلامی تربیت

سوال کھانا ختم کر کے دستر خوان پر ہی اسی پلیٹ میں ہاتھ دھونا، جان بوجھ کر بچوں کے ہاتھوں رزق کی بربادی، نیز لڑکے کو لڑکی کے اور لڑکی کو لڑکے کے کپڑے پہنانا کیسا ہے؟

(عبداللہ بن علی بامدوہ، جدہ)

جواب: اولاد کی صحیح اور مکمل اسلامی تربیت ہر ماں باپ کی ذمہ داری ہے، والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو تمام اسلامی آداب سکھائیں اور ان کے اخلاق صحیح رکھیں، خصوصاً کھانے پینے کے آداب ودعائیں، سونے جاگنے کے آداب ودعائیں، نیز دوسرے اہم اسلامی آداب ودعائیں بھی سکھانی چاہیے، آپ کے سوالات کا تعلق انہی آداب سے ہے، اگر کھانے پینے، لباس ودسترخوان، حجاب وحیا وغیرہ کے احکامات بچوں کو بتادیے جائیں تو یہ نہ صرف ان کے لیے بلکہ پورے گھر اور خاندان کے لیے مفید ہوتے ہیں، جان بوجھ کر بچوں سے روٹی، سالن، سبزی وغیرہ کی بے ادبی کرانا گناہ ہے، اسی طرح بچوں کو کھانے پینے کے آداب نہ سکھانا بھی زیادتی ہے، لڑکے اور لڑکی کے پہننے کے کپڑے الگ الگ ہونے چاہئیں، تاکہ بچپن ہی سے دونوں کو اپنی ذات اور شخصیت کا علم ہو سکے۔

ولدیت تبدیل کرنا جائز نہیں

سوال: میں اپنے بھائی کا لڑکا یہاں لایا ہوں، اس کا نام تو پہلا نام ہی ہے، لیکن پاسپورٹ اور اسکول میں والد کے نام کی جگہ میرا نام ہے، کیوں کہ ہم نے اسے گود لیا اور یہاں لانے کے لیے یہ سب ضروری تھا؛ کیا اس تبدیلی پر کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب: کسی دوسرے کے بچے کی ولدیت تبدیل کرنا شرعاً حرام ہے، اسی طرح دوسرے کسی کے بچے کو اپنے پاسپورٹ پر اپنا بچہ لکھوا کر کہیں لے جانا بھی شرعاً حرام ہے، یہ دھوکہ اور جھوٹ بھی ہے قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہے کہ لے پالک اور

منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی والد کے نام سے پکارا جائے،(۱) یعنی ان کے حقیقی والد کے بجائے اپنی طرف نسبت صحیح نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنے کو منسوب کیا تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔(۲)

پردہ کن مردوں سے؟

سوال: عورت کو کن مردوں سے پردہ کرنا چاہیے اور اس کے حدود کیا ہیں؟

(عمر زماں، دمام)

جواب: عورت کے لیے ہر وہ شخص غیر محرم ہے جس سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، لہٰذا ان سب سے پردہ کرنا واجب ہے۔

داماد سے پردہ

سوال: داماد محرم ہے یا نہیں؟ کیا داماد سے پردہ کرنا چاہیے؟

(صفیہ، جدہ)

جواب: داماد محرم رشتہ داروں میں سے ہے، اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں۔

نابینا سے پردہ

سوال: کیا نابینا آدمی کے سامنے عورت آسکتی ہے؟

(ارشاد احمد، جدہ)

جواب: اگر یہ نابینا بوڑھا شخص ہے اور اس کے سامنے آنا عورت کے لیے فتنے کا سبب نہیں تو جائز ہے، ورنہ ناجائز بلکہ حرام ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھیں اور سیدہ میمونہ بھی وہیں حاضر تھیں، حجاب کا حکم نازل ہو چکا تھا، سیدنا عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں آئے تو آپ علیہ السلام نے سیدہ امّ سلمہؓ اور سیدہ میمونہؓ سے پردہ کا حکم فرمایا، تو دونوں

---

(۱) احزاب: ۵ (۲) ابن ماجه عن ابن عباس، باب من ادعى الى غير ابيه

کہنے لگیں کہ یارسول اللہ! وہ نابینا ہیں اور ہمیں نہیں دیکھ سکتے، حجاب کی ضرورت کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم دونوں تو اندھی نہیں۔(۱) غرض آپ کا مقصد یہ تھا کہ پردہ صرف بینالوگوں سے ہی ضروری نہیں، بلکہ نابینالوگوں سے بھی ضروری ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ ہو۔

یتیمی کب تک؟

سوال: گزشتہ کئی برس سے سعودی عرب میں ہوں، بڑا ہونے کی حیثیت سے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی بہت خدمت کی، حتی کہ سب کی شادیاں ہو گئیں اور سب برسرِ روزگار بھی ہیں، دو بہنیں اور ایک بھائی بالغ ہیں، زیرِ تعلیم ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں، اسی اثناء میں والدین انتقال کر گئے؛ کیا اب بھی سب بہن بھائیوں کو یتیم سمجھوں؟ شرعاً یتیم کب تک سمجھا جاتا ہے؟ کیا میں ان کو بیوی بچوں پر ترجیح دے سکتا ہوں؟

(عتیق الرحمان، جدہ)

جواب: کوئی بھی لڑکا یا لڑکی جس کے والد کا انتقال ہو گیا ہو، بالغ ہونے سے پہلے تک شرعاً یتیم سمجھے جاتے ہیں، بلوغ کے بعد یتیمی نہیں (۲)، لیکن مالی تعاون وخدمت اور ضروریات کی تکمیل کیلئے کسی کا یتیم ہونا ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی رشتہ دار یتیم نہ بھی ہو، لیکن مسکین ومحتاج ہو اور خود کفیل نہ ہو تو دوسرے صاحبِ حیثیت رشتہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ اس کی کفالت کریں اور اس کی ضروریات کو پورا کریں، چنانچہ اب جو بہن بھائی آپ کے غیر شادی شدہ اور زیرِ تعلیم ہیں، ان کے سلسلے میں آپ کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ حسبِ استطاعت ان کا مالی تعاون کریں اور ان کی ضرورتوں کو پورا کریں، نیز اس ذمہ داری میں آپ تنہا نہیں بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے دوسرے برسرِ روزگار صاحبِ حیثیت بھائی اور قریبی رشتہ دار بھی (اگر ہوں تو) شریک ہیں۔

اپنے بہن بھائیوں اور رشتہ داروں پر جو کچھ بھی آپ خرچ کریں، اس میں حصولِ ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت کرلیں کہ اس طرح انشاء اللہ بہت زیادہ اجر وثواب کے آپ مستحق ہوں گے، ویسے بھی ضرورت مند رشتہ داروں پر خرچ کرنا دوہرے اجر وثواب کا باعث ہے، اس میں ایک تو صدقہ کا ثواب ہے اور دوسرے صلہ رحمی کا، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بیوی بچوں کا حق بہرحال دیگر اعزہ واقارب پر مقدم ہے اور ان کی جائز ضروریات کو آپ نظر انداز نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ نے صاحبِ حیثیت بنایا ہے تو بیوی بچوں پر تنگی مناسب نہیں، رسولِ کریم ﷺ نے اجر وثواب کے لحاظ سے سب سے افضل دینار اس کو قرار دیا ہے جسے آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، صحیح مسلم کی روایت ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "ایک دینار وہ ہے جس کو تم اللہ کی راستہ میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جسے تم کسی غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جس کو تم کسی مسکین پر صدقہ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جسے تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہو، ان میں سب سے زیادہ اجر وثواب والا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہو۔"(۱)

اہلیہ اور بچوں کو بھائی کہنا

سوال: بغیر کسی قصد واراده کے اہلیہ یا بچوں کو بھائی کے لفظ سے پکارا جائے تو کیا اس میں کوئی گناہ ہے، جبکہ یہ آدمی کا تکیہ کلام بن جائے؟

(ابوعمر قیصرانی، بحرین)

جواب: اولاد یا بیوی کو بھائی کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں، یوں بھی ہر شخص اسلامی اخوت کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی نسبت سے اپنی زوجہ سارہ کو بہن کہا تھا، البتہ قصداً ایسے تخاطب سے احتیاط بہتر ہے۔

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر ۹۹۵

چہرہ کا پردہ

سوال: کیا عورت کے لیے چہرہ پر نقاب ڈالنا اور چہرہ کا پردہ کرنا ضروری ہے؟

(ایم این صمد ناز، ریاض)

جواب: عورتوں کے لیے غیر محرم مردوں سے چہرہ کا پردہ کرنا بھی ضروری ہے، پردہ یہ ہے کہ اجنبیوں اور عام آدمیوں سے چہرہ کے ساتھ ساتھ پورا جسم ڈھکے رکھا جائے، اس سلسلہ میں یہ تفصیل بھی پیش نظر رہے کہ مرد کو مرد کا سارا بدن سوائے ناف سے زانو تک کے حصہ کو دیکھنا جائز ہے، عورت کو عورت کی پنڈلیاں اور دونوں بازو دیکھنا اسی وقت جائز ہے جب کہ شہوت کے ساتھ نہ دیکھے، پشت اور سامنے کا حصہ دیکھنا جائز نہیں ہے، اجنبی آزاد عورتوں کا کچھ بھی دیکھنا جائز نہیں، البتہ ہتھیلیاں دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ شہوت سے اس کا دل مامون ہو، اگر شہوت کا خوف ہو تو شرعی ضرورت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر ضرورت ہو، جیسے حاکم فیصلہ کرے، یا گواہ شہادت دے تو اس وقت چہرہ دیکھنا جائز ہے، مریض ہو تو ڈاکٹر مرض کی جگہ دیکھ سکتا ہے، اس طرح اس تفصیل کے ساتھ ستر فرض ہے؛ البتہ یہ صورت کہ اجنبی مرد کو بالکل بدن نہ دکھائے تو جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات پر تو فرض تھا، لیکن عام مسلم عورتوں پر فرض نہیں، بلکہ یہ حجاب سنت اور واجب استحسانی ہے اور شرور و فتن کو دور کرنے کے لیے مصلحتاً ضروری ہے۔

شاہ عبد القادر صاحبؒ "فَاسْئَلُوْا مِنْ وَّرَاءِ حِجَاب" کے ذیل میں فرماتے ہیں: اس آیت میں پردہ کا حکم ہوا کہ مرد آپ ﷺ کی ازواج کے سامنے نہ جائیں، عام مسلمانوں کی عورتوں پر یہ حکم واجب نہیں، اگر عورت سامنے ہو، کسی مرد کے سبب بدن کپڑوں میں ڈھکا ہو تو گناہ نہیں ہے، یہ الگ بات ہے کہ سامنے نہ آئے تو بہتر ہے، حاصل یہ کہ ستر فرض ہے اور حجاب بہ نظر مصلحت واجب ہے۔ ☆

فہرستِ کتابیات

قرآنیات

نمبر	کتاب	مصنف
١	قرآن کریم	
٢	الدر المنثور جلال الدین	جلال الدین سیوطیؒ
٣	ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر دمشقیؒ
٤	الجامع لاحکام القرآن	محمد بن احمد انصاری قرطبیؒ
٥	تفسیر کبیر	فخر الدین رازیؒ
٦	روح المعانی	سید محمود آلوسیؒ
٧	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
٨	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ
٩	معارف القرآن	مفتی محمد شفیعؒ
١٠	الاکلیل	جلال الدین سیوطیؒ

حدیث وشروح حدیث

نمبر	کتاب	مصنف
١	صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاریؒ
٢	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج قشیریؒ
٣	سنن نسائی	
٤	سنن ابو داود	سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانیؒ
٥	سنن ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذیؒ
٦	سنن ابن ماجہ	محمد بن یزید بن ماجہ قزوینیؒ
٧	سنن بیہقی	ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقیؒ
٨	سنن دار قطنی	علی بن عمر دار قطنیؒ
٩	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
١٠	مؤطا امام مالک	مالک بن انسؒ
١١	الترغیب والترہیب	عظیم بن عبد القوی منذریؒ
١٢	الادب المفرد	محمد بن اسماعیل البخاریؒ
١٣	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر ہیثمیؒ
١٤	صحیح ابن خزیمہ	ابن خزیمہؒ
١٥	جمع الفوائد	محمد بن محمد بن سلیمانؒ
١٦	الجامع الصغیر	جلال الدین سیوطیؒ
١٧	مستدرک	محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوریؒ
١٨	مشکوۃ المصابیح	محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزیؒ
١٩	فتح الباری	ابن حجر عسقلانیؒ
٢٠	ارشاد الساری	احمد بن محمد قسطلانیؒ
٢١	مرقاۃ المفاتیح	ملا علی قاریؒ
٢٢	نیل الاوطار	محمد بن علی شوکانیؒ
٢٣	اعلاء السنن	ظفر احمد عثمانیؒ
٢٤	اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ
٢٥	سبل السلام	محمد بن عبد السلام صنعانیؒ

ائمہ اربعہ کی فقہ

نمبر	کتاب	مصنف
١	بدایۃ المجتہد	محمد بن رشد قرطبیؒ
٢	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	عبد الرحمن جزیریؒ
٣	حلیۃ العلماء	محمد بن احمد شاشی القفالؒ
٤	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ

فقہ حنفی

نمبر	کتاب	مصنف
١	ہدایہ	برہان الدین مرغینانیؒ
٢	فتح القدیر	علامہ ابن ہمامؒ
٣	البحر الرائق	زین الدین بن نجیم مصریؒ
٤	بدائع الصنائع	ابو بکر مسعود کاسانیؒ
٥	در مختار	علاء الدین حصکفیؒ
٦	رد المحتار	محمد امین بن عابدین (شامی)
٧	مجمع الانہر	محمد المرتضیٰ بن علی ... محمد السہدی الجزائری
٨	اسلامی فقہ	مولانا مجیب اللہ ندوی
٩	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
١٠	حلال وحرام	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
١١	اسلام کا نظام عشر وزکوۃ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
١٢	احکام حج	مفتی محمد شفیع
١٣	الزواج الاسلامی	
١٤	المفصل فی احکام المراۃ	دکتور عبد الکریم زیدان

فقہ شافعی

نمبر	کتاب	مصنف
١	المجموع شرح المہذب	یحییٰ بن شرف نوویؒ

فقہ مالکی

نمبر	کتاب	مصنف
١	حاشیہ دسوقی	شمس الدین دسوقیؒ
٢	الشرح الکبیر	سید احمد دردیرؒ
٣	المدونۃ الکبریٰ	امام مالک بن انسؒ

فقہ حنبلی

۱	المغنی	ابن قدامہ مقدسیؒ
۲	الاقناع	شرف الدین موسیٰ الحجاوی المقدسی

دیگر

۱	المحلی	ابن حزم ظاہریؒ

قواعدِ فقہ

۱	الاشباہ والنظائر	زین الدین بن نجیمؒ
۲	القواعد الفقہیۃ	علی احمد الندویؒ

کتب فتاویٰ

	الفتاویٰ الہندیۃ	مرتبہ عہد عالمگیری
۲	الفتاویٰ التاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاریؒ
۳	فتاویٰ قاضی خاں	فخر الدین اوزجندیؒ
۴	فتاویٰ تیمیہ	داؤد بن یوسف الخطیبؒ
۵	نفع المفتی والسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۶	امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانویؒ

متفرقات

۱	الاعتصام	ابو اسحاق شاطبیؒ
۲	الاکلیل	سیوطیؒ
۳	المصالح العقلیۃ للاحکام النقلیۃ	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۴	المعجم الوسیط	